خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
جنوری 2021
سال نو مبارک

ماہنامہ
آنچل
کراچی
بانی مدیرہ زیب النساء
مدیراعلیٰ مشتاق احمد قریشی
مدیرہ سعیدہ نثار
نائب مدیرہ سیما رضا
گروپ ایڈیٹر طاہر احمد قریشی
مدیرہ معاون جویریہ احمد
روبین احمد
جلد 42
شمارہ 10
جنوری 2021
سالگرہ
نئے افق
گروپ آف پبلیکیشنز
آنچل و حجاب
رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رُکن چیمبر آف کامرس
اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242
naeyufaq.com
Aanchal & Hijab
Official Group
/women.magazine
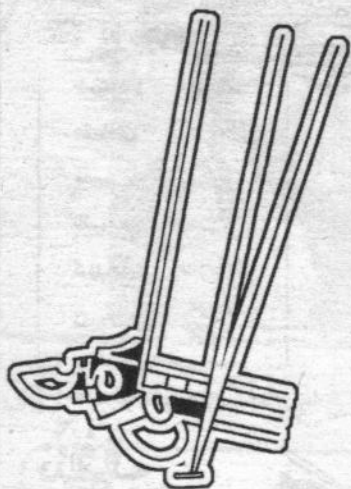
ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 81 نیپیئر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان، اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

سرورق ...... حیا خان　　عکاسی ...... کاشف خان

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی، 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
0300826424 2یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل: Info@naeyufaq.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنوری ۲۰۲۱ء کا شمارہ آپ کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے حاضر ہے۔

سال نو ۲۰۲۱ء اپنی تمام تر رعنائیوں اور مسرتوں سمیت، بہت مبارک ہو۔

موسم سرما میں سردی کی شدت اور دھند کے لبادہ میں لپٹی وادیاں وطن عزیز میں دلکش نظارہ پیش کررہی ہیں، بے شک ہمارا پاکستان سورۂ رحمٰن کی عملی تفسیر ہے۔

۲۰۲۰ء کے اوائل میں ایک بڑا خسارہ وبائی مرض کرونا کا پھیلاؤ تھا جس کی عفریت نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر لاکھوں جانیں نگل لیں۔ اللہ کرے سال ۲۰۲۱ء ایسی تمام بیماریوں سے پاک ہو آمین۔

ان ہی خساروں میں سے ایک بڑا خسارہ ہماری اقدار و تہذیب اور روایات سے دوری کا بھی ہے بلاشبہ کسی بھی ملک کی ترقی، فلاح وبقا میں اس کا تہذیبی ورثہ جو مثبت سوچ کا مظہر ہوا ہم کردار ادا کرتا ہے اور ہم انجانے میں اپنی تہذیب سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اخلاق کی پاسداری ہماری روایات کا خاص حصہ ہے اور اس میں بہت اہمیت ''ایفائے عہد'' کو حاصل ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم عہد وفا اور خلوص کو اپنا شعار بنالیں۔

ادارہ آنچل میں چھپنے والی کہانیاں ہماری معاشرتی اقدار کی عکاس ہیں۔ یہی وہ کہانیاں ہیں جن میں تربیت کا درس پوشیدہ ہے۔ جو مکاں کو گھر بناتی ہیں اور اسے ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچاتی ہیں۔ لفظوں کی حرمت کی پاسداری ادارے کی اولین ترجیح ہے۔

بلاشبہ ہر آنے والا سال ہمارے لیے کوئی نہ کوئی پیغام اپنے ہمراہ لے کر آتا ہے اور سال گزشتہ کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے تجربات کے تحت ہم اپنی زندگی میں کسی ایسی تبدیلی کے آرزومند بھی ہوتے ہیں جو ہمارے حال ہی نہیں مستقبل کے لیے بھی خوش آئند ہو اس کے لیے ضرورت ہے خلوص نیت اور خلوص عمل کی۔ بہت ساری نیک تمنائیں آپ سب کے لیے۔

نہ کوئی رنج کا لمحہ کسی کے پاس آئے
خدا کرے کہ نیا سال سب کو راس آئے

تمام لکھنے پڑھنے والوں کے لیے ایک خوش خبری ہے کہ مشہور ناول وافسانہ نگار اور سینئر براڈ کاسٹر، بہن سیمار ضا ہماری ادارے سے اس ماہ سے منسلک ہوگئی ہیں اور امید ہے ان کا تعاون، ہم سب کے لیے خوش آئند ہوگا۔

اگلے ماہ سے، بہن اقرا صغیر احمد آپ سب کے بے حد اصرار پر اپنا شہکار ناول لے کر حاضر ہورہی ہیں اور امید ہے کہ یہ ناول آپ کے ذوق مطالعہ پر ضرور پورا اترے گا۔

نوٹ:۔ تمام بہنیں نوٹ فرمالیں کہ آنچل کا شمارہ اپریل سالگرہ ورمضان نمبر ہوگا اور مئی کا شمارہ بطور عید نمبر شائع کیا جائے گا۔ بہنیں اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال فرمادیں تاکہ ادارے تک بروقت پہنچ پائیں۔

اس ماہ کے ستارے:

بشریٰ ماہا، مہرین کنول، ہما عامر، سلمیٰ فہیم گل، مریم بنت ارشاد، صباء ایشل۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

مدیرہ
سعیدہ نثار

حمد

یہ تو سچ ہے کہ خطا کار و گناہ گار ہیں ہم
پھر بھی مولیٰ تری رحمت کے طلب گار ہیں ہم

اپنے گلشن کا جسے ہم نے بنایا مالی
اس کے بدلے ہوئے انداز سے بے زار ہیں ہم

بے خودی ہی وہ بھلی تھی کہ سکوں تھا حاصل
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گناہ گار ہیں ہم

رخ سے پردہ جو اٹھاؤ تو کوئی بات بنے
اک نظر میری طرف طالب دیدار ہیں ہم

جس کے اخلاق و وفا سے ہیں ماضی روشن
عہد رفتہ کے یقیناً وہی شاہکار ہیں ہم

دے دو پیغام زمانے کو غزل سے مہجور
امت شاہ رسل حق کے علمدار ہیں ہم

محمد جہانگیر مہجور القادری

نعت

ہر سانس ہے اب ان ﷺ پر درودوں کے لیے وقف
اس دل کا دھڑکنا بھی ہے بس ان ﷺ کے لیے وقف

یہ جسم یہ جاں ان ﷺ پر فدا اے مرے مولا
ہر چیز ہے دنیا کی محمد ﷺ کے لیے وقف

یہ کون و مکاں گردشِ دوراں یہ زمانہ
ہیں ان ﷺ کے لیے، ان ﷺ کے لیے، ان ﷺ کے لیے وقف

صدیوں کا سفر طے ہوا اک چشم زدن میں
معراج کی شب وقت رہا ان ﷺ کے لیے وقف

سب شجر و حجر پڑھنے لگے نغمہ توحید
مطرب بھی مغنی بھی سبھی ان ﷺ کے لیے وقف

بخشش تو گناہ گار کی اللہ ہی کرے گا
امت کی شفاعت ہے مگر ان ﷺ کے لیے وقف

خواہش ہے نہ جنت کی نہ دولت کی حشم کی
عابد کی تمنائیں تو ہیں ان ﷺ کے لیے وقف

غفور عابد

نگہت سیما...... چکوال

پیاری نگہت! سدا شاد و آباد رہو، کچھ عرصہ پہلے آپ نے خط کے ذریعے اپنے ہاتھ کے جل جانے کا ذکر کیا تھا جس کے باعث آپ کی تحریر ادھوری رہ گئی تھی۔ امید ہے کہ اب آپ بہتر ہوں گی، بہت احتیاط سے کام کیا کیجیے۔ زندگی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کریں۔ اللہ کا شکر ہے کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ اپنی تحریر جلد از جلد مکمل کر کے ارسال کیجیے ہمیں انتظار رہے گا۔ ادارہ کی جانب سے بہت ساری دعائیں آپ کی صحت کے لیے۔

اقرا صغیر احمد...... کراچی

پیاری اقرا! سدا سہاگن رہو، بہت انتظار کے بعد آپ کی جانب سے ناول موصول ہوا۔ خواہش تو آنچل کی سالگرہ میں شامل کرنے کی ہے پر قارئین انتظار نہیں کریں گے اور اس ماہ شامل کرنا مشکل تھا تو ہمارے ساتھ تھوڑا انتظار آپ بھی کریں۔ دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور لکھنے میں بھی آسانی فرمائے، آمین۔

نازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

پیاری نازیہ! سدا سہاگن رہو، والدین کا ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہو جانا کسی سانحہ سے کم نہیں۔ آپ کا دکھ اس وقت کہیں زیادہ ہوگا اور تسلی بخش الفاظ بھی اس کو کم نہیں کر سکتے۔ نا ہی والدین کی محبت کا کوئی نعم البدل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے والدین کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ اس دکھ کی گھڑی میں ادارہ آنچل آپ کے ساتھ ہے۔

نمرہ احمد...... اسلام آباد

پیاری نمرہ! خوش و آباد رہو، اپنی تحریروں سے آپ نے دوسرے اداروں کو فیض پہنچایا اور ہم دوسرے جرائد سے ہی آپ کو پڑھ پاتے ہیں۔ خواہش ہے کہ ادھر بھی محبت کے پھول بکھیریں اور قارئین کے دل کو مہکائیں لیکن ہماری خواہش، خواہش ہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ والدہ بیٹیوں کی ہم راز ہوتی ہیں اور پہلی دوست بھی۔ اپنی زندگی ہم ان کے سامنے کھول کر رکھ دیتے ہیں اور وہ بھی کسی اچھی راز دار کی طرح اپنے دل میں ہماری باتوں کو محفوظ رکھتی ہیں اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتی ہیں تو ایک دوست کی کمی ہمیشہ کے لیے چھوڑ جاتی ہیں۔ آپ کی والدہ کی رحلت کا پتا چلا دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آپ کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

سمیرا شریف طور...... گجرانوالہ

پیاری سمیرا! سدا سہاگن رہو، مصروفیت کے تحت شاید آپ ہمیں بھول گئی ہیں لیکن ہم اور قارئین آپ کو اور آپ کی تحریروں کو نہیں بھولے اور شدت سے آپ کی تحریر کے منتظر ہیں۔ ابھی لاک ڈاؤن میں آپ نے ہمیں یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ بہت جلد اپنے ناول کے ذریعے آنچل میں شامل ہوں گی پر اب یہ انتظار طویل ہوتا جا رہا ہے اور آپ وعدہ کر کے بھول گئی ہیں جبکہ محبت کرنے والوں کو بھولنا تو نہیں چاہیے، ہم امید کرتے ہیں کہ جلد ہی آپ اپنا وعدہ ایفا کرتے ہوئے اپنی تحریر ارسال کریں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے لکھنے میں آسانی فرمائے اور آپ کو خوشیوں بھری زندگی نصیب کرے، آمین۔

نادیہ فاطمہ رضوی...... کراچی

پیاری نادیہ! سدا سہاگن رہو، کچھ عرصہ پہلے آپ سے بات ہوئی اور آپ نے تحریر بھیجنے کا بھی کہا مگر ابھی تک ہم انتظار کی سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔ کرونا کے باعث جو نقصانات ہوئے ان پر دکھ ہوا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین۔ تحریر جلد مکمل کر کے ارسال کر دیں۔

ملورا طلحہ...... گجرات

پیاری ماورا! سدا خوش و آباد رہو، حجاب میں آپ کا سلسلہ وار ناول جاری ہے مگر قارئین ابھی تک کرداروں میں الجھے ہوئے ہیں کسی بھی کردار کا دوسرے کردار سے تعلق سمجھ میں نہیں آ رہا آپ پرانی لکھنے والی ہیں اور بہت اچھا لکھتی ہیں کرداروں کو اگر واضح کر کے ان کے درمیان کہانی بنائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے آپ کے لکھنے میں آسانی کرے آمین۔

فرح بھٹو...... حیدر آباد

پیاری فرح! سدا سہاگن ہو، آپ نے لکھنے کی ابتدا آنچل سے کی اور پھر آگے کی طرف پرواز بھر لی۔ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کوئی منتظر اب بھی ہے اور آپ کی تحریر پڑھنا چاہتا ہے۔ ویسی ہی خوب صورت تحریر جو رشتوں کو جوڑتی ہے جس میں اصلاح کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ خیر آپ کو کیا بتانا، آپ تو قلم کا جادو چلانا خوب جانتی ہیں۔ آپ کی کتاب بھی منظر عام پر آئی ہے دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو مزید ایسی کئی کامیابیوں سے ہمکنار کرے آمین۔

بشریٰ ماہ...... بحین، سندھ

پیاری بشریٰ! سدا سہاگن رہو، "اسیر محبت" کو آپ نے جس محبت اور محنت سے لکھا اور پھر ہمیں ارسال کیا کافی طویل انتظار کے بعد بالآخر آنچل میں جگہ بنانے میں کامیاب بھی رہی اور قارئین نے بھی اس کو پسند کیا۔ اس بار آخری حصہ شامل ہے امید ہے آئندہ بھی آپ اسی طرح کے خوب صورت اور دلچسپ ناول کے ہمراہ شرکت کرتی رہیں گی۔ آج کل آپ کی والدہ کی طبیعت ناساز ہے دعا ہے اللہ سبحان وتعالیٰ ان کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے آمین۔

سارہ خان...... بھلولپور

پیاری سارہ! سدا شاد رہو آپ نے بہت کم لکھا پر جب بھی لکھا خوب لکھا اور قارئین نے آپ کے لکھے ہوئے کو پسند بھی کیا۔ آج کل آپ کے والد کی طبیعت ناساز ہے دعا ہے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ان کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر آپ کے سر پر سلامت رکھے آمین۔

ضا بشریٰ...... لاہور

پیاری حنا! سدا خوش رہو آپ کی جانب سے تحریر "شاہ رخ ان ایکشن" موصول ہوئی۔ اس تحریر کو پڑھ کو یوں لگ رہا ہے جیسے ابھی آپ نے لکھنے کی ابتدا کی ہے جبکہ آپ مختلف رسائل میں لکھ رہی ہیں اور قارئین بھی تحریر کو پسند کر رہے ہیں پھر آنچل وحجاب کے لیے ایسے موضوعات پر کیوں لکھ رہی ہیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس تحریر کے لیے معذرت، امید کرتے ہیں آئندہ اس طرح کی تحریر بھیجنے کے بجائے اچھی اور معیاری تحریر ارسال کریں گی۔

ریما نور رضوان...... کراچی

پیاری ریما! سدا آباد رہو آپ کی کتاب منظر عام پر آئی خوشی ہوئی آپ نے حجاب میں لکھا اور اس کے علاوہ سوشل میڈیا پر لکھتی رہتی ہیں اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو مزید ترقی و کامیابی سے نوازے آمین۔

سدرہ عباس...... گجرات

پیاری سدرہ! جگ جگ جیو، آپ کی تحریر "عزت دو یا موت" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ تحریر کی ابتدا میں آپ نے اختتام واضح کر دیا اور پھر جملوں کا استعمال بھی آپ کے مطالعہ کی کمی کو ظاہر کر رہا ہے، بار بار ایک بات کی تکرار پڑھنے والے کی طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔ کسی ایسے موضوع کا انتخاب کریں جس پر آپ کی گرفت مضبوط ہو۔ اپنا مطالعہ اور مشاہدہ بھی وسیع کریں تاکہ لکھنے میں نکھار پیدا ہو، دل برداشتہ ہونے کے بجائے محنت کریں اور کوشش جاری رکھیں۔ یقیناً وہ دن دور نہیں جب آپ کی تحریر آنچل یا حجاب میں جگہ بنا لے گی۔

آسیہ مجید...... صادق آباد

پیاری آسیہ! جیتی رہو آپ کی جانب سے تحریر "کھڑکی کے اس پار" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اس لیے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں اور مطالعہ پر توجہ دیں اپنی تحریر کو نام ور مصنفین کی تحریروں کے آئینے میں ضرور دیکھیں اور

ایک سے دوبار خود بھی تحریر ارسال کرنے سے پہلے قاری کی نظر سے پڑھ لیا کریں تا کہ جو خامی رہ گئی ہو اس کو دور کرسکیں۔ امید ہے تشفی ہوئی ہوگی۔

سعدیہ حورعین حوری...... بنوں، کے پی کے

پیاری سعدیہ! سدا خوش رہو آپ کا خط موصول ہوا پڑھ کر آپ کی قیصر آنی سے محبت کا اندازہ ہوا۔ آپ کو اور آپ کے بھائی کو نئے رشتہ میں جڑنے کی مبارک باد۔ بے شک قیصر آنی جیسا مشفق انداز اس ادارے میں کام کرنے والے کسی بھی ورکر کا نہیں۔ ہم نے ان سے بہت سیکھا ہے اور اب بھی سیکھ ہی رہے تھے پر انداز بیاں نہیں اپنا سکے۔ اب کیا ہیں کہ محبت کا انداز ہر ایک کا اپنا ہوتا ہے۔ کوشش کروں گی کہ سب رشتوں کو اسی انداز سے جوڑ سکوں، محبت سے جواب دے سکوں، اگر نہیں کوئی کوتاہی ہو جائے تو آپ بھی درگزر کردیجیے گا، آپ کی شاعری کے حوالے سے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی کیونکہ پرچا تکمیل کے مراحل میں ہے اور سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو اور آپ کے بھائی کو خوشیوں بھری زندگی نصیب فرمائے آمین۔

نور چودھری...... کمالیہ

پیاری نور! سدا مسکراتی رہو، کرونا کی وبا کیا پھیلی کہ دل میں اندیشوں نے جگہ کرلی اور پھر آپ کی غیر حاضری بھی ہمارے ساتھ کسی کو بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ ہر کوئی آپ کے لیے فکر مند ہے اور آپ کی آمد کا منتظر بھی کیا مصروفیات آپ کو محفل میں آنے سے روک رہی ہیں یہ ہم جاننا چاہیں گے۔ امید ہے کہ ہم سب کی محبت وخلوص کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ آئندہ ماہ ضرور شرکت کریں گی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور کامیابی عطا کرے آمین۔

نورین انجم اعوان...... کراچی

پیاری نورین! سدا کامیاب رہو، آپ کا خط موصول ہوا۔ ابھی آپ پڑھ رہی ہیں اور بہت کم ہی آنچل میں شرکت کرتی رہتی ہیں۔ اس پر بھی تمام قارئین سے آپ کی دوستی ہوگئیں آپ کی مما بھی آنچل میں شرک محفل رہتی ہیں اور قیصر آنی سے بھی آپ کا تعارف کرا چکی ہیں۔ ان کی کمی تو کوئی بھی پوری نہیں کرسکتا۔ وہ محبت سے گندھی شخصیت کی حامل تھیں ان کے لیے کچھ بھی کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ آپ نے ان کو یاد رکھا یہ بڑی بات ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو تعلیم کے میدان میں کامیاب وکامران فرمائے اور والدین کا فرماں بردار بنائے آمین۔

سنبل ملک...... جگہ نامعلوم

پیاری سنبل! جیتی رہو آپ کا خط موصول ہوا۔ موت تو برحق ہے اور ہر ذی روح کو آنی ہے، چاہے وہ حادثاتی ہو یا پھر بیماری کے باعث ہو۔ اس لیے صبر آتے آتے آ ہی جاتا ہے لیکن جو موت آپ کے کزن نے خود کو دی اس کے پیچھے کئی سوال رہ جاتے ہیں کیا وجہ تھی اور کن حالات میں اس نے حرام موت کو گلے لگایا یہ کوئی نہیں جانتا اور غلط سمت کی جانب سوچ بھی ضرور جاتی ہے۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ان کی مشکل کو آسان کرے، آمین۔ آپ کی تحریر کے لیے معذرت ابھی آپ مطالعہ پر توجہ دیں اس کے بعد لکھنے کی طرف آئیں۔

ڈاکٹر زارا تعبیر...... قصور

پیاری زارا! سدا شاد رہو، آپ کا خط موصول ہوا۔ یقیناً اسکول بند ہونے کی وجہ سے کچھ مصروفیت ہاتھ آئی ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کتابیں ایک طرف رکھ دی جائیں بلکہ ابھی تو بہت محنت کرنی ہے اور پھر وہ وقت دور نہیں جب آپ سچ مچ کی ڈاکٹر بن کے آنچل کے دیگر سلسلوں میں شرکت کریں گی۔ قیصر آنی کا دکھ ہم سب کو ہے اب صبر کرنے کے سوا کچھ نہیں کرسکتے ان کے درجات بارگاہ الٰہی میں بلند ہونے کی دعا کرسکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم سب نے ہی ایک نا ایک دن اس دنیا سے جانا ہی ہے اور ہمارے پیچھے صرف یادیں رہ جائیں گی۔ اس لیے دلوں کو وسیع رکھنا چاہیے اور باتوں کو درگزر کرنا چاہیے۔ امید ہے آپ آئندہ بھی آنچل کے سلسلوں میں شرکت کرتی

رہیں گی۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

نادیہ بھٹی...... وہاڑی

پیاری نادیہ! سدا آباد رہو، آپ کی جانب سے تحریر "کسک درد محبت کی" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ آپ نے کہانی کے لیے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ بے حد طویل تھی۔ پہلے مختصر افسانہ قلم بند کریں جب تک آپ اس پر گرفت نہیں کر پائیں گی کسی بھی موضوع کو سنبھال نہیں پائیں گی۔ اپنا مشاہدہ اور مطالعہ وسیع کریں تاکہ لکھنے میں مدد ملے امید ہے دل برداشتہ ہونے کی بجائے محنت جاری رکھیں گی۔

حنا نخیر...... اوکاڑہ

پیاری حنا! جیتی رہو، آپ کی جانب سے تحریر "نین محبت" موصول ہوئی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اس لیے لکھنے کے عمل کو فی الوقت چھوڑ کر مطالعہ پر توجہ دیں اور نامور مصنفین کی تحریروں کو بغور پڑھیں تاکہ لکھنے میں مدد ملے امید ہے تشفی ہوئی ہوگی۔

کوثر خالد سودا...... جڑانوالہ

پیاری کوثر! خوش وآباد رہو، آپ کا خط موصول ہوا جواب حاضر ہے۔ آپ کی محبت کی تو قیصر آنی بھی مقروض رہیں۔ اکثر آپ کی باتیں ہوتیں پر مصروفیت کے باعث کبھی کسی قاری بہن سے ٹیلی فونک رابطہ نہ ہوسکا۔ آپ نے خواہش ظاہر کی ہے دیدار کی تو معذرت، فون پر بات ضرور کرسکتی ہوں۔ مغرب سے عشا کے درمیان فارغ رہتی ہوں آپ طاہر صاحب کے نمبر پر رابطہ کرسکتی ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی والی زندگی عطا کرے آمین۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

شفا سعید...... بلوچستان

پیاری شفا! خوش رہو، آپ کی جانب سے تحریر "یہ فاصلے رہنے دو" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ تھوڑی محنت اور کریں تو بہتر لکھ سکتی ہیں۔ اس تحریر کو حجاب کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ ان شاء اللہ باری آنے پر شامل کرلیا جائے گا۔

فہمیدہ جاوید...... ملتان

پیاری فہمیدہ! جگ جگ جیو، آپ کی ڈاک اس وقت موصول ہوئی جب پرچا تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ اس لیے آئینہ میں آپ شرکت نہیں کرسکیں اور ہم نے آپ کو یہاں شامل کرلیا۔ "آنگن کی چڑیا" اس بار حجاب میں شامل کریں گے۔ البتہ ہمارا آنچل باری آنے پر شائع کیا جائے گا دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

فاطمہ عاشی...... جھنگ

پیاری فاطمہ! خوش رہو، آپ کی تحریر "وہ اک تحفہ" موصول ہوئی۔ تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر پڑھ نہیں سکے۔ سنبھال کر رکھ لی ہے اور آئندہ ماہ جواب دیں گے۔ جبکہ آپ کی تحریر "قید رشتے" قبولیت کا درجہ حاصل کرچکی ہے اور ان شاء اللہ جلد آنچل یا حجاب میں جگہ بنالے گی۔ دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید ترقی و کامرانی عطا فرمائے اور تحریر میں نکھار پیدا کرے آمین۔

ثمرین نواز...... منڈی بہاؤ الدین

پیاری ثمرین! شاد رہو آپ کی جانب سے تحریر "وہ اک عرصہ" موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اس لیے لکھنے کے عمل کو چھوڑ کر مطالعہ پر توجہ دیں اور نامور افسانہ نگار کی تحریروں کو بغور پڑھیں تاکہ لکھنے میں مدد ملے امید ہے تشفی ہوئی ہوگی۔

غزالہ منیر...... فیصل آباد

پیاری غزالہ! آباد رہو، آپ کی جانب سے تحریر "دشمنی میں بندھے دو اجنبی" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ اس لیے اپنا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع کریں اور اچھے افسانہ نگار کے افسانوں کا بغور مطالعہ کریں تاکہ لکھنے میں مدد ملے اور کہانی لکھنے کے بعد دو بار خود بھی پڑھ لیا کریں تاکہ اپنی خامی بھی آپ کو نظر آسکے، امید ہے مایوس ہونے کے بجائے کوشش جاری رکھیں گی۔

سارہ عمر...... سعودی عرب

پیاری سارہ! سدا مسکراتی رہو، آپ کی جانب سے تحریر "جھوٹ" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو اور

محنت کی ضرورت ہے۔ اس لیے اپنا مطالعہ وسیع کریں اور نام ور افسانہ نگار کے افسانوں کو بغور پڑھیں۔ اصلاحی موضوع کا انتخاب کریں۔ جھوٹ تو لڑکی کے والدین بھی بولتے ہیں اور لڑکے والے بھی آپ نے دونوں کو دکھا کر آخر میں دکھ پر اختتام کردیا جبکہ کوئی مثبت پہلو سامنے نہیں رکھا جس کی وجہ سے تحریر کمزور رہی۔ امید ہے آئندہ ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے تحریر ارسال کریں گی۔

قابل اشاعت:۔

یہ فاصلے رہنے دو، میری مٹھیوں میں گلاب رکھ، بازگشت، ذات کا دکھ، بلیک کافی۔

ناقابل اشاعت:۔

کسک درد محبت کی، عزت دو یا موت، شاہ رخ ان ایکشن، رشتے، میرا ہادی، ایک عام سی کہانی، درد دل، ہیروئن، نین محبت، محبت سے محبت تک، دشمنی میں بندھے دو اجنبی، تم لے لو، کھڑکی کے اس پار، زندان کے مکین، جھوٹ، پہلی ملاقات، محبت کی دستک، میں، تم اور محبت، تو میرے دل کی چاہت ہے، اسٹوری، بھٹکتی جوانیاں، ایک یادگار دن، کانٹے بنے پھول، نانو کی نواسی، مکافات عمل، تعریف کا حق دار، محبت یار من، مرکز کے تعاقب میں، مہر بانو، میرا ظرف بڑا ہے۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کردیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام، پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ان پیج کی فائل ہو، ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیو ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ editor_aa@naeyufaq.com

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین، امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 81 ٹیپر بیرکس، ہاکی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم نزد آنچل پریس کراچی 75510

مشتاق احمد قریشی

ترجمہ۔ بے شک دوزخ گھات ہے سرکشوں کا ٹھکانہ ہی ہے۔ وہ اس میں مدتوں تک پڑے رہیں گے۔ وہ کبھی ٹھنڈے پانی کا مزہ نہ چکھ سکیں گے انہیں صرف گرم پانی اور بہتی ہوئی پیپ اور زخموں کا دھوئں (ان کو ان کے کرتوتوں کا) پورا پورا بدلہ (عذاب وسزا) ملے گا۔ (النبا۔۲۱ تا ۲۶)

سورۃ الھمزہ میں اہلِ جہنم کے بارے میں اور آگ کے بارے میں اللہ رب العزت اس طرح فرما رہا ہے۔

ترجمہ۔ ہرگز نہیں وہ تو ضرور توڑ پھوڑ دینے والی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ ایسی آگ (اللہ کی آگ) کیا ہوگی۔ اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی ہوگی۔ جو دلوں تک پہنچے گی۔ اور ان بڑے بڑے ستونوں میں ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی۔ (الھمزہ۔۴ تا ۹)

تفسیر۔ حطمہ جہنم کا وہ طبق یا درجہ ہے جہاں یہودیوں کو پھینکا جائے گا جہنم کا یہ حصہ انتہائی گہرا اور تیز تر آگ سے لبالب بھرا ہوا ہوگا اس میں جو چیز بھی پھینکی جائے گی وہ چور چور ہو کر بکھر جائے گی اور مسلسل آگ میں جلتی ہی رہے گی چونکہ آخرت کی زندگی تو دائمی ہے چاہے وہ جنت کی ہو یا دوزخ کی کیونکہ حکم الٰہی سے روز قیامت موت کو بھی موت آجائے گی اس لیے پھر کسی کو موت نہیں آئے گی۔ ہر قسم کی راحت اور ہر قسم کی سزا و عذاب مسلسل اور کبھی نہ رکنے والا نہ ختم ہونے والا ہوگا۔ جہنم کی آگ ایسی شدید و خطرناک ہوگی جس کا تصور تک ہم نہیں کر سکتے۔ آیت مبارکہ میں لینبذن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بے وقعت اور حقیر چیز کے پھینکنے ضائع کردینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مقصد ہوا کہ قیامت کے دن انہیں نہایت حقارت بے عزتی کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ جہنم کی آگ کی شدت کے لیے اس آیت میں اسے اللہ کی آگ کہا گیا ہے اور کہیں بھی آگ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا یہ صرف اس آگ کی ہولناکی اور شدت کے اظہار کے لیے اسے خاص اللہ کی آگ کہا گیا ہے تاکہ لوگ اس کی ہولناکی اور شدت سے عبرت حاصل کر سکیں اور راہ حق پر آجائیں اور اللہ کے حضور خلوص نیت سے اپنی خطاؤں اور گناہوں سے توبہ استغفار کرلیں اور اس آگ کے عذاب سے خود کو محفوظ کرلیں۔ اللہ کی یہ آگ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو مستحق غیر مستحق سب کو جلا دیتی ہے۔ یہ آگ تو ان کے لیے ہی ہے جنہیں اس تک پہنچایا جائے گا اور وہ بھی اپنے اعمال بد کی سزا کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ (جو بڑا ہی رحیم و کریم ہے) نے آگ الٰہی کو یونہی بے قابو نہیں چھوڑا اسے بھی بڑے بڑے ستونوں میں ہر طرف سے بند کردیا کہ کہیں وہ جہنم کے دیگر طبقات کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی مدبر و دانا ہے۔ اس نے ہر قسم کے جرائم و گناہوں کے لیے جہنم کے الگ الگ حصے بنائے ہیں جہاں لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پہنچائے جائیں گے وہاں انہیں ان کے گناہوں اور جرائم کے مطابق ہی عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

قرآنِ حکیم کی سورۃ القارعہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی منظر کشی کی ہے کہ آخرت کی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہ اس لیے سجائی گئی تھی کہ انسان اپنے اعمال صالح اور اعمال بد کے ذریعے اپنی آخرت کا فیصلہ اپنے اختیار وارادے سے کر سکے اور پھر اللہ کی طرف سے مقرر کردہ وقت پر اس دنیا کی بساط کو لپیٹ دیا جائے تاکہ قیامت برپا ہونے کے بعد

دائمی زندگی کا آغاز ہو سکے۔ سورۃ القارعہ میں اہل زمین، اہل ایمان کو خصوصاً چونکانے جگانے کے لیے قیامت کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے کہ اللہ کے نیک پرہیز گار بندے خوف الٰہی سے دم بخود رہ جاتے ہیں اور خوف الٰہی سے سجدے میں گر جاتے ہیں۔ سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ”عظیم حادثہ کیا ہے وہ عظیم حادثہ؟ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے؟ اس طرح اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قیامت کی ہولناکی کی خبر سنا رہا ہے اعلان فرما رہا ہے تاکہ لوگ اس حادثے قیامت کے لیے خود کو تیار کرلیں اس نے پوری شدت کے ساتھ قیامت کی ہولناکی کا نقشہ پیش کردیا ہے کہ اس روز لوگ گھبراہٹ کے عالم میں ہوش وحواس سے بے گانہ ہر طرف بھاگے بھاگے پھر رہے ہوں گے جس طرح روشنی میں آنے پر پروانے بکھرتے ہیں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ روشنی کی چکاچوند انہیں کچھ دیکھنے نہیں دیتی اس روز پہاڑ جو اپنی جگہ مضبوطی سے جمے ہوئے کھڑے ہیں وہ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہوکر رہ جائیں گے پھر آخرت کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ رَبّ الجلال رحیم وکریم کی عدالت قائم ہوگی اس میں اللہ ہر شخص کے اعمال کے مطابق فیصلہ صادر فرمائے گا۔ نیک اعمال والوں کو جنت کے باغوں میں ان کے راحت کدوں میں اور بداعمال کفر وشرک کرنے والوں کو جہنم کی گہرائی میں پھینک دیا جائے گا جو آگ سے پوری طرح بھری ہوئی ہوگی۔ روز قیامت اللہ تعالیٰ اپنی عدالت کے بارے میں ارشاد فرما رہا ہے۔ ”قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو درمیان میں رکھ دیں گے۔ پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے برابر کچھ عمل ہوگا وہ ہم لے آئیں گے اور ہم حساب لگانے کے لیے کافی ہیں۔ (الانبا۔۴۷) آیت مبارکہ سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے انسان کا کوئی بھی عمل چاہے وہ نیک ہو کہ بد ضائع نہیں جائے گا۔ اللہ اسے اس کے حساب کتاب کے وقت اس کے سامنے لے آئے گا اور اس کے اچھے برے اعمال کی بنیاد پر ہی اس کا فیصلہ ہوگا۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا یہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔ (البقرہ۔۱۲۶)

تفسیر۔ اس آیتِ مبارکہ کے ابتدائی حصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے جو انہوں نے اللہ کے حکم کو سمجھتے ہوئے مانگی تھی اور دعا میں نافرمانوں کو شامل نہیں کیا کیونکہ یہ حکمِ الٰہی انہیں پہنچ چکا تھا کہ وہ کسی مشرک وکفار کی سفارش نہیں کریں گے یہاں تک کہ جب انہوں نے اپنے والد کے لیے دعا کی تو انہیں روک دیا گیا تھا اس لیے احتیاط برتتے ہوئے انہوں نے جب رزق کی دعا کی تو اللہ کی ہدایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا مانگی صرف ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔ آیت مبارکہ کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ان پر یہ واضح فرما رہا ہے کہ ہمارا رزق تو عام ہے جو سب کے لیے ہے چاہے کوئی اللہ کو مانے یا نہ مانے۔ اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے یا نہ کرے اپنی اطاعت وبندگی کا اظہار کرے یا نہ کرے رزق کافر اور اہل ایمان سب کے لیے ہے البتہ نجات آخرت صرف اہل ایمان کے لیے ہے لیکن جو شخص کفر کرے شرک کرے اور دنیاوی زندگی کے چاہے جتنے فائدے اٹھا سکتا ہے اٹھائے کیونکہ بندہ تو وہ اسی خالق ومالک کا ہے جس نے اپنے ہر اچھے برے بندے کی پرورش ونگہداشت کی ذمے داری اٹھا رکھی ہے اس لیے تمام مخلوق انسانی چاہے وہ مطیع وفرمانبردار ہو یا سرکش ونافرمان دنیا میں وہ اللہ کی طرف سے رزق ضرور حاصل کریں گے لیکن وہ صرف دنیاوی فائدے ہی حاصل کرسکیں گے آخرت میں ان کے حصے میں جہنم اور جہنم کی آگ کا عذاب ہی ملے گا جو بہت ہی بری جگہ ہے جہاں ہر طرف قسم قسم کی آگ ہی آگ ہوگی جو اہل دوزخ پر حکم ربی کے مطابق بطور سزا اپنا اثر کرے گی جبکہ اہل ایمان کو آگ چھو بھی نہیں سکے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے ایمان والوں کے لیے رزق یعنی طرح طرح کے پھل اور میوے طلب کئے تھے جس کے جواب میں اللہ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں رَبّ اللعالمین ہوں اس لیے مومن کو بھی اور کافر کو بھی اُس کے زندگی بھر ثمرات سے رزق عطا کروں گا لیکن کافر کے مرنے کے بعد اسے لاچار وبے بس بنا کر گھسیٹتا ہوا آگ کے عذاب تک پہنچایا جائے گا۔ بیشک جہنم بہت ہی بری جگہ ہے جہاں کوئی بھلائی یا اچھی جگہ نہیں صرف ہر قسم کی آگ اور ہر قسم کا عذاب ہی عذاب ہوگا۔ اور

آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی تو بہت مختصر اور قلیل ترین ہے کیونکہ صرف روز حشر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے انسان بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ دنیا اور اس میں حاصل ہونے والی زندگی کتنی مختصر ہے اس میں حاصل ہونے والے تمام فائدے اور نفع بھی عارضی اور مختصر ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی اس کے ثواب وعذاب اس کے فائدے اور نقصان سب کے سب دائمی اور ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ انسان خود اپنے اوپر اس سے بڑا ظلم اور کیا کرے گا کہ اللہ کے بتائے ہوئے روشن راستے کو چھوڑ کر چند لمحاتی عارضی لذتوں کے لیے اپنا مستقل اور دائمی فائدے کو نظر انداز کرتے ہوئے شیطان کے پیچھے چل پڑے اور ایسا بھی نہیں کہ انسان کو اللہ نے کسی طرح بے خبر رکھا ہوا اور وہ اپنی سرکشی اور بداعمالی کے برے نتائج سے واقف نہ ہونے کے باعث بے خبری میں کفر وشرک کرتا رہا۔ اللہ جو انسان کا خالق ہے وہ اس کی فطرت کو اچھی طرح جانتا ہے اس لیے اس نے ہر قوم قبیلے میں ان کی ہدایت کے لیے انہیں سیدھے راستے پر لگانے کے لیے اپنے نمائندے نبی رسول پیغمبر کی صورت بھیجے جو واضح احکام الٰہی ہی نہیں لائے بلکہ وہ ان کی بداعمالیوں کے صلے میں ملنے والی سزاؤں سے بھی آگاہ کرتے رہے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے بھی رہے کہ روز حساب کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا ورنہ میں کبھی ایسی غلطی نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی مکر کرنے والوں سرکشی اور کفر کرنے والوں کے لیے جہنم کو دھکایا ہے۔ انسان جو تیز سے تیز یا زیادہ سے زیادہ آگ جلاتا ہے وہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ 1/70 ہوتا ہے جبکہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلے میں ۶۹ گنا زیادہ تیز اور جلانے والی ہوتی ہے۔ (بخاری باب نار جہنم) اس سے جہنم کی آگ کی اثر پذیری اور شدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ آگ کیسی غضبناک ہوگی جو اللہ نے اپنے نافرمان سرکش باغیوں مشرکوں منافقین کے لیے تیار کررکھی ہے۔

ترجمہ۔ سو یہ سزا ہے تمہاری اس کا مزہ چکھو کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہی مقرر ہے۔ (الانفال۔۱۴)

تفسیر۔ آیتِ مبارکہ میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت سے اس کے احکام سے اس کے رسولوں اور کتابوں کا انکار کرنے والوں وشرک کرنے والوں اور منافقین کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا عذاب مقرر کردیا ہے یہ خطاب عام ہے تمام عالم انسانیت کے لیے پیغام ہے گو کہ یہ آیت جنگ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل آنے والوں کو مخاطب کرکے کہی گئی ہے لیکن قرآنِ کریم کا ہر حکم ہر عمل تمام عالمِ انسانیت کے لیے عام ہے۔ قرآنی احکام کو زمان ومکان میں قید نہیں کیا جاسکتا یہ کلام الٰہی ہے جو رہتی دنیا کے لیے ہے، جن لوگوں نے جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محاذ آرائی کی یا اور دیگر محاذوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بھی طرح سے مقابلہ کیا ان سب کے لیے یہ وعید عام ہے کہ انہیں جو ہزیمت وشکست دنیا میں اٹھانی پڑی وہ اپنی جگہ بات یہیں ختم نہیں ہوگی کیونکہ دین اسلام اور جماعت اسلام اس مختصر ترین دنیا پر ختم نہیں ہوگی ان کا معاملہ تو اس دنیا وکائنات سے بہت آگے تک چلنے والا ہے اس مختصر زندگی کے بعد دوسری طویل ترین کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی پر بھی اس کے اثرات مرتب ہونا ہیں اس لیے اہلِ ایمان کی جماعت سے ان کے نبی سے یا اہلِ ایمان سے کسی بھی طرح کبھی بھی محاذ آرائی کرنے والوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تباہی وبربادی سے دوچار ہوں گے اور جہنم کی آگ کا شدید ترین عذاب ان کا مقدر بن چکا ہے۔

ترجمہ۔ بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہوچکی ہے تو کیا (اے نبیؐ) آپ اسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔ (الزمر۔۱۹)

تفسیر۔ آیتِ مبارکہ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن یہ پوری امّت کے لیے ایک بڑا اہم اور معنی خیز پیغام بھی ہے کہ جو لوگ بداعمالی کفر وشرک اور احکام الٰہی کی نافرمانی ظلم اور جرائم وعداوت میں اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں جہاں سے ان کی واپسی ممکن نہیں رہی جیسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور چچی ابولہب اور اس کی بیوی عاص بن وائل وغیرہ کو گناہوں نے

پوری طرح گھیر لیا تھا' قضا و تقدیر کی رو سے عذاب ثابت ہو چکا ہے تو اللہ اپنے پیارے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ان سے سوال فرما رہا ہے کیا تم انہیں دوزخ سے چھڑا سکتے ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کو جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکتے تو پھر کون ہے جو ان لوگوں کو آگ سے بچا سکے۔

اسلام نے جو عقیدہ توحید پیش کیا ہے اس کو خالص کرنے کا یہ اعلان بھی ہے اس اعلان عام کی بڑی اہمیت و وقعت ہے۔ اس عقیدے و اعلان کے حوالے سے یہ بات اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی محبوب ترین شخصیت ہونے کے باوجود اس کے ایک بندے ہی ہیں' مقام بندگی سے آگے وہ بھی نہیں جا سکتے' یعنی کسی طرح اللہ کے اختیارات میں نہ مداخلت کر سکتے ہیں نہ شرکت کر سکتے ہیں۔ صرف ذات باری ہی ہے جو بندوں کے اوپر پوری طرح سے نگہبان و حکمران ہے اس طرح یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مقام بندگی اور مقام الوہیت دو الگ الگ مقامات ہیں۔ وحدانیت کی صفت اللہ واحد کے لیے ہی مختص ہے اور اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں رسول آخر اور اللہ کی محبوب ترین ہستی ہیں وہ تمام عالموں کے لیے رحمت بنائے گئے ہیں لیکن وہ اللہ کے بندے ہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصیت الٰہی سے بہت ڈرتے اور خوف زدہ رہتے تھے اور اللہ کی بندگی کا اعلان فرماتے رہتے تھے۔

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو مقرر نہ کر دیا ہوتا یقیناً انہیں دنیا ہی میں عذاب دیتا اور آخرت میں (تو) ان کے لیے آگ کا عذاب ہے ہی۔ (الحشر۔۳)

تفسیر۔ آیتِ مبارکہ میں یہ اعلان فرمایا جا رہا ہے۔ جس کا جو مقدر لکھ دیا جاتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اگر کسی کے مقدر میں عذاب نار لکھا گیا ہے تو وہ یقیناً اس سے دوچار کیا جائے گا۔ تقدیر الٰہی کیا ہے اگر اسے سمجھ لیا جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے سب کی تقدیر لکھ دی نہ کوئی چیز اپنی مرضی و منشاء سے پیدا ہوتی ہے نہ حرکت کرتی ہے۔ سب کے سب وہی اور ویسا ہی عمل کرتے ہیں جیسا کہ ان کے لیے ربّ کائنات نے مقرر کر دیا ہے جیسا کہ خود قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (انا کل شی حلقنہ بقدر۔ القمر۔۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک (مقررہ) اندازے پر پیدا کیا ہے۔" اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب کائنات اور اُس کے تمام لوازمات کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے ان تمام چیزوں کو جنہیں پیدا کرنا تھا کے متعلق پوری طرح اُن کی ہر ہر حرکت و عمل کی پوری تفصیل تحریر کر دی یعنی ہم دنیاوی لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ مکمل منصوبہ بندی کر دی گی اس کے بعد اپنے ایک حکم سے سب کچھ پیدا فرما دیا اب ساری کائنات کی ہر ہر چیز جس میں تمام انسان حیوانات' جمادات' نباتات' اور دیگر مخلوق الٰہی شامل ہے سب کے سب پہلے سے طے شدہ فیصلے کے مطابق چل رہے ہیں تقدیر سے کوئی چیز ہٹ نہیں سکتی۔ اس سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ کا عذاب ان ہی پر آتا ہے جن کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ اعلان فرما رہا ہے اور تمام نافرمانوں مشرکوں منافقوں کو مطلع کر رہا ہے کہ اگر تمہیں دنیا میں عذاب نہیں مل رہا یا نہیں دیا جا رہا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہیں آخرت میں بھی عذاب نہیں ملے گا' وہاں تو تمہیں بڑا ہی شدید جہنم کی آگ والا عذاب دیا جائے گا جو تمہارا مقدر ہے۔

(جاری ہے)

ہمارا آنچل

رضوانہ وقاص...... ہری پور کرلاں

س:۔آپ کے نزدیک حسین دور کون سا ہے؟

ج:۔میرے نزدیک زندگی کا سب سے حسین دور اسکول لائف کا کیونکہ کالج نہیں گئی ایف اے پرائیویٹ کیا ہے۔

س:۔کیسی طالب علم تھی صرف پڑھائی پر توجہ دی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا؟

ج:۔پڑھائی میں اچھی تھی اور اسکول کی طرف سے کرکٹ کا میچ کھیلنے گئی تھی۔

س:۔کون سا مضمون سخت ناپسند ہے؟

ج:۔میتھ ذرا مشکل مضمون تھا۔

س:۔اپنی تعلیم کو کس طرح کام میں لارہی ہیں؟

ج:۔اپنے بچوں کو خود ہوم ورک کراتی ہوں۔شادی سے پہلے بچوں کو قرآن مجید پڑھایا ہے الحمدللہ، بعد میں بھی لیکن پھر بیمار ہوئی تو چھوڑ دیا پڑھانا۔

س:۔آپ اپنے کس استاد سے زیادہ متاثر ہیں؟

ج:۔جی بالکل، ہم ان خوش نصیب طالب علموں میں سے ہیں جنہیں بہترین اساتذہ ملے، کلاس ٹیچر مس بلقیس، انگلش کی ٹیچر مس شاہین کوثر ان کی بات مجھے نہیں بھولتی کہ اپنے استاد یا دوست وغیرہ ملے انہیں اچھے طریقے سے ملو اور مس راشدہ سائنس کی، میں دعا کرتی ہوں کہ ایک بار مجھے یہ سب مل جائیں اللہ تمام ٹیچرز کو اپنے حفظ و ایمان میں رکھے آمین۔

س:۔پابندیاں صلاحیتوں کو متاثر کرتی ہیں یا شخصیت کو سنوارنے میں دیتی ہیں؟

ج:۔کئی پابندیاں بہت سارے معاملات میں درست ثابت ہوتی ہیں۔میں اپنی امی کی ہر بات مانتی تھی کیونکہ والدین سمجھدار اور تجربہ کار ہوتے ہیں وہ اپنے بچوں کا برا چاہ ہی نہیں سکتے کیونکہ آج کل کے بچے تو اپنی من مانی کرتے ہیں۔

س:۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہیں؟

ج:۔جی بالکل، میری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ نماز کوئی نہ چھوٹے اور کسی انسان کا دل نہ دکھے میری وجہ سے۔

س:۔اپنی شخصیت کو کس طرح بیان کریں گی آپ میں کیا خوبیاں خامیاں ہیں؟

ج:۔مہمان نواز ہوں، کبھی کسی کا برا نہیں چاہا، کوئی مجھ سے کوئی چیز مانگے انکار نہیں کرسکتی کوشش یہی ہے کہ کوئی مجھ سے ناراض نہ ہو۔

س:۔غم اور خوشی کے موقع پر آپ کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

ج:۔غم کے موقع پر رو پڑتی ہوں کیونکہ غم کا علاج ہی میری نظر میں رونا ہے اور خوشی کے موقع پر خوش ہو کر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں لیکن میری پہلی خوشی بھائی کی شادی اور بھائی کی مہندی پر گرگئی اچانک، اس وجہ سے پاؤں ٹوٹ گیا اور فوراً اسپتال گئے فریکچر ہوگیا پلاسٹر چڑھ گیا۔

س:۔کن باتوں سے خوف آتا ہے؟

ج:۔ناگہانی موت سے، اپنے کسی کے بچھڑنے سے اور بددعاؤں سے ہمیشہ خوف آتا ہے اللہ تعالیٰ بچائے ایسی باتوں سے آمین۔

س:۔کس مقام پر پہنچنا چاہتی ہیں؟

ج:۔پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن نہیں پڑھ سکی۔لیکن اپنے بچوں کو اچھے مقام پر دیکھنے کی دعائیں کرتی ہوں، بچے پڑھ لکھ جائیں آمین۔

س:۔محبت پر یقین رکھتی ہیں؟

ج:۔جی بالکل رکھتی ہوں صرف اللہ کی محبت سچی ہے اور صرف اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔

س:۔گھر میں فیصلے کون کرتا ہے؟

ج:۔سسر یا شوہر یا پھر جس کی رائے اچھی لگے تو اس

پر عمل ہوتا ہے۔
س:۔ نئے لوگوں سے ملنا نیا ہنر سیکھنا اور عمل کرنا اچھا لگتا ہے یا لگی بندھی زندگی گزارتی ہیں؟
ج:۔ میں نئے لوگوں سے مل کر ان سے ضرور کچھ نہ کچھ سیکھتی ہوں۔
س:۔ خود پر کتنی توجہ دیتی ہیں؟
ج:۔ نہیں جی میں خود پر توجہ نہیں دیتی۔
س:۔ اگر ماضی میں جانے کا موقع ملے تو کس کے ساتھ وقت گزارنا پسند کریں گی؟
ج:۔ اپنے ابو کے ساتھ اور ماموں کے ساتھ ان سے لاڈ اٹھواؤں گی ان کے کام کروں گی۔
س:۔ ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے کون سے ذرائع استعمال کرتی ہیں؟
ج:۔ ویسے حالات سے باخبر رہنے کے لیے دل تو نہیں کرتا کہ ملک کے حالات اچھے نہیں، جو خبر کہیں سے مل جائے سن لیتی ہوں۔
س:۔ ایسی کون سی ایجاد ہے جس کے بغیر زندگی ادھوری ہوتی؟
ج:۔ موبائل فون میں استعمال نہیں کرتی، کتابوں کے بغیر زندگی ادھوری لگتی ہے۔
س:۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوں اور چوہا یا کاکروچ نظر آجائے تو کیا کریں گی؟
ج:۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوں تو چوہے یا کاکروچ کا کیا کام۔
س:۔ مہمانوں کے جانے کے بعد کیا تبصرہ کرتی ہیں؟
ج:۔ ہم اور مہمانوں پر تبصرہ نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا جس طرح کے مہمان ہوں گے تبصرہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ ہاہاہاہا۔
س:۔ باتونی لوگوں سے کس طرح جان چھڑاتی ہیں؟
ج:۔ ہاہاہاہاہا، دلچسپ سوال ویسے میں خود بہت باتیں کرنے لگ گئی ہوں۔
س:۔ وطن کے لیے کیا سوچتی ہیں؟
ج:۔ بے روزگاری ختم ہو جائے اور کوئی انسان بھوکا نہ مرے، رشوت اور قتل و غارت ختم ہو جائے، آمین۔ میں دعا کرتی ہوں ہمارا ملک پرامن ہو جائے، آمین۔
س:۔ زندگی کا سب سے خوب صورت لمحہ یا کوئی ایسا لمحہ جس کی آپ منتظر ہیں؟
ج:۔ وہ ایک ایک لمحہ جو میں نے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ گزارنے جو مری، ناران، کاغان گئی تھی اور بھی خوشگوار دن جو ان کے ساتھ گزرے اور اب اس لمحے کی کہ میں چلنے لگ جاؤں جیسا پہلے چلا کرتی تھی، آمین۔

کومل رباب...... گوجرانوالہ

س:۔ آپ کے نزدیک حسین دور کون سا ہے؟
ج:۔ بچپن اور لڑکپن کا دور سب سے حسین ہے۔
س:۔ کیسی طالب علم تھی صرف پڑھائی پر توجہ دی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا؟
ج:۔ شرارتی اور ذمہ دار طالب علم تھیں، پڑھائی اور غیر نصابی سرگرمیاں دونوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔
س:۔ کون سا مضمون سخت ناپسند ہے؟
ج:۔ انگلش اور مطالعہ پاکستان۔
س:۔ اپنی تعلیم کو کس طرح کام میں لا رہی ہیں؟
ج:۔ گھر داری سنبھال کر اور بچے پال کر۔
س:۔ اپنے کس استاد سے متاثر ہیں؟
ج:۔ مس فریہ اور مس آسیہ سے یا اچھا ہے کہ اب تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے لڑکیوں کی۔
س:۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہیں؟
ج:۔ جی...... لیکن حقوق اللہ سے غفلت ہو ہی جاتی ہے جبکہ حقوق العباد کی ادائیگی کا مکمل خیال رکھتی ہوں۔
س:۔ اپنی شخصیت کو کس طرح بیان کریں گی آپ میں کیا خوبیاں خامیاں ہیں؟
ج:۔ بری عادت غصہ اور منہ پر بات کرنی یا جواب دینا جسے لوگ بدتمیزی بھی کہتے ہیں اور اچھی عادت یہ کہ رشتوں کا احساس، قدر اور کسی کی تکلیف کو سمجھ کر اسے اچھا مشورہ دینا اور اس کا حل نکالنا بقول میری بھابی کے۔
س:۔ غم اور خوشی کے موقع پر آپ کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟

ج:۔ غم میں مجھ سے کچھ کھایا نہیں جاتا اور خوشی کے مارے مجھے بھوک نہیں لگتی اور غم میں چڑچڑاہٹ ہوتی ہے۔
س:۔ کن باتوں سے خوف آتا ہے؟
ج:۔ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے دور ہوں تو خوف آتا ہے پہلے لڑائی سے خوف آتا تھا مگر اب نہیں بقول بھائی مظہر کے کیوں بھائی، ہاہاہاہا۔
س:۔ کس مقام پر پہنچنا چاہتی ہیں؟
ج:۔ خاص مقام تو نہیں بس ایک اچھی ماں اور اچھی عورت بننا چاہتی ہوں تاکہ سب مجھے پیار اور چاہت کی نظر سے دیکھیں۔
س:۔ محبت پر یقین رکھتی ہیں؟
ج:۔ بالکل، محبت پر سو فیصد یقین رکھتی ہوں، اپنی فیملی سے بہت محبت ہے ان کے بنا ادھوری ہوں محبت جینے کا جذبہ اور رشتوں میں مٹھاس پیدا کرتی ہے۔
س:۔ گھر میں فیصلے کون کرتا ہے؟
ج:۔ ابھی تو بڑوں کے فیصلوں کو مانتی ہوں ان سے مشورہ لے کر اور اپنے ہوتے ہوئے شوہر کو فیصلہ کیسے کرنے دوں گی، ہاہاہاہا۔
س:۔ اپنے آج کو گزشتہ کل سے بہتر بنانے کے لیے کیا کرتی ہیں؟
ج:۔ کچھ خاص نہیں بس اپنی بڑی بھابی سے مشورہ کرتی ہوں۔
س:۔ نئے لوگوں سے ملنا نیا ہنر سیکھنا اور عمل کرنا اچھا لگتا ہے یا لگی بندھی زندگی گزارتی ہیں؟
ج:۔ میں لگی بندھی زندگی گزارنے کی قائل نہیں ہوں کچھ نیا کرنے اور اچھی باتیں سن کر عمل کرنا اچھا لگتا ہے۔
س:۔ اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں سے کیا سیکھا؟
ج:۔ یہی کہ ثابت قدم رہوں اور اپنے آپ کو مضبوط رکھوں تاکہ لوگ آپ کو کمزور سمجھ کر استعمال نہ کریں۔
س:۔ خود پر کتنی توجہ دیتی ہیں؟
ج:۔ بس نارمل، سو سو خاص نہیں۔
س:۔ اگر ماضی میں جانے کا موقع ملے تو کس کے ساتھ وقت گزارنا پسند کریں گی؟
ج:۔ اپنے والدین اور بھائیوں کے ساتھ۔
س:۔ ملکی حالات سے باخبر رہنے کے لیے کون سے ذرائع استعمال کرتی ہیں؟
ج:۔ موبائل فون یا اخبار۔
س:۔ ایسی کون سی ایجاد ہے جس کے بغیر زندگی ادھوری ہوتی؟
ج:۔ لائٹ اور موبائل۔
س:۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ہوں اور چوہا یا کاکروچ نظر آجائے تو کیا کریں گے؟
ج:۔ ظاہر ہے ایسے میں اپنا بچاؤ کروں گی میں بہت ڈرپوک ہوں۔
س:۔ مہمانوں کے جانے کے بعد کیا تبصرہ کرتی ہیں؟
ج:۔ ان کے رویوں پر یا پھر بولنے اور اٹھنے بیٹھنے پر کہ طریقہ کار کیسا ہے باقی تو مہمان کے حساب سے ہی ہوتا ہے تبصرہ۔
س:۔ باتونی لوگوں سے کس طرح جان چھڑاتی ہیں؟
ج:۔ ہائے اللہ مت پوچھیں مجھ سے تو نہیں چھڑائی جاتی بہت مشکل ہے۔ ہاں اب ذرا بچوں کی طرف توجہ دے کر جان چھڑا لیتی ہوں۔
س:۔ وطن کے لیے کیا سوچتی ہیں؟
ج:۔ صاف ستھرا اور امن پسند ہونا چاہیے۔
س:۔ زندگی کا سب سے خوب صورت لمحہ یا کوئی ایسا لمحہ جس کی آپ منتظر ہیں؟
ج:۔ اللہ پاک کا گھر دیکھنا اور زیارتوں کا شوق ہے مجھے ایران، عراق میں روضہ مبارک دیکھنے کی یہ آنکھیں منتظر ہیں۔

اسیر محبت

بشریٰ ماہا

دل کی دھڑکن تیری پلکوں کی جھپک میں اُلجھی
دیر تک راز رہے راز، تو کُھل جاتا ہے
اپنی کرنوں کو سمیٹے ہوئے ہنگامِ سفر
چاند شبنم میں اُترتا ہے تو گُھل جاتا ہے

کج انج وی راہواں اوکھیاں سن
کج گل وچ غم دا طوق وی سی
کج شہر دے لوک وی ظالم سن
کج مینوں مرن دا شوق وی سی

"طیبہ تمہاری آپی کہاں ہیں؟" کافی دیر ہوگئی تھی جب اسفند کو عشفا نظر نہیں آئی تو اس نے اپنی دوست سے باتیں کرتی طیبہ سے پوچھا۔

"یہیں ہوں گی اسفند بھائی، میں نے بھی کافی دیر ہوئی نہیں دیکھا انہیں۔" طیبہ نے لاعلمی ظاہر کی۔

"او کے میں دیکھتا ہوں، تم انجوائے کرو۔" پھر کچھ ہی دیر میں سب نے عشفا کی غیر موجودگی کو محسوس کرلیا تھا۔ رات جیسے جیسے گہری ہورہی تھی پریشانی ویسے ویسے بڑھ رہی تھی، رسم کے مطابق ارتج کو لے کر وہ سب گھر پہنچ چکے تھے لیکن عشفا کا اب تک کوئی پتا نہیں تھا۔ گھبراہٹ کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی۔ سب کے دل میں برے برے اندیشے سر اٹھا رہے تھے۔

عفان بھائی، اسفند اور حارث اب باقاعدہ اسے ڈھونڈنے نکل گئے تھے۔ رات تیزی سے گزر رہی تھی جبکہ اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اسفند کے دل میں کئی برے برے وسوسے سر اٹھا رہے تھے۔

"عشفا اس منگنی سے خوش نہیں تھی تو کیا اس نے کوئی غلط قدم تو نہیں اٹھالیا؟ نہیں وہ ایسا کبھی نہیں کرسکتی، مجھے اس پہ خود سے زیادہ اعتبار ہے۔" دل نے ذہن میں اٹھنے والی سوچ کو وہیں کچل دیا تھا۔

اور پھر صبح کی کرنیں نمودار ہوئیں، وہ سب ناکام گھر لوٹ آئے تھے۔ ارسلان احمد اور شہباز احمد جو کہ ان سب کی واپسی کے ساتھ امیدیں وابستہ کیے بیٹھے تھے اور ساتھ ہی لبوں پہ دعا اور آیات کا ورد جاری تھا، ان کے چہرے دیکھ کر صورت حال جان گئے تھے۔ ارسلان احمد کا دل گہری کھائیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ منگنی کے وقت اس کی اداس صورت دیکھ کر جو خدشات دل میں اٹھے تھے وہ اب گہرے ہو چلے تھے۔ غم کا ایک پہاڑ تھا جس کے نیچے وہ سب دب گئے تھے۔

خوشی بھی ایک پھول کی طرح ہوتی ہے، اپنی خوش بو سے سب کو مہکاتی ہے تو اس کے ساتھ لگے غم کے کانٹوں کی چبھن بھی محسوس کرنی ہی پڑتی ہے۔ دکھ سکھ تو زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں مگر کچھ درد ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی مدت پوری کرلینے کے بعد بھی تکلیف دیتے ہیں۔

عشفا کی بھول بھی ان سب کو اک ایسے ہی نا ختم ہونے والے درد کے حوالے کر گئی تھی۔

محبتوں میں ہوس کے اسیر ہم بھی نہیں
غلط نہ جان کہ اتنے حقیر ہم بھی نہیں
ہمیں بجھا دے، ہماری انا کو قتل نہ کر
کہ بے ضرر سہی محسن بے ضمیر ہم بھی نہیں

عشفا کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک بہت بڑے شاندار کمرہ میں پایا، اک پل کے لیے اسے کچھ سمجھ نہیں آیا، وہ کہاں ہے سر بہت بھاری ہو رہا تھا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دماغ بالکل سن تھا، وہ کچھ دیر خالی ذہنی کیفیت میں وہیں لیٹی رہی پھر آہستہ آہستہ ذہن نے سوچنا شروع کر دیا، تب وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ وہ تو ارتج کے ویسے کے فنکشن میں تھی اور وہاں سے نعمان سے ملنے گئی تھی اور بعد میں نعمان اسے دوبارہ ہال تک ڈراپ کرنے جا رہا تھا جب وہ چکر کھا کر بے ہوش ہوئی تھی اور اب جب آنکھ کھلی تو وہ یہاں موجود تھی۔ کمرے میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ اندازے سے دروازے تک آئی اور وہاں موجود سوئچ بورڈ سے سارے بٹن آن کیے، کمرہ ایک دم روشنیوں میں نہا گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ بجایا۔

”کوئی ہے...... پلیز ہیلپ می، کوئی ہے، دروازہ کھولو، کوئی ہے۔“ وہ پوری طاقت سے چلائی، بے بسی کی شدت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، وہ دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹتے بری طرح رو رہی تھی۔

کیا وہ اپنے محبوب پہ اعتبار کرنے کی غلطی کا شکار ہوئی تھی، نہیں نعمان ایسا نہیں کر سکتا وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے اپنی محبت پہ پر یقین تھی۔ دروازہ بجا بجا کے اس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے، رو رو کے گلا خشک ہو چکا تھا لیکن کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس وقت کیا وقت ہوا ہے دن ہے یا رات، وہ کہاں ہے؟ کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔

کمرے میں فریج، ایل سی ڈی سب کچھ موجود تھا، فریج میں کھانے کی مختلف چیزیں موجود تھیں جبکہ ساتھ میں مائیکرو ویو، اوون بھی موجود تھا۔ شاید جس نے بھی اسے یہاں قید کیا تھا اس نے ضرورت کی ہر شے پہلے ہی رکھ دی تھی وہاں شاید اسے بہت لمبی قید سہنی تھی۔ وہ ایک بار پھر بے بسی سے رودی تھی۔

***

نصیب عشق دلِ بے قرار بھی تو نہیں
بہت دنوں سے ترا انتظار بھی تو نہیں

آج ایک مہینہ گزر چکا تھا، عشفا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اگر وہ اغوا ہوتی تو اغوا کرنے والے کوئی تاوان مانگنے کے لیے رابطہ ضرور کرتے لیکن کسی نے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جہاں بھی گئی ہے اپنی مرضی سے گئی تھی۔ وہ جوان کا مان، ان کا غرور، ان کے جگر کا ٹکڑا تھی، وہ ان کی زندگی میں گہرا دکھ گھول کر، ان کا مان ان کا غرور توڑ کر چلی گئی تھی۔ وہ جس کو ان سب نے بے حد پیار کیا تھا، وہ خود ان کو رسوا کر گئی تھی۔ عشفا نے ایسا کیوں کیا؟ اگر کوئی بات تھی تو ان سے کرتی انہوں نے تو ہمیشہ اس سے دوستانہ رویہ رکھا تھا۔ سختی بھلا کی ہی کب تھی اس پہ وہ خود کو کمرے میں قید کیے سوچ رہے تھے۔ کمرے میں موجود اندھیرے کی طرح ان کی زندگی میں بھی اندھیرے چھا گئے تھے۔ تب ہی دروازہ ناک کر کے اسفند کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور حلیہ بھی بہت شکستہ تھا۔ وہ ان کا سب سے پیارا وجیہہ، حساس اور محبت کرنے والا بھتیجا تھا اسے اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کٹ کر رہ گیا جبکہ وہ اپنی حالت کی فکر چھوڑ کر انہیں سنبھالنے آیا تھا۔

"تایا ابو...... اگر آپ اس طرح خود کو الگ تھلگ کرلیں گے تو بیمار ہوجائیں گے۔" وہ ان کے پاس زمین پر بیٹھ کر ان کے گھٹنے پہ سر ٹکائے بولا۔

"اس نے ایسا کیوں کیا اسفند، کیا ہماری محبت میں کوئی کمی رہ گئی تھی؟" وہ شکستہ لہجے میں بولے۔

"کیا اس نے تم سے کوئی بات کی تھی اسفند، کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی؟" اسفند نے ان کے سوال پہ فوراً نگاہیں جھکائیں۔ خاموشی نے دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

وہ بہت اداس اور چپ چپ تھی تایا ابو، الجھی الجھی، وہ مسکرانا بھول گئی تھی۔ یہ بات میں نے محسوس کی تھی اور پھر اریج کی مہندی کی رات جب ماما نے اسے رنگ پہنائی تو دو آنسو خاموشی سے اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کے گرے تھے جو مجھ سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ میں تو اس کی آنکھ میں نمی بھی برداشت نہیں کرسکتا پھر آنسو کیسے کرتا۔ میں نے اس سے اس رات اس کی اداسی کی وجہ پوچھی تھی۔" وہ بولتے ہوئے خاموش ہوا۔

"پھر کیا بتایا اس نے؟" انہیں جاننے کی جلدی ہوئی۔

"تایا ابو وہ کسی سے محبت کرتی تھی، وہ اس کا یونی فیلو تھا۔ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں تھی لیکن یہ بات وہ آپ سے نہیں بول پائی تھی، میں نے اس کو اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا اور وہ مان بھی گئی تھی۔"

"اور اسے یقین نہیں آیا تم پر اور اس لیے وہ اس شخص کے ساتھ چلی گئی۔ جس سے محبت کرتی تھی، ہماری محبت کو رسوا کر کے۔" تایا ابو نے اس کی ادھوری بات مکمل کی۔

"نہیں تایا ابو، مجھے عشفا پر پورا اعتبار ہے، وہ جو آپ کے مان اور یقین کی خاطر اپنی محبت کا اظہار نہ کرسکی وہ آپ کو رسوا کر کے جانے کا کیسے سوچ سکتی ہے، وہ بے شک مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی لیکن اسے مجھ پہ اعتماد تھا، میں کبھی یقین نہیں کرسکتا اس بات پر کہ عشفا ہمیں چھوڑ کر، رسوا کر کے جاسکتی ہے، کچھ غلط ہوا ہے اس کے ساتھ تایا ابو۔" وہ ان کی بات رد کرتا پر یقین لہجے میں بولا اور وہ بس اس کا چہرہ دیکھتے رہ گئے۔ شاید محبت یہی ہوتی ہے، جس میں ہم محبوب پر خود سے بھی بڑھ کر یقین رکھتے ہیں چاہے کتنے بھی طوفان آئیں، کتنی ہی بدگمانیوں کی آندھیاں آئیں، محبت کے پیڑ پر لگا اعتبار کا پھول کبھی ٹوٹ کر نہیں گرتا۔

***

آج اسے ایک ماہ ہوگیا تھا وہاں، اس دوران صرف دو چار بار ایک ملازمہ آئی تھی اور مختلف چیزیں رکھ کر چلی گئی تھی اور اس نے اس سے بہت کوشش کی تھی کہ وہ جان سکے وہ کہاں ہے اور کیوں ہے لیکن اس کی چپ کا قفل نہیں ٹوٹا تھا۔ ایک مہینہ ہوگیا تھا اپنے جان سے عزیز رشتوں سے بچھڑے، ان سے دور ہوئے جن سے کبھی دور نہ ہوئی تھی۔ اچانک سے اتنے فاصلے آگئے تھے، اب تو رو رو کر اس کے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔ باہر کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا تھا۔ کتنے دن ہوگئے تھے اسے سورج کی کرن تک نظر نہیں آئی تھی، بس اتنا اندازہ ہوا تھا کہ وہ ایک بہت بڑی حویلی میں قید ہے جہاں شاید اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اسے اپنی بے وقوفی پر بہت غصہ آرہا تھا، اسے اسفند کی بہت یاد آرہی تھی۔ ایسے وقت میں وہ اس کو یاد ہی کرسکتی تھی کیونکہ وہ واحد شخص تھا جو ہر مشکل اور پریشانی میں اس کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا اور آج وہ اتنا دور تھا کہ وہ چاہ کر بھی اسے آواز دے کر نہیں بلا سکتی تھی۔ وہ سب اسے وہاں کتنا غلط سمجھ رہے ہوں گے، انہیں تو معلوم بھی نہیں ہوگا کہ وہ یہاں کس مشکل میں پھنسی ہے، وہ سب تو اب اس سے شدید نفرت کرنے لگے ہوں گے۔

"بس ایک بار میں یہاں سے نکل جاؤں پھر میں سب کو سب کچھ سچ بتادوں گی، وہ سب مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں، وہ میرا اعتبار ضرور کریں گے۔" اس نے دل میں سوچا۔

وہ بیڈ پہ بیٹھی گھر والوں کو یاد کرکے اداس ہو رہی تھی جب دروازے کا لاک کھولنے کی آواز آئی اور کلک کی آواز کے ساتھ کوئی اندر آیا تھا۔ اس ایک مہینے میں جو دعا اس نے ہر پل کی تھی وہ اس شخص کا چہرہ نہ دیکھنے کی ہی کی تھی اور اب وہ ہی شخص اپنی پوری شان کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے انداز میں ایک غرور جھلک رہا تھا جبکہ دوسری طرف عشفا کا مان، یقین، محبت سب کچھ جل کر خاک ہو رہا تھا۔

"کیسی ہو؟" وہ بیڈ کی ایک سائیڈ پر آکر بیٹھ گیا اور اس کی خیریت دریافت کی۔

"گویا زخم دے کر اس کی گہرائی معلوم کررہا ہو۔" عشفا نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔ نعمان کو اس کے انداز پہ بے اختیار دل میں دکھ کی لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔ بس ایک لمحے کے لیے اس کی حالت دیکھ کر وہ کمزور ہوا پر دوسرے ہی لمحے وہ سب بھول کر خود کو مضبوط کرگیا تھا۔

"عشفا میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا، اگر میں یہ قدم نہ اٹھاتا تو تمہارے گھر والے تمہاری شادی مجھ سے نہ ہونے دیتے، تم سمجھنے کی کوشش کرو یار۔"

"خبردار مسٹر نعمان صدیقی...... خبردار اگر میرا نام دوبارہ اپنی گندی زبان سے لیا تو...... میں نفرت کرتی ہوں تم سے اور اگر میرے گھر والے میری شادی تم سے نہ کرتے تو تم کیا سوچ رہے ہو میں اب تم سے شادی کروں گی تو یہ بھول ہے تمہاری نعمان صدیقی، بھول ہے تمہاری۔" وہ غصہ سے کہتی اسے تنبیہہ کرگئی، غصے کی شدت سے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ اس کا لفظ لفظ نفرت سے بھرا ہوا تھا۔

"اوہ اچھا تو آپ سمجھتی ہیں مس عشفا ارسلان، میں آپ کی رضامندی کا محتاج ہوں۔" اس نے تمسخر اڑاتا ہوئے کہا۔

"میں اگر تمہیں یہاں لاسکتا ہوں تو تم سے شادی بھی کرسکتا ہوں۔ میں آج یہاں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ ایک ہفتے بعد اس ہی دن میرا تم سے نکاح ہے اور تب تک میری پوری فیملی بھی شادی میں شرکت کرنے پہنچ جائے گی، تم فکر نہ کرو، ہماری شادی پوری دھوم دھام سے ہوگی۔ ساری رسمیں بھی ہوں اگر تم چاہو تو نہیں تو صرف نکاح بھی کافی ہے تمہیں اپنا بنانے کے لیے۔" وہ سفاکی سے کہتا اس کی بے بسی پر مسکرایا اور عشفا کا دل چاہا اس کی جان لے لے۔ دروازہ ایک بار پھر لاک کردیا گیا۔ اسے اپنی بے بسی پر شدت سے رونا آیا، وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی رونے کے علاوہ۔

مجھے بھی یاد رکھنا جو لکھو کبھی تاریخ وفا کی
میں نے بھی لٹایا ہے محبت میں سکون اپنا

وہ بڑے پاپا کو تو تسلی دے آیا تھا لیکن اپنے اس دل کو سکون کیسے دیتا جو بے چین تھا اور بار بار کہہ رہا تھا عشفا کو تمہاری ضرورت ہے۔ سب نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش ترک کردی تھی لیکن وہ اب تک اس امید پہ کوشش جاری رکھے ہوئے تھا کہ شاید کسی دن وہ اسے مل ہی جائے۔ اس کے خود کے دل کی حالت اجڑی ہوئی تھی۔ وہ کام پر دوبارہ جانے لگا تھا۔ زندگی بے حد مصروف ہوتی چلی گئی تھی لیکن اس مصروفیت نے بھی عشفا اور اس کی یاد کو دل سے نہیں نکال پا رہا تھا۔ زندگی یک دم بوجھل بن گئی تھی، کسی کی بری نظر لگ گئی تھی شاید، جو سارے رنگ ہی غائب ہوگئے تھے اور زندگی یک دم بے رنگ اور پھیکی ہو کر رہ گئی تھی۔

❁ ❁

اس سنسان اور ویران حویلی میں جہاں صرف کبھی کبھی چڑیا کے بولنے کی ہی آواز سنائی دیتی تھی اب لوگوں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ جیسے شاید یہ سب لوگ نعمان کے ہی بلانے پر یہاں آئے ہوں۔ اسے تنہائی سے اتنا ڈر نہیں لگ رہا تھا جتنا اب ان آوازوں سے، اب کیا ہونے والا تھا اس کے ساتھ یہ سوال کسی بلا کی طرح اسے ڈرا رہا تھا۔ وہ سوچوں میں گم تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ایک خوب صورت سی لڑکی جو عمر میں اس سے ایک دو سال بڑی لگ رہی تھی، مختلف شاپنگ بیگز لیے اندر داخل ہوئی اور پھر اس نے وہ سارے شاپنگ بیگز صوفے پر ڈھیر کردیے اور اب اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے اسے دیکھ لگی تھی۔ عشفا کو اس کی نظروں سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے بہت گہرا رشتہ ہو اس کا عشفا ارسلان سے۔

"کون ہو تم اور مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" عشفا غصے سے بولی۔

"میں تانیہ ہوں عشفا، نعمان بھائی کی بہن۔" وہ لڑکی محبت سے بولی۔

"ایک بہن کا بھائی ہو کر بھی تمہارے بھائی کو غیرت نہیں آئی کسی کی بہن کو یوں اغوا کرتے، اگر تمہیں کوئی اغوا کرے تو کوئی تمہاری زندگی برباد کرے تو......" وہ غصے کی شدت سے اس لڑکی پر برس پڑی جب دروازہ کھول کر نعمان اندر داخل ہوا۔

"بکواس بند کرو اپنی عشفا، اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ اٹھے اور تمہارے چہرے پہ اپنا نشان چھوڑ جائے، یہ تانیہ صدیقی ہے، نعمان صدیقی اس کی طرف اٹھنے والی میلی نظریں اٹھنے سے پہلے ہی نوچ لے گا۔" اس نے عشفا کی باتیں سن لی تھیں اور اب غصے سے سرخ لہجہ میں بول رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ عشفا نے بھلا کب اس کا یہ روپ دیکھا تھا۔ اسے خوف آیا نعمان سے مگر وہ خوف کو دبا گئی۔

"اپنی بہن کے نام پہ اتنی غیرت دکھا رہے ہو، ایک معصوم لڑکی کے ساتھ دھوکا کرتے یہ غیرت کہاں سو گئی تھی۔" وہ بن ڈرے چلا کر اس ہی کے انداز میں بولی۔

"بن معصوم...... تم جاؤ تانیہ اس کا دماغ میں درست کرتا ہوں۔" وہ عشفا کو نظر انداز کرتا تانیہ سے بولا جو دکھ سے سب دیکھ اور سن رہی تھی۔

"مگر بھیا آپ......" اس نے کچھ بولنا چاہا۔

"تانیہ میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔" وہ اس کی بات کاٹتا اس بار سخت لہجے میں بولا اور تانیہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر سر ہلا کر پلٹ گئی۔ نعمان نے صوفے پہ رکھے شاپنگ بیگ سے برائیڈل ڈریس نکالا اور اس کی طرف اچھال دیا۔

"جلدی سے یہ پہن کر تیار ہو جاؤ کچھ دیر میں ہمارا نکاح ہے۔" وہ حکم دیتا بولا اور فریج کھول کر سوفٹ ڈرنک کا کین نکال کر لبوں سے لگالیا۔

"نکاح، میں مر جاؤں گی نعمان لیکن تم سے نکاح مائی فٹ۔" وہ اس کے نارمل انداز پر جل کے بولی۔

"میں تمہیں عزت سے اپنانا چاہتا ہوں جو کہ تمہیں

راس نہیں آرہا، ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو کہ ساری زندگی میرے ساتھ بنا نکاح کے اس کمرے میں رہو تو تمہاری مرضی، فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں تم سے بحث کر کے اپنا ٹائم برباد نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارے پاس ایک گھنٹے کا وقت ہے۔ اس کے بعد یا تو نکاح یا پھر......" وہ کمینگی سے ہنستا بات ادھوری چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا جب کہ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

یہ وہ شخص تھا جس کی محبت اور ساتھ کو اس نے ہر پل ہر لمحہ دعا میں مانگا تھا جو اب اس کے لیے ایک عذاب اور آزمائش بن گیا تھا۔

❁ ❁ ❁

وہ عروسی جوڑے میں ملبوس بے حد حسین لگ رہی تھی، بنا ہار سنگھار بھی، بے حد پرکشش لگ رہی تھی۔ چہرے پہ چھایا سوز و غم اور آنکھوں کے کٹوروں میں بھرے آنسو اس کے حسن میں اضافہ کر رہے تھے۔ نعمان سے اچھائی کی اب اسے کوئی امید نہیں رہی تھی۔ کبھی یہ رشتہ اس کی سب سے بڑی خواہش تھا لیکن اب یہ رشتہ محض ایک مجبوری بن کر رہ گیا تھا۔ اس کے دل میں اب نعمان کے لیے سوائے نفرت کے اور کوئی جذبہ نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے نکاح خواں اور کچھ افراد کی موجودگی میں اس نے نکاح نامے پہ دستخط کر دیے تھے اور بس دو لمحوں میں وہ عشفا ارسلان سے عشفا نعمان بن گئی تھی۔ اس کے نکاح میں بہت لوگ تھے بس وہ ہی نہ تھے جو اس کے اپنے تھے۔ یہ کیسا رشتہ تھا جو زور زبردستی سے باندھا گیا تھا، جس کی بنیاد دل کے رشتوں اور ارمانوں کے خون پہ رکھی گئی تھی۔

کبھی کبھی اسے حیرت ہوتی تھی کیا یہ وہ ہی نعمان تھا جس سے اس نے شدید محبت کے ساتھ اعتبار بھی کیا۔ مرد کبھی مظلوم نہیں ہوتا وہ ہمیشہ ظالم ہی ہوتا ہے اس کے لیے وہ ہی عورت قابل احترام ہوتی ہے، جس سے اس کے خون کا رشتہ ہو، باقی سب تو اس کے لیے پیر کی جوتی کی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس نے دکھ و تکلیف سے سوچا اور کمرے تبدیل کرنے چلی گئی، اس جوڑے سے اسے وحشت ہو رہی تھی۔

❁ ❁ ❁

اس کی زندگی کا حاصل اس کے سامنے دھرا تھا، اس کا انتقام جس کو اس نے پانچ سال کی عمر سے اپنی زندگی کا حصہ بنالیا تھا۔ بس ایک غلطی ہو گئی تھی اسے عشفا سے محبت ہو گئی تھی، بے حد، شدید اور بے حساب لیکن وہ محبت کے لیے خود کو کمزور نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔ عشفا اس شخص کی بیٹی تھی جس نے اس سے اس کی ماں کو ہمیشہ کے لیے چھین لیا تھا اور اس نے بھی اس ہی دن فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھی ان سے ان کی سب سے قیمتی متاع چھین کے دکھائے گا۔ انہیں بھی جدائی کی اس تکلیف سے آشنا کرائے گا جس کی آگ میں وہ برسوں جلا تھا اور آج اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا، اسے خوش ہونا چاہیے تھا پھر کیوں اک نامعلوم سے دکھ و تکلیف نے اس کے وجود کا احاطہ کر لیا تھا، پھر کیوں اک درد سا دل میں اٹھ رہا تھا، سامنے بیڈ پہ عشفا گہری نیند سو رہی تھی، نیند میں بھی اس کے چہرے پہ گہرے دکھ و ملال کے آثار چھائے ہوئے تھے۔ نعمان کے دل کو کچھ ہوا، یہ چہرہ تو اس نے ہمیشہ مسکراتے دیکھا تھا اور آج اس کی آنکھوں میں آنسو کے دریا بہہ رہے تھے اور اس کی وجہ نعمان تھا۔

"اس سب میں عشفا کا کیا قصور تھا؟" اس کے دل سے آواز آئی۔ "لیکن جو کچھ تمہارے اور تانیہ کے ساتھ ہوا اس میں بھی تو تمہارا کوئی قصور نہیں تھا پھر بھی تم نے سزا کاٹی۔ اب عشفا کو بھی قرض چکانا ہوگا۔ اپنے باپ کے گناہوں کا۔" دماغ نے دلیل دی۔

وہ سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گیا، نیندیں تو بہت پہلے ہی روٹھ گئی تھیں اب تو بس رت جگے ہی مقدر تھے۔ انتقام کی آگ میں جلتا اس کا وجود رفتہ رفتہ راکھ ہو رہا تھا۔

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

❁ ❁ ❁

سب میں شامل ہو مگر سب سے جدا لگتی ہو

صرف ہم سے نہیں، خود سے بھی جدا لگتی ہو

اس کے نکاح کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا، مہمان تو اس ہی رات لوٹ گئے تھے لیکن نعمان کی بہن تانیہ اب تک یہیں تھی۔ عشفا پہ لگی پابندی ہٹ چکی تھی۔ اب وہ ایک کمرے میں قید نہیں تھی بلکہ اب پوری حویلی میں قید تھی۔ حویلی کے صدر دروازے پر بڑی بڑی مونچھوں والا خطرناک سا گارڈ ہاتھ میں رائفل لیے ہر وقت موجود رہتا جبکہ ساتھ ہی شکاری اعلیٰ نسل کے کتے بھی ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔ ایسے میں وہ کہاں کہیں بھاگ سکتی تھی۔ گھر میں ایک فون اور انٹرنیٹ کے علاوہ ہر جدید سہولت موجود تھی۔ وہ اب حویلی میں آزادی سے گھوم پھر سکتی تھی لیکن وہ خود کو اپنے کمرے تک محدود رکھتی تھی۔ تانیہ اکثر اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتی، وہ بہت معصوم تھی، وہ اس سے دنیا بھر کی باتیں کرتی، اس کی نظروں میں ہمیشہ عشفا نے محبت دیکھی تھی لیکن عشفا اس کی کسی بات کے جواب میں کچھ نہیں بولتی، وہ جیسے گونگی ہو گئی تھی۔

اس نے محبت کے ہاتھوں دھوکہ کھایا تھا، اب اس کا محبت سے ایمان اٹھ گیا تھا۔ اس کو ہر وہ نگاہ فریب لگتی تھی جس میں محبت نظر آتی تھی۔ اس نے کچھ بھی بولنا چھوڑ دیا تھا۔ نعمان سے اس دن کے بعد عشفا کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ صبح اس کے آفس جانے کے بعد اٹھتی اور اس کے آنے سے پہلے خود کو کمرے میں قید کر لیتی تھی۔ ملازمہ صبح سویرے آتی اور صفائی کر کے چلی جاتی جبکہ اس کے بعد کی ساری ذمہ داریاں تانیہ سنبھالتی تھی۔ وہ اس کے لیے بھی ذاتی استعمال کی مختلف چیزیں اور کپڑے خرید کر لائی تھی، اگر نارمل حالات ہوتے تو اسے تانیہ بے حد پسند آتی کیونکہ وہ تھی ہی اتنی اچھی لیکن ساری بات یہ تھی کہ حالات نارمل نہیں تھے۔

وہ عجیب سی ہو گئی تھی، بے حد عجیب، نا سمجھ آنے والی، اس نے خود پر بے حسی کا گہرا خول چڑھا لیا تھا۔ ہر وقت وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی نظر آتی، تانیہ اگر ایسے میں اسے کبھی اچانک پکار لیتی تو وہ ایسے ڈر جاتی جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ ایک گہرا دکھ تھا جس نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

❁ ❁

وہ کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھا تھا، دل گہری سوچوں میں گم تھا، یادوں کا سمندر تھا جو بہتا ہی چلا جا رہا تھا۔ سب کچھ پرفیکٹ تھا پھر یوں اچانک غم کی کیسی آندھی چلی کہ سب کچھ بکھر کر رہ گیا، سب کے دل ٹوٹ کے ریزہ ہو گئے، وہ جو ہمیشہ اس کی اپنی تھی اچانک سے پرائی ہو گئی تھی، اتنی دور چلے گئی اور جاتے جاتے اس کی زندگی سے سارے رنگ بھی لے گئی تھی۔ دل کہتا تھا کہ وہ جہاں بھی ہے لیکن خوش نہیں ہے اور لب اس کی خوشیوں کی دعا مانگتے نہ تھکتے تھے۔ وہ جسے سب نے پھولوں سا نازک سمجھا، جسے کبھی غم کی دھوپ کے قریب بھی نہیں آنے دیا وہ آج اچانک اتنی دور چلی گئی تھی، نا جانے کس حال میں تھی؟ کیا تھا اگر اس نے اسفند سے کبھی محبت نہیں کی تھی، اس کے لیے اس کی خوشی ہی کافی تھی۔ دل کے سکون کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ نگاہوں کے سامنے تو ہے لیکن اب جب وہ نہیں تھی تو دل کا سکون بھی روٹھ گیا تھا۔ جدائی کی آگ رفتہ رفتہ اسفند کو بھی اپنی تپش سے جھلسا رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی اس کی یادوں سے دور نہیں ہو پا رہا تھا، وہ چلی گئی تھی لیکن اس کی زندگی سے جا کر بھی نہیں گئی تھی۔

جو خواہش پوری نہیں ہوتیں وہ ایک حسرت بن کر دل میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر جاتی تھی۔ وہ اس کی زندگی کی ایک حسرت بن کر اس کے دل میں رہنے لگی تھی۔

❁ ❁

مجھے اچھا سا لگتا ہے اپنی ذات میں رہنا
مجھے بھاتا نہیں لوگوں سے شناسائی کرنا

آج تانیہ بھی گاؤں واپس چلی گئی تھی۔ وہ یہاں تھی تو عشفا اسے کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی اور اب جب وہ چلی گئی تو اسے تنہائی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ اتنی بڑی حویلی میں وہ اکیلی تھی، اسے وحشت سی ہو رہی تھی، اس تنہائی سے ملازمہ گھر کی صفائی کر کے کب کی جا چکی تھی۔ اتنے

دن تک وہ سوائے اپنے کمرے کے حویلی میں کسی بھی جگہ نہیں گئی تھی۔ اب فارغ اور تنہا تھی تو گھوم پھر کر تفصیل سے پوری حویلی کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایک بات تو طے تھی کہ یہاں سے بھاگنے کا سوچنا سوائے بے وقوفی کے کچھ نہیں تھا، سیکیورٹی کا بہت مضبوط انتظام کیا گیا تھا۔ وہ گھومتی پھرتی حویلی میں ہی موجود لائبریری تک پہنچ گئی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی۔ وہ ایک بہت بڑی لائبریری تھی، دنیا بھر کی کتابوں سے بھری، وسیع و عریض لائبریری کو دیکھتے ہی اس کے مالک کے ذوق کا اندازہ ہوتا تھا۔ اسے کبھی بھی کتابوں سے یا ناول وغیرہ سے اتنا خاص شغف نہیں رہا تھا لیکن اب کیوں کہ وہ تنہا تھی اور یہ تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی تو اس نے پڑھنے کے لیے ایک مشہور مصنف کا ناول اٹھایا اور وہیں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ پڑھتے پڑھتے اسے اتنا مزہ آنے لگا تھا کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وقت کتنی تیزی سے گزر گیا، وہ اتنی محو تھی پڑھنے میں اور پھر پڑھتے پڑھتے اسے کب نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا پتہ ہی نہیں چلا۔

❁ ❁ ❁

نعمان آفس سے آیا تو بہت تھکا ہوا تھا، وہ کپڑے تبدیل کر کے سیدھا عشفا کے کمرے میں آیا اور اسے وہاں نہ پا کر ایک لمحے کے لیے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا، اس نے ایک ایک کر کے سارے کمرے دیکھ لیے وہ کہیں نہیں تھی۔ کہیں وہ یہاں سے فرار تو نہیں ہوگئی، اس کے ذہن میں پہلی سوچ یہ ہی آئی۔ اگر ایسا تھا تو وہ بہت مشکل میں پھنس سکتی تھی لیکن پھر جلد ہی دماغ نے خود ہی اس خیال کی نفی کردی، وہ بھاگ کیسے سکتی تھی، اتنی سخت سیکیورٹی میں یہاں سے کوئی بھاگ نہیں سکتا تھا تو وہ پھر ایک معصوم سی لڑکی تھی اور پھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ لائبریری تک آ گیا تھا، اس نے دروازہ کھول کے اندر قدم رکھے تو سامنے ہی صوفے پہ وہ گہری نیند میں سوتی نظر آئی، وہ اس وقت بہت معصوم لگ رہی تھی، ایک انوکھا سا احساس اس کے چہرے پہ رنگ بکھیر رہا تھا۔ اتنے دنوں سے جو دکھ، تکلیف اور نفرت کی کیفیت اس کے چہرے پہ نظر آرہی تھی وہ آج غائب تھی۔

وہ ٹرانس کی سی کیفیت میں چلتا اس تک آیا، وہ اپنی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا نہیں پارہا تھا۔ کوئی ان کہا احساس اس کے گرد گھیرا ڈال رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ بکھری لٹ نے عجیب انداز میں نعمان کا دل اپنی طرف کھینچا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال سمیٹنا چاہے تب ہی ایک دم عشفا نے آنکھیں کھول دی۔ ایک لمحے کو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور دوسرے ہی لمحے وہ اپنا ڈوپٹا درست کرتی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ نعمان کا بڑھا ہاتھ وہیں رہ گیا تھا۔

''خبردار جو کبھی تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو......'' وہ جاتے ہوئے غصے سے چیخی۔

''او ہیلو خوش فہمی ہے آپ کی، میں آپ کو ہاتھ لگانا تو دور ہاتھ لگانے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہوں گا۔'' اس نے تمسخر سے ہنستے اس کی طرف جملہ اچھالا اور اس سے پہلے تیز تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا، وہ غصے سے کھولتی اسے جاتے دیکھتی رہی۔

''ایڈیٹ۔'' اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

❁ ❁ ❁

بھوک کی شدت سے اس کا برا حال تھا۔ آفس میں کچھ کھایا نہیں تھا۔ اس نے خود ہی اپنے لیے چائے بنانے کا سوچا اور کچن کی جانب بڑھا۔ بابا کو اپنی زندگی کے پچھتاوے گننے سے فرصت نہیں تھی تو ماما کو بابا کی طرف سے ملنے والے دکھ کے سبب آنے والا غصہ ان دونوں پہ اتارنے سے۔ وہ اپنے گھر کے لاڈلے اور اکلوتے بچے تھے اس کے باوجود مما کے دیے گئے تانوں کے آگے ان کے حق میں کوئی بولنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے زندگی میں بہت مشکلیں سہی تھیں، بہت اذیتیں اور اس کی زندگی میں ان سب خساروں کی وجہ وہ شخص تھا جس کی بیٹی آج اس حویلی میں اس کی بیوی ہونے کے ناطے موجود

تھی۔ وہ کپ چائے بنا کر اور بسکٹ لے کر وہیں کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"جس نے میری زندگی میں اتنی تنہائیاں اور اداسیاں بھری ہیں، میں بھی اس شخص کو چین سے رہنے نہیں دوں گا، اسے خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" وہ چائے پیتے ہوئے دل میں پکا ارادہ کر چکا تھا۔ چائے کا کپ خالی کر کے اس نے دھو کر انہیں واپس اس کی جگہ پہ رکھا اور کچن کی لائٹ بند کر کے باہر نکل آیا تھا۔

ہمیں خبر ہے کہ اب ڈوبنا مقدر ہے
مگر یہ سوچتے ہیں کس ادا سے ڈوبیں ہم

صبح وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا اور تب ہی ٹائی پن لگاتے اسے یاد آیا کہ اس کی فائلز تو اب تک عشفا کے ہی کمرے میں ہیں، عشفا کے آنے سے پہلے وہ کمرہ نعمان کا ہی تھا اور اب بھی اس کا سارا سامان وہیں رکھا ہوا تھا اور بہت سی اہم فائلز بھی وہیں لاکر میں رکھی تھیں۔ وہ فائل لینے آیا تو کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا وہ فائل لینے کے بعد واپس جانے کے لیے مڑنے ہی لگا تھا کہ اس کی نظر عشفا کے چہرے پہ پڑی اور اس کے قدم آگے بڑھنا بھول گئے، وہ سو نہیں رہی تھی بس اس کی موجودگی کو محسوس کر کے آنکھیں موندے لیٹی تھی اور نعمان کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کیونکہ نیند تو اس کی تب ہی ٹوٹ گئی تھی جب نعمان نے اندر آ کر لائٹ آن کی تھی۔ اب شاید وہ صبح صبح نعمان کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے ہی آنکھیں بند کیے لیٹی تھی اور اس کے اس عمل پہ نا جانے کیوں نعمان کو بہت غصہ آیا۔ لمحے بھر میں اس کے دماغ میں ایک منصوبہ بنا، ویسے بھی ان دنوں تو وہ ہر برا پلان بنانے میں ماہر ہو چکا تھا۔

"کتنے خوش نصیب ہیں محترم جناب ارسلان احمد صاحب دو ماہ ہو چکے ہیں ان کی بیٹی کو گھر سے فرار ہوئے اور کسی کو یہ تک معلوم نہیں کہ مشہور بزنس ٹائیکون ارسلان احمد کی بیٹی عشفا ارسلان دو ماہ سے گھر سے لاپتا ہیں اگر کوئی یہ نیوز اخبار میں چھپوا دے تو وہ تو کچھ ہی وقت میں بہت مشہور ہو جائیں گے ناں۔" شاطر ہنسی ہنستا مزے لے لے کر بولتا خود ہی سے مخاطب تھا جب کے مقصد عشفا کو ہی سنانا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو بھی گیا تھا عشفا ایک جھٹکے سے کمبل ہٹا کر تیزی سے بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"آپ ایسا کچھ بھی نہیں کریں گے نعمان۔" وہ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرنے والے انداز میں مخاطب ہوئی، لہجے میں غصہ اور سختی بھری ہوئی تھی۔ آج وہ بہت دنوں بعد اس سے مخاطب ہوئی تھی ورنہ وہ اس سے بولنا بالکل ہی ترک کر چکی تھی۔

"اور میں ایسا کچھ کیوں نہیں کروں گا اگر اس خبر سے میرے سسر جی مشہور ہو رہے ہیں تو پھر میں ان کی مشہوری کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں آخر ان کی لاڈلی بیٹی کا ڈیئر ہسبینڈ جو ہوں میں۔" وہ شیطانی معصومیت سے بولا۔

"تم ایک گھٹیا انسان ہو نعمان۔"

"یہ کمپلیمنٹ ہے ناں..... تھینک یو سو مچ۔" اسے اب بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

"تم ایسا کیوں کر رہے ہو نعمان؟" وہ بے بسی سے شکستہ لہجے میں بولی۔

"اچھا سوال ہے مگر کیا ہے ناں میرے پاس ابھی اس سوال کا جواب دینے کا بالکل وقت نہیں، میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں لیکن اگر تم چاہتی ہو کہ میں یہ خبر لیک نا کروں تو تمہیں مجھ سے ایک ڈیل کرنی ہوگی۔" اب کے وہ سنجیدگی سے بولا، اس کے انداز میں سختی کی گہری جھلک تھی۔

"کیسی ڈیل؟" وہ ٹھٹکی۔

"تمہیں اپنے پاپا کو کال کر کے بتانا ہوگا کہ تم نے مجھ سے اپنی پسند سے شادی کی ہے اور یہ بھی کہ تم ان سے یا کسی سے بھی کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی اور ساتھ ہی تمہیں اس گھر میں اچھی بیوی کی طرح رہنا ہوگا، مطلب جیسے ایک عورت اپنے گھر میں رہتی ہے ٹھیک اس طرح بہت

برداشت کرلیے تمہارے نخرے۔" وہ ایک ایک بات پہ زور دیتا بولا۔
"میں ایسا کبھی بھی نہیں کروں گی نعمان۔" وہ سنتے ہی انکاری ہوئی اور دوٹوک لہجے میں کہا۔
"اتنی جلدی فیصلہ کرنا عقل مندوں کا شیوا نہیں، تمہارے پاس وقت ہے اچھی طرح رات تک سوچ لو آخر تمہارے پاپا کی عزت کا سوال ہے۔" وہ کمینی ہنسی ہنستا بولا اور آفس کے لیے نکل گیا، وہ دانت پیستی رہ گئی، عشفا کا بس نہیں چل رہا تھا اس کی جان لے لے۔
اس نے ٹیبل پہ رکھا گل دان اٹھایا اور پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا کانچ کے نازک اور بے حد باریک ٹکڑے قالین پہ دور تک پھیل گئے تھے۔ آج عشفا کو اپنا آپ بھی اس ہی گل دان کی طرح ٹوٹا اور بکھرا محسوس ہورہا تھا۔ اسے تو اب خود سے بھی نفرت محسوس ہوتی تھی یہ سوچ کر کہ اس نے نعمان جیسے گھٹیا انسان پہ نا صرف بھروسہ کیا بلکہ محبت جیسا مقدس جذبہ بھی اس انسان سے منسوب کردیا جو شاید محبت کا مطلب تک جانتا نا تھا۔ وہ تو اس قابل بھی نا تھا کہ اس سے نفرت کی جائے۔ ہار کر اس نے بیڈ پہ اوندھے لیٹ کر رونا شروع کردیا کہ اب وہ رونے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی، وہ وقت گزر چکا تھا جب اس کی مرضی چلتی تھی، اب تو وہ ایک قیدی تھی، ایک ایسا قیدی جو سانس بھی اپنے مالک کی مرضی سے لیتا ہے۔ اگر وقت پیچھے کی طرف پلٹ سکتا تو وہ کبھی نعمان کی طرف دیکھنا بھی نہیں پسند کرتی۔ اب اسے پچھتاوے ناگ بن کر ڈستے تھے اور ان کا زہر آہستہ آہستہ اس کا سارا وجود نیلوں نیل کررہا تھا۔

کسے خبر ہے کہ کس کرب سے ہیں گزرے، ہم
کبھی ملو تو کوئی بھی سوال مت کرنا

اس کی محبت ہی اس کی سب سے بڑی آزمائش بن گئی تھی، اس نے ایک غلط شخص سے محبت کی تھی اور یہ اس ہی کی سزا تھی جو اسے مل رہی تھی۔ اس بات کا احساس اسے آج اس وقت شدت سے ہورہا تھا۔ اس وقت جب وہ چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ کھڑی سرمئی بادلوں سے بھرے آسمان پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔ جیسے جیسے مغرب کا وقت ہورہا تھا آسمان گہرا زرد ہوتا جارہا تھا، پرندے ایک قطار میں اڑتے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔
"آخر کیا چاہتا تھا وہ، کیا بگاڑا تھا میں نے اس کا، کیوں ذلیل کررہا تھا وہ اس کی فیملی کو، کون سے گہرے راز دفن تھے اس کی پراسرار شخصیت میں، کیا عشفا کی محبت ہی اس کا جرم بن گئی تھی؟" اسے لگتا تھا جیسے نعمان اسے ذہنی اذیت دے کر اس کی جان لینا چاہتا ہے۔
اللہ کسی کو بھی کبھی دو کشتیوں کا سوار نا بنائے آج کہنے کو تو فیصلے کا اختیار اس کے ہاتھ میں تھا لیکن راستے دونوں ہی دشوار تھے۔ ایک کانٹوں سے بھرا تو دوسرا انگاروں سے۔ ایک راستہ کھائی کی طرف جاتا تھا تو دوسرا آگ کے دریا میں اترتا تھا۔ وہ کرتی تو کیا کرتی۔ خوشیاں روٹھ گئی تھیں اور زندگی عذاب بن چکی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا صبح سے شام ہوگئی تھی تو اب کچھ ہی دیر میں رات کے کالے سائے اپنے پر پھیلانے کو تیار تھے۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہیں، کیا یہ وہ ہی نعمان تھا جس سے عشفا نے محبت کی تھی؟ جو اس کے قدم پڑنے سے پہلے اس کی رکاوٹ دور کردیتا تھا اور آج وہ تھا جو اس کی راہوں میں پرخار اور زہریلی جھاڑیاں اگا رہا تھا، جس کے کانٹوں سے اس کا وجود لہولہان تھا اور جنہیں اپنی راہ سے ہٹانے میں شاید عشفا کی ساری عمر گزر جانی تھی۔
"آہم آہم۔" وہ سوچوں کے وسیع جنگل میں بھٹک رہی تھی اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب نعمان آیا اور شاید نعمان بھی اس کو کھویا کھویا محسوس کرچکا تھا اس لیے اپنی موجودگی سے آگاہ کرنے کے لیے اس نے کھنکارا۔
"تو کیا سوچا ہے تم نے؟" وہ چونک کر اسے خالی خالی نظروں سے تکنے لگی۔
"تو کیا سوچا ہے تم نے؟" وہ اس سے کچھ دور بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اف...... اب اتنی ظالم نظروں سے مت دیکھو مجھے، دل کو کچھ کچھ ہونے لگتا ہے، ویسے اگر جان لینی ہے ان قاتل نظروں سے قتل کر کے تو پہلے بتادو۔" وہ بھرپور انداز میں ہنستا ہوا بولا۔

"شٹ اپ۔" وہ غصے سے چلائی۔

"یو شٹ اپ اور دوبارہ میرے سامنے آہستہ آواز میں بات کرنا، خیر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے اگر انکار ہے تو صاف بتادو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"تم آزاد ہو۔" ہنہہ اس نے تنفر سے سوچا۔

"میں تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔" وہ شکست قبول کرتے بولی۔

"ہمم...... گڈ گرل، سمجھدار ہو کافی۔" وہ کھل کے مسکرایا اور سیل پہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف بیل جارہی تھی اور کچھ لمحات بعد ہی کال بھی ریسیو کرلی گئی۔ عشفا کا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ دھڑکن اتنی تیز تھی کہ لگ رہا تھا ابھی دل سینے سے نکل کر باہر آجائے گا۔ اس نے اس وقت لمحوں کے تھم جانے کی شدت سے دعا کی تھی لیکن ہر لمحہ قبولیت کا تو نہیں ہوتا۔

"السلام علیکم۔" اس نے بڑی ترنگ میں سلام کیا مگر دوسری طرف نا جانے کس نے فون ریسیو کیا تھا کہ اس کی آواز سن کر نعمان کا چہرہ یکلخت زرد ہوگیا تھا۔ عشفا حیرانی سے اس کے چہرے پہ آتے جاتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"مہربانی کرکے آپ میری مسٹر ارسلان سے بات کرا دیں۔" وہ بڑی مشکل سے بول پایا کچھ دیر گزری اور ارسلان احمد لائن پہ آگئے۔

"السلام علیکم ماموں جان میں نعمان رضا صدیقی بات کررہا ہوں، اوہ سوری سوری آپ تو اب میرے پاپا ہوئے ناں، میں آپ کی لاڈلی بیٹی عشفا کا مجازی خدا یعنی اس کا شوہر ہوں اور آپ کا پیارا داماد۔" وہ مسکراتے ہوئے بڑی مشکل سے بولا۔ اب اس کے انداز میں وہ پہلے والی گرم جوشی مفقود تھی اور دوسری طرف ارسلان احمد جو پہلے نعمان کے فون کرنے پر حیران تھے اب دوسری خبر ان کے اوپر بم کی طرح گری تھی۔ انہوں نے جو کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا وہ ہوگیا تھا۔

"لیجیے عشفا سے بات کریں وہ کچھ کہنا چاہتی ہے آپ سے۔" دوسری طرف پھیلی گہری خاموشی محسوس کرکے اس نے فون عشفا کی طرف بڑھایا، وہ کہنا تو اس وقت ارسلان احمد سے بہت کچھ چاہتا تھا مگر اس وقت خود اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

"لو عشفا بات کرو اپنے پاپا سے۔" عشفا نے کانپتے ہاتھوں سے سیل فون تھام لیا تھا۔

"السلام علیکم پاپا کیسے ہیں آپ۔" اس نے خود کو کمپوز کرتے آواز میں بشاشت پیدا کی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، دو ماہ کے عرصے نے دو صدیوں جتنے فاصلے حائل کردیے تھے ان کے درمیاں۔

"میں جانتی ہوں آپ بہت خفا ہیں اپنی عشفا سے، میں نے آپ کا بہت بہت دل دکھایا ہے ناں پاپا مگر پاپا میں نعمان سے بہت محبت کرتی تھی اور مجھے لگتا تھا جیسے میں اس کے بغیر جی ہی نہیں سکوں گی، میں نعمان کے بغیر تو اپنی زندگی کا تصور ہی نہیں کرسکتی تھی، بہت محبت کی ہے میں نے اس سے اور اسفند کے ساتھ زندگی گزارنا، اس کے ساتھ شادی کرنا میرے لیے ممکن ہی نہیں تھا اور آپ کو انکار کرنے کی بھی مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی بس اس لیے میں نعمان......" اس کی بات ادھوری رہ گئی اور کال بند ہوگئی تھی کال بند ہوتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی اور سیل فون پوری طاقت سے سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پہ دے مارا، ایک چھناکے سے آئینہ اور موبائل دونوں ٹوٹ گئے تھے۔

"کون ہو تم نعمان آخر...... کون ہو تم اور کس بات کا ہم سے بدلا لے رہے ہو؟" وہ پوری قوت سے چلائی یوں کہ اس کے گلے میں کانٹے اگ آئے تھے۔ اتنے دنوں بعد پاپا سے بات ہوئی پھر بھی وہ ان کی آواز نہیں سن پائی تھی، انہیں اپنے دل کا حال نہیں سنا سکی، سامنے وہ ظالم شخص

بیٹھا تھا جس کی محبت نے اس کی ساری زندگی برباد کردی تھی، ہر اپنے کو دور کردیا اور ہر خوشی کو آگ لگادی تھی۔

"واہ...... اب کیا ناں پرفیکٹ سوال، کون ہوں میں۔" وہ جو پہلے ہی جلا بیٹھا تھا اس نے اپنے اندر کی جلن عشفا کے اندر بھرنی شروع کردی۔

"میں نعمان رضا ہوں تمہاری ڈیئر پھوپو کا اکلوتا بیٹا، تمہارا ڈیئر کزن، تمہارے پاپا کا پیارا بھانجا۔" وہ کہہ کر وہاں سے نکل گیا اور اس ادھورے جواب نے عشفا کے اندر اور بھی بہت سے سوال بھر دیے تھے جن کا جواب صرف نعمان دے سکتا تھا اور یہ ہی مشکل تھی کیونکہ وہ ایک مغرور، ضدی اور موڈی انسان تھا۔

کمرے میں ملگجا اندھیرا ابھرا ہوا تھا، پردے کھڑکیوں پہ گرے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کمرے میں حبس کی فضا قائم ہوگئی تھی اور ایسے میں ارسلان احمد سر صوفے کی پشت سے ٹکائے نڈھال سے بیٹھے تھے۔ آصفہ ان کی اکلوتی بہن تھیں۔ لاڈلی اور دل کے بے حد قریب۔ اس کی اداسی، اس کی تنہائی، اس کی تکلیف انہیں بھی اپنے دل میں محسوس ہوتی تھی مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آصفہ اسیر محبت تھیں۔ اسیر وفا تھیں، نعمان اور تانیہ ان کی بہن کے بچے تھے اور اس لحاظ سے نعمان اور تانیہ بھی ان کو بے حد عزیز تھے اور نعمان کیونکہ ان کی بہن کی پہلی اولاد تھا اس لیے انہیں ہمیشہ وہ تانیہ سے بھی زیادہ پیارا رہا تھا۔ بہت محبت دی تھی انہوں نے اپنے بھانجے کو مگر پھر رشتے بکھرتے چلے گئے اور وہ دونوں ان سے دور ہوگئے لیکن آج بیس سال بعد انہوں نے اس کی آواز سنی تھی لیکن آج جس نعمان کی انہوں نے آواز سنی یہ وہ نعمان تو نہیں تھا جو اپنی میٹھی زبان میں انہیں ماموں جان کہتا تھا۔ آج جس شخص نے انہیں ماموں جان کہہ کر پکارا تھا اس کا لہجہ تو زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

عشفا ان کی پیاری بیٹی اور نعمان ان کا پیارا بھانجا یہ وہ دو لوگ تھے جن سے انہوں نے سب سے زیادہ پیار کیا تھا اور آج انہوں نے ہی ان کا دل درد سے بھر دیا تھا۔ ان کی محبت کے صلے میں انہیں رسوائی کے ہار پہنا دیئے تھے۔ آج انہیں خود سے زیادہ غریب، کمزور اور تنہا انسان دوسرا کوئی نہیں لگ رہا تھا۔

ہمارے دل میں رہتا ہے بچھڑنے کا الم تازہ
ہواؤں سے کہے دو وہ اکثر یاد آتے ہیں

ان کا کوئی جرم نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ مجرم بنی بیٹھی تھیں۔ بے شک وہ ان سے دور کردیا گیا تھا مگر بیٹا تو نعمان ان ہی کا تھا۔ انہوں نے ہی تو جنم دیا تھا اسے اپنی کوکھ سے، اس گھر کی خوشیوں کا قاتل کوئی اور نہیں ان کا اپنا خون تھا۔ انہیں یقین تھا عشفا بے قصور ہے، یہ سارا قصور نعمان کا ہے، اس نے اپنے انتقام میں یہ قدم اٹھایا تھا۔ یہ اس کے اندر پھیلا سالوں کا زہر تھا۔ انہوں نے عشفا کو پالا تھا اور انہیں اپنی عشفا پہ پورا بھروسہ تھا۔ وہ لڑکی جو رشتوں کے لیے ہنستے ہنستے اپنا آپ قربان کردے وہ کیسے اتنا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔ آج انہیں نعمان کی ماں ہونے پہ بے حد شرمندگی محسوس ہورہی تھی، اس کے باپ کے دیئے زخم کیا کم تھے ان کی زندگی کے لیے جواب اس نے بھی اتنا غلط کام کرکے ان کی زندگی کو عذاب بنادیا تھا۔ وہ بے آواز رو رہی تھیں۔

زقا احمد اور اکرم صدیقی کا تعلق سندھ کے شہر نواب شاہ کے ایک گاؤں سے تھا۔ دونوں ہی گاؤں کے بڑے زمیندار تھے اور ساتھ ہی بے حد گہرے دوست بھی۔ زقا احمد کے تین بچے تھے ایک بیٹا ارسلان جو ملک سے باہر اعلیٰ تعلیم کی غرض سے گیا ہوا تھا اس کے بعد شہباز تھا اور پھر سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی آصفہ تھی جب کے اکرم صدیقی کے دو ہی بچے تھے۔ بڑا بیٹا رضا صدیقی اور چھوٹی بیٹی نازنین صدیقی گھر کے بچوں میں بہت گہری دوستی تھی اور اس دوستی اور محبت کے رشتے کو مزید مضبوط کرنے کے لیے دونوں گھرانوں کے بڑوں نے بے حد خوب صورت

فیصلہ کیا تھا۔ اپنی دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کا فیصلہ اکرم صدیقی نے اپنے اکلوتے اور بے حد لاڈلے بیٹے رضا صدیقی کے لیے زقا احمد کی اکلوتی بیٹی کا رشتہ مانگ لیا تھا اور زقا احمد نے نا صرف اپنی لاڈلی اور نازوں پلی بیٹی کا ہاتھ رضا کے ہاتھ میں دے دیا بلکہ ساتھ ہی انہوں نے اپنے بیٹے ارسلان احمد کے لیے رضا کی چھوٹی اور بے حد پیاری بہن نازنین کا رشتہ مانگ لیا اور اس طرح دونوں گھرانوں میں تعلق مزید مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ خوشیاں بھی دوبالا ہوگئی تھیں۔

ارسلان احمد ان دنوں پاکستان سے باہر تھے لیکن پھر بھی انہوں نے ماں باپ کے فیصلے پہ دل و جان سے سر جھکا دیا تھا، انہیں اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں تھا۔ دونوں گھرانوں میں بہت محبت تھی اور نازنین اور آصفہ میں بھی گہری دوستی تھی۔ دونوں تقریباً ہم عمر تھیں اور بچپن سے جوانی تک کا سفر ساتھ طے کیا تھا۔ اس رشتے پہ اگر سب سے زیادہ کوئی خوش تھا تو وہ رضا تھے انہیں آصفہ سے محبت تھی یہ تو خیر وہ بھی نہیں جانتے تھے مگر اتنا جانتے تھے کہ آصفہ ان کے دل کی پہلی اور آخری تمنا تھیں، آصفہ کی گہری جھیل سی آنکھوں میں بھی رضا کے حوالے سے ڈھیروں خواب چھپے تھے جنہیں لانبی مڑی ہوئی گہری پلکوں کی جھالر نے کبھی کسی دوسرے تک پہنچنے نہیں دیا تھا۔ اس کی پلکیں محافظ تھیں ان کی آنکھوں میں بسے خوابوں کی۔

آصفہ کے چھوٹے بھائی شہباز احمد جو کہ بچپن ہی سے اپنی خالا زاد نائمہ سے منسوب تھے وہ بھی بہن کے نصیب پہ خوش تھے۔ کیونکہ وہ رضا کی آنکھوں میں آصفہ کے لیے محبت کے رنگ دیکھ چکے تھے۔ دونوں بہن بھائیوں میں صرف ایک سال کا فرق تھا اور اس کے علاوہ محبت بھی بہت تھی دونوں میں رضا ہر لحاظ سے آصفہ کے لیے بہترین انسان تھے اور ان دنوں وہ اپنی ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور میں مقیم تھے۔ رشتہ طے ہوتے ہی شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ ارسلان احمد کیونکہ ابھی اپنی تعلیم مکمل کر رہے تھے اور شادی کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے سب کی باہمی رضامندی سے رضا اور آصفہ کی شادی کی تاریخ دے دی گئی تھی اور ساتھ ہی شہباز احمد کی شادی کی تیاریاں بھی شروع کردی گئی تھیں۔

"خالا آصفہ کہاں ہے؟" آج نازو بہت دنوں بعد اس سے ملنے آئی تھی رشتہ طے ہونے کے بعد سے اس نے یہاں آنا تقریباً ختم ہی کردیا تھا۔ اب بھی وہ شرماتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ارے نازو بیٹا وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں آؤ ناں اندر میرے پاس۔" انہوں نے دروازے پہ کھڑی نازو کو محبت سے اپنے پاس بلایا۔

"بیٹا نازو تم نے تو بڑے دنوں بعد چکر لگایا سب خیریت تھی؟" وہ اپنے ازلی پرشفیق لہجے میں بولیں۔

"جی خالہ جی سب خیریت تو ہے مگر وہ اماں جی کہتی ہیں کہ اب اس گھر سے تمہارا دوہرا رشتہ جڑ چکا اب یوں منہ اٹھائے جانا ٹھیک نہیں اور آج بھی انہوں نے بڑی مشکل سے ہی اجازت دی یہاں آنے کی۔" وہ معصومیت سے بولی تھی۔

"ارے بیٹا تمہاری اماں سے تو میں خود بات کرلوں گی تم آتی جاتی رہا کرو تمہارا ہی گھر ہے اور تم تو پھر میری بیٹی ہو اور بیٹیوں کو گھر آنے سے بھی کوئی روکتا بھلا۔" وہ محبت کا سمندر تھیں اور سب ان سے فیض یاب ہوتے تھے اور یہ تو پھر ان کی ہونے والی بہو تھی۔

"اچھا خالہ اب میں ذرا آصفہ سے مل لوں سچ بڑی یاد آرہی تھی اس کی۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں مل لو وہیں ہوگی اپنے کمرے میں یا پھر باغ میں بیٹھی جھولا جھول رہی ہوگی۔" اماں نے اجازت دی اور پھر سے تسبیح پڑھنے لگیں۔

"اچھا تو جناب ہونے والی بھابی صاحبہ جھولے جھول رہی ہیں۔" وہ چٹیا ہلاتی باغ میں چلی آئی تھی۔

موسم بے حد خوب صورت ہو رہا تھا۔ بادلوں سے

آسمان ڈھکا ہوا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اس لیے آصفہ اپنے لیے پکوڑے اور پودینے کی چٹنی بنا کر باغ میں چلی آئی تھی اور اب مزے سے چٹنی کے ساتھ پکوڑے کھاتے ہوئے جھولا جھول رہی تھی۔

"بکو مت ابھی کوئی بھابی نہیں ہے یہاں تمہاری۔" اس نے شرم کو غصے میں چھپایا۔

"یہاں بیٹھی چھپ چھپ کر پکوڑے کھا رہی ہو۔" اس نے پکوڑے کی پلیٹ سے ایک ساتھ تین پکوڑے اٹھائے۔

"ویسے کوئی دیکھے تو دیکھتا ہی رہ جائے شادی کی خوشی نے تو محترمہ کا چہرہ دو سو والٹ کے بلب سے بھی زیادہ روشن کردیا ہے۔" نازنین چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"اب اگر تم نے اس طرح کی ایک بھی بات کی ناں تو یاد رکھو یہ مزیدار پکوڑوں سے تم محروم ہو جاؤ گی۔" اس نے پلیٹ کو اپنے قبضے میں لے کر نازنین کو دھمکایا۔

"گھر آئے مہمان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتا ہے ایک تو اتنی مشکل سے اماں سے اجازت لے کر آئی ہوں مگر تمہیں تو کوئی قدر ہی نہیں۔" آہ بھرتے بولی۔

"اچھا بس بس۔" نازی بھی ہنسی۔

"لو کھالو بلکہ ٹھونس لو سارے پکوڑے شکل تو ایسے بنائی ہوئی ہے کہ جیسے ناجانے کتنے ظلم کردیے میں نے تم پہ۔" اس نے پکوڑوں کی پلیٹ نازنین کو تھمائی تو وہ ہنس دی۔

"ویسے ایک خوب صورت اور بے حد خاص خبر تمہارے لیے بھی ہے جناب۔" وہ شرارت سے بولی۔

"اچھا کیا؟" وہ پکوڑوں کو بھول کر دھڑکتے دل سے بولی۔

"کیوں بتاؤں۔" اب آصفہ کو بھی شرارت سوجی تھی۔

"بتاؤ ناں آصفہ پلیز۔" اس نے اصرار کیا۔

"خبر یہ ہے کہ اگلے ہفتے شادی میں شرکت کے لیے تمہارے سجنا بھی گاؤں آرہے ہیں یعنی میرے بھیا ارسلان احمد۔" اس نے شرارت سے نازی کے کان میں کہا اور اس کے دل کی دھڑکن یک دم تیز ہوگئی اور دوسرے ہی لمحے وہ پکوڑے وہیں رکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا پکوڑے نہیں کھانے؟" وہ شرارتی انداز میں معصومیت سے بولی تھی۔

"تم ہی کھالو اب یہ پکوڑے بدتمیز۔" وہ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے بنا رکے بولی اور اس کے انداز پر آصفہ دھیمے سے مسکرادی تھی۔

وہ بہار کی ایک ڈھلتی شام تھی جب آصفہ ہمیشہ کے لیے۔ باپ کی دہلیز سے رخصت ہو کر آنکھوں میں نئے خواب سجائے رضا صدیقی کی ہمراہی میں ان کی دلہن بن کر صدیقی ہاؤس چلی آئی تھیں۔ وہ سرخ جوڑے میں گلاب کی کلی لگ رہی تھیں، شرمائی لجائی سی آصفہ کا چہرہ جو اس وقت شرم سے سرخ ہو رہا تھا رضا صدیقی کی نگاہوں کے حصار میں تھا اور وہ کتنی ہی دیر تک ان کے معصوم چہرے پہ آتے جاتے رنگوں کو دیکھتے رہے تھے۔

"آصفہ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری عورت ہو اس دل کا دروازہ بس تمہارے ہی لیے کھلا تھا اور اب تمہارے بعد یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے، اب تمہاری محبت ہمیشہ کے لیے اس میں قید ہو چکی اور میری محبت اور میرے تمام تر جذبوں کی تم ہی امین ہو، میں ان شاء اللہ تمہارا ساتھ ساری زندگی نبھاؤں گا، تم ہر پل، ہر لمحہ، ہر قدم پہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گی۔" انہوں نے اس کے ہاتھ میں نازک سی ڈائمنڈ رنگ پہنا کر اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور آصفہ محبت کے اس والہانہ اظہار پہ اپنی خوش بختی پہ نہال ہی ہوگئی تھیں۔

ان دنوں ان کی زندگی خوشیوں کا مسکن بنی ہوئی تھی رضا ایک بہت اچھے ہمسفر ثابت ہوئے تھے۔ ان کا مزاج بے حد نرم تھا وہ کبھی آصفہ پہ غصہ ہوئے اور نا ہی اسے ڈانٹا بلکہ انہیں اس گھر میں سب ہی بے حد پیار کرتے تھے اور بہت خیال بھی رکھتے تھے۔ نازنین تو اپنی جان سے پیاری بھابی اور سہیلی کے ناز اٹھاتے نا تھکتی تھیں۔ قدرت بھی تب بہت مہربان تھی۔ اللہ نے اس کی زندگی میں بہار کا ایک اور

جھونکا نعمان کی صورت میں ان کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ اولاد وہ نعمت ہوتی ہے جس کے ملتے ہی عورت کے قدم اپنے سسرال میں مضبوط ہو جاتے ہیں وہ نعمان کو پا کر پھولے نہیں سمارہی تھیں۔ سارا سارا دن اس ننھی جان سے ڈھیروں باتیں کرتیں، خوب خیال رکھتیں، پیار کرتیں، وہ ڈیڑھ سال کا ہوا تو ان کی زندگی میں اللہ نے اپنی رحمت تانیہ کی صورت میں اتار دی تھی۔ اب ان کی فیملی مکمل تھی وہ جتنا شکر کرتیں مالک کا کم تھا ان دنوں وہ لوگ لاہور میں رہائش پزیر تھے۔ رضا نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا ان کی محبت وقت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی تھی، وہ ہر قدم پہ آصفہ کے ساتھ تھے اس کی فکر کرتے، خیال کرتے، گھر کے کاموں تک میں ہاتھ بٹاتے۔ وہ بلاشبہ ایک بہترین شوہر تھے، آصفہ کو کتابیں پڑھنے کا بے حد شوق تھا اور اس شوق کو سراہتے ہوئے انہوں نے اپنی حویلی میں ایک شاندار لائبریری بنالی تھی جس میں انہوں نے آصفہ کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر بہترین کتاب کا انتخاب رکھا تھا۔

ان کی شادی کو تین سال کا عرصہ گزر چکا تھا نعمان دو سال کا جبکہ تانیہ چھ ماہ کی ہوگئی تھی جب ایک شام ان کی زندگی میں غم کا پہلا پتا گرا تھا، آصفہ کی پرشفیق ماں اچانک ہی وفات پا گئی تھیں، ان کی بے حد پیاری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہیں یہ خبر آصفہ پہ یوں ٹوٹی جیسے کوئی پہاڑ۔ وہ لوگ اس ہی شام گاؤں کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ آصفہ بیگم کا تو یہ دکھ ہی پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا کہ ان کی بے حد پیاری ماں کے آخری لمحوں میں وہ ان کے ساتھ نہیں تھیں۔

وہ لوگ اماں کے چالیسویں کے بعد واپس لاہور آگئے تھے۔ ارسلان احمد بھی اپنی تعلیم مکمل کر کے مستقل طور پر گاؤں آچکے تھے۔

❁ ❁ ❁

اور یہ سچ ہے کہ غم کے لمحات لاکھ مشکل اور تکلیف دہ کیوں نا ہوں آہستہ ہی سہی مگر گزر جاتے ہیں، وقت کون سا کسی کے لیے کبھی ٹھہرا ہے اس کا تو کام ہی ہے گزرنا پھر چاہے کیسے بھی گزرے گزر جاتا ہے، اماں کے انتقال کو بھی ایک سال گزر گیا تھا۔ زندگیاں دوبارہ معمول پہ آچکی تھیں اور تب ایک سلونی شام ابا کا فون آیا تھا آصفہ کو انہوں نے بتایا کہ بہت جلد وہ ارسلان کی شادی کی تاریخ بھی دینے والے ہیں ایک بار پھر خوشیوں کی شہنائی بجی بازاروں کے چکر لگنے لگے خوشیاں ہی خوشیاں بکھر گئی تھیں۔

وہ لوگ واپس گاؤں آگئے تھے اس دوران شہباز بھائی کے گھر بھی تین پیارے پیارے بچے ہو چکے تھے۔ عفان تو تقریباً نعمان کا ہی ہم عمر تھا یا شاید اس سے چند مہینے بڑا تھا، جب کہ اسفند اور اریج تانیہ کے ہم عمر تھے۔ شادی کی تیاریاں زور و شور پر تھیں دونوں گھرانے ہی بے حد خوش تھے۔ نازنین بھی بہت خوش تھی۔ شادی کا دن بھی آگیا تھا ارسلان احمد دلہا بنے بے حد پیارے لگ رہے تھے۔ نائمہ بھابی نے انہیں کاجل لگا کر نیگ لیا تھا۔ برأت صدیقی ہاؤس بڑی شان سے پہنچی تھی اور اس ہی شان سے نازنین کو رخصت کرا کر لوٹ آئی تھی۔ آصفہ بہترین سہیلی اور بہنوں جیسی نند کو بھابی کے روپ میں دیکھ کر بے حد خوش تھیں مگر تب کوئی نہیں جانتا تھا کہ کتنی بڑی آزمائش ان کی منتظر ہے۔

❁ ❁ ❁

ارسلان احمد کا انداز سنجیدہ تھا جبکہ نازنین شوخ و شنگ لڑکی تھی، ہزاروں رنگ برنگے خواب اس کی آنکھوں میں سجے تھے۔ اس نے اتنے سال ارسلان احمد کے حوالے سے ڈھیروں خواب دیکھے تھے اور پھر اس نے اپنے بھائی بھابی کے درمیاں بھی محبت دیکھی تھی، جس طرح رضا آصفہ کا خیال رکھتے، محبت کا اظہار کرتے، وہ سب دیکھ کر نازنین نے سوچا تھا ارسلان بھی اس سے ایسے ہی محبت جتائیں گے مگر یہاں پہ وہ غلط تھیں، ان کے سارے سپنے مٹی میں ملتے چلے گئے۔ ارسلان طبیعتاً خاموش اور سنجیدہ تھے۔ وہ نازنین کی باتیں تو سنتے مگر خود کم بولتے، انہیں کتابیں پڑھنا اچھا لگتا اور نازنین کتابوں سے چڑتی، ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کا خیال نہیں رکھتے تھے یا محبت نہیں

کرتے تھے وہ بہت خیال بھی رکھتے ان کا اور محبت بھی کرتے مگر ان کے انداز رضا سے یکسر مختلف تھے اور یہاں اختلافات بدگمانیوں اور شکایات نے جنم لیا۔ نازنین جلد ہی شوہر سے ہر امید ختم کر بیٹھیں اور ساتھ ہی انہیں اپنی بھابی آصفہ سے حسد محسوس ہونے لگا۔ وہ ارسلان احمد کی بہن تھیں اور ارسلان احمد انہیں محبت نہیں دے رہے تو رضا بھائی آصفہ کو محبت کیوں دے رہے ہیں؟ اس ہی طرح کی اور بھی بہت سی منفی سوچیں ان کے دل میں جنم لینے لگیں اور کچھ انہیں شہباز اور نائمہ کے درمیاں اتنی گہری محبت کے رنگ بھی کھٹکنے لگے، انہیں سب خوش دکھائی دیتے مگر وہ خود خوش نہیں تھیں، انہیں دوسروں کی خوشی کھٹکنے لگی اور اس طرح ان کا مزاج چڑچڑا ہوتا چلا گیا، وہ بات بے بات نائمہ بھابی سے بدتمیزی کرنے لگیں ان کا رویہ دیکھ کر شہباز احمد اپنی فیملی کے ساتھ کراچی شفٹ ہوگئے۔

بہو کی بدتمیزیاں اور جھگڑے دیکھ کر زرقا احمد بھی اندر ہی اندر ٹوٹتے گئے اس سے پہلے کے کوئی بری خبر انہیں ملتی وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے تھے۔

***

بابا جان ایک رات خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں۔ یہ خبر سن کر آصفہ کو تو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سر سے چھت چھین لی ہو اور وہ بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہوں بے بس اور بالکل تنہا محبت اور شفقت بھرا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا تھا۔ دعاؤں سے نوازنے اور دعاؤں میں یاد رکھنے والے دو ہاتھ اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ نقصان بہت بڑا تھا سنبھالنے نہیں سنبھلتا تھا اور پھر ارسلان احمد نے بہن کے سر پہ ہاتھ رکھ کر یقین دلایا تھا کہ وہ کبھی انہیں ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے اور ہر پل ان کا خیال رکھیں گے۔

***

آصفہ بیگم ایک بار پھر گاؤں شفٹ ہوگئی تھیں۔ رضا کا کہنا تھا اماں ابا اب بالکل اکیلے رہ گئے ہیں اور انہیں اب تمہارے سہارے کی ضرورت ہے اور آصفہ تھیں ہی ایک تابعدار شریک حیات، شوہر کی ہر بات پر سر جھکانے والی، آصفہ نے یہ بات بھی بنا چوں چرا کے مان لی تھی۔

گاؤں میں رہنے کے بعد آصفہ بیگم کو اندازہ ہوا کہ جتنا وقت گزرا ہے رشتے بدلے ہیں اتنے ہی لوگ بھی بدل گئے ہیں۔ وہ جب بھائی بھابی سے ملنے آتیں نازنین بیگم خود کو کمرے میں بند کر لیتیں ان کو دیکھ کر الٹے سیدھے منہ بناتیں ارسلان احمد کا محبت بھرا رویہ تو انہیں بالکل ہی برداشت نہ ہوتا وہ اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہتیں لیکن آصفہ بیگم نے ان کے رویے کو ان کی حالت کے پیش نظر نظر انداز کر دیا۔ ان دنوں نازنین تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں اور آصفہ بیگم اپنی بھابی کے ناز اٹھاتے نا تھکتیں۔

وہ ایک بے حد سادہ اور خالص لڑکی تھیں، نازو سے ان کی محبت آج بھی اتنی ہی بے لوث تھی ان کی محبت پہ وقت نے بھی اثر نہیں ڈالا تھا۔

***

وہ بہار کی بے حد خوب صورت شام تھی جب نازنین نے ایک بے حد پیاری گوری گلابی بچی کو جنم دیا تھا۔ ارسلان احمد تو خوشی سے نہال ہوگئے تھے، بیٹی کو پا کر خود کو خوش نصیب سمجھنے لگے تھے، اس کے ناز اٹھاتے نا تھکتے، اپنی ننھی پری کا نام انہوں نے عشفا رکھا تھا اور اس کے پیدا ہونے کی خوشی میں دیسی گھی کی بنی مزیدار مٹھائی پورے گاؤں میں بٹوائی تھی۔ وہ اسے ہر وقت گود میں لیے لیے پھرتے۔ نعمان پانچ سال کا ہوگیا تھا اور تانیہ ساڑھے تین سال کی اسفند اور اریج بھی تین سال کے ہو چکے تھے۔ عشفا کی پیدائش پہ شہباز بھائی پوری فیملی کے ساتھ آئے تھے عشفا کو گود میں لینے پہ نعمان اور اسفند میں اکثر جھگڑا ہوتا۔ نعمان کہتا کہ وہ بڑا ہے اس لیے عشفا کے ساتھ وہ کھیلے گا اس کا عشفا پہ زیادہ حق ہے جب کہ اسفند کہتا کہ ہم لوگ کچھ دن کے لیے یہاں آئے ہیں اس لیے میں عشفا کے ساتھ کھیلوں گا میرا زیادہ حق ہے۔ اریج تو پاس بیٹھے اسے دیکھتی رہتی جب کے عفان اور تانیہ سب سے الگ

اور سنجیدہ طبیعت کے تھے وہ چھوٹی بے بی کو بس دور سے ہی حیران نظروں سے دیکھتے رہتے۔

ان چھوٹی موٹی لڑائیوں کے برعکس سب میں بہت دوستی بھی تھی، سب آپس میں کھیلتے نعمان اور تانیہ انہیں پورے گاؤں کی سیر کراتے، وہ سب ہی حساس بچے تھے اور ان کی پرورش بہترین خطوط پہ ہوئی تھی۔ چھٹیاں ختم ہوئیں اور شہباز بھائی اپنی فیملی کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔ نازنین کی پیشانی کے بلوں میں کمی آئی اور گھر میں پرسکون خاموشی پھیل گئی تھی۔

وہ اتوار کا دن تھا۔ آج کافی دنوں بعد آصفہ بیگم نعمان اور تانیہ کے ساتھ بھائی کے گھر آئی تھیں ورنہ تو نازنین کے اکھڑ مزاج کے سبب انہوں نے آنا جانا بے حد کم کر دیا تھا۔ عشفا دو مہینے کی ہو چکی تھی۔ وہ کاٹ میں لیٹی اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیر ہلا کر کھیل رہی تھی جبکہ نازنین دوسرے کمرے میں تھیں۔ آصفہ اور ارسلان احمد دونوں صحن میں بچھے اماں کے تخت پہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بچے تھوڑی دیر تو مؤدب بنے ماں کے پاس چپ چاپ بیٹھے رہے لیکن جب ماں کو ماموں سے باتوں میں مصروف دیکھا تو چپکے سے نظر بچا کر عشفا سے ملنے پہنچ گئے۔ عشفا کو جھولے میں لیٹا دیکھ کچھ دیر تک تو وہ دونوں محبت سے دیکھتے رہے اور پھر نعمان کو اس پہ اتنا پیار آیا کہ اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھالیا۔

وہ اسے لے کر باہر ہی آ رہا تھا کہ پتہ نہیں کیسے اس کا پیر مڑا اور وہ عشفا کے ساتھ ہی نیچے بچھے میٹرس پہ گر گیا۔ عشفا کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی مگر وہ معصوم بچی خوف زدہ ہو کر رونے لگی تھی اور اس کی آواز سن کر نازنین، آصفہ اور ارسلان احمد ایک ساتھ دوڑے چلے آئے تھے اور نازنین تو وہ منظر دیکھ کر غصے سے بے حال ہو گئی تھیں ان کے کئی دنوں کا دبا غصہ اس لمحے ابل پڑا تھا۔ وہ طیش سے آگے بڑھیں اور نعمان اور تانیہ دونوں کو تھپڑ لگائے۔ اتنی زور سے تھپڑ لگنے سے دونوں کے سفید پھولے گال سرخ ہو گئے تھے، باقاعدہ نازنین کے ہاتھ کی انگلیاں ان دونوں کے معصوم رخساروں پہ چھپ گئی تھیں۔ حیرت اتنی شدید تھی کہ وہ دونوں رو بھی نہیں سکے تھے بس معصومیت سے ممانی کو لڑتا دیکھ رہے تھے جو ان کی ماما کو جلی کٹی سنا رہی تھیں۔

''آصفہ اگر تمہیں آنا ہے تو آؤ مگر آئندہ اپنے جاہل بچوں کو گھر چھوڑ کر آیا کرو تم نے تو انہیں یہ بھی نہیں سکھایا کہ کسی کے کمرے میں اجازت لے کر آتے ہیں۔'' وہ تیز تیز ہاتھ ہلاتی جاہل عورتوں کی طرح چیخ چیخ کر بول رہی تھیں اور آصفہ بیگم حیرانی سے انہیں دیکھتی یہ تک نا بول سکیں کہ یہ ان ہی کا کمرہ ہوتا تھا، کیا شادی ہو جائے تو ماں باپ کے گھر سے بالکل ہی بیٹی کا حق ختم ہو جاتا ہے، آج انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ اگر پھوپو ممانی بن جائے تو دونوں رشتے ہی تباہ ہو جاتے ہیں۔ وٹے سٹے کی شادیاں زندگی سے سکون اور خوشیاں دونوں ختم کر دیتی ہیں۔ وہ غصے سے چراغ پا ہو رہی تھیں ان کی زبان مسلسل قینچی کی طرح چل رہی تھی اور آصفہ بیگم حیرت سے اپنی عزیز ترین سہیلی کے ایسے تیور دیکھ رہی تھیں۔ آنسو خاموشی سے ان کے گالوں پہ بہہ رہے تھے اور بچے سہم کر ماں سے چمٹ گئے تھے۔

''بس بہت ہو گیا، بہت سن چکا میں تمہاری گفتگو نازنین، تم ہوتی کون ہو میری بہن کو باتیں سنانے والی۔'' ارسلان احمد جو کب سے خاموش کھڑے سارا تماشا دیکھ رہے تھے گرج کر بولے۔ انہوں نے تانیہ کو اٹھا کر گود میں لیا اور نعمان کو بھی اپنے قریب کیا۔

''ارے جاہل تو تم خود ہو نازنین جسے یہ تک نہیں معلوم کہ بچوں کے ساتھ کیسے پیش آتے ہیں، تم نے آج تو میرے بھانجا بھانجی پر ہاتھ اٹھایا مگر دوبارہ ایسی غلطی کرنے کا سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، اس گھر پہ جتنا تمہارا حق ہے اتنا ہی میری بہن کا بھی حق ہے، تم ہوتی کون ہو اسے آنے سے روکنے والی؟'' وہ بولتے چلے گئے اور بے چاری آصفہ بیگم تو اپنا رونا بھول کر حیرت سے ان کو لڑتا دیکھ رہی تھی۔ وہ بے حد خوف زدہ ہو گئی تھیں اور ساتھ ہی دل ہی دل میں ارادہ کر چکی تھی کہ بھائی کے سامنے کبھی

نہیں روئیں گی۔ اسے بھائی کا گھر خراب نہیں کرنا تھا جب کہ دوسری طرف نازنین بیگم کو بھی عقل آچکی تھی اور انہوں نے سوچ لیا تھا کہ دوبارہ شوہر کے سامنے نند کو کچھ نہیں کہیں گی۔

آصفہ نے بھائی کے گھر آنا جانا بہت کم کر دیا تھا رضا بھی پندرہ دن میں ایک بار آتے اور وہ بھی بس ایک دن کے لیے۔ زندگی بے کیف سی ہوگئی تھی اور اس اداس زندگی میں خوشیوں کا جھونکا تب آیا جب ایک بار پھر شہباز بھائی پوری فیملی کے ساتھ گاؤں آئے وہ ان کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوئیں اور جلدی جلدی نعمان اور تانیہ کو تیار کر کے اماں ابا کی اجازت سے ان سے ملنے چلی آئیں۔ صحن میں اماں کے تخت پہ ہی شہباز بھائی اور ارسلان بھائی بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب کہ گھر کی خواتین اور بچے اندر کمرے میں تھے۔ اب کیوں کہ نائمہ بھابی شہر چلی گئی تھیں اس لیے نازنین کو وہ لوگ اتنے برے نہیں لگتے تھے۔ وہ سیدھی بھائیوں کے پاس آئیں اور سلام کیا، بھائیوں نے دعا دیتے ہوئے ان کے سر پہ ہاتھ رکھا کچھ دیر اس کی خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد ارسلان بھائی نے اس سے بے حد اہم سوال کیا تھا۔

''آصفہ بابا جان کی جائیداد میں جو تمہارا حصہ بنتا ہے وہ تم زمینوں کی صورت لینا چاہتی ہو یا پھر پیسوں کی صورت میں؟''

''کیا مطلب......؟'' ایک سیکنڈ تو اسے ان کی بات سمجھ ہی نہیں آئی تھی ان کے خاندان میں تو بیٹی کو جائیداد میں سے حصہ دینے کا رواج ہی نہیں تھا۔

''بھائی جان میرے لیے تو آپ دونوں کی محبت ہی سب سے بڑی دولت ہے میرے لیے تو بس یہ ہی کافی ہے اور اس کے علاوہ مجھے کسی پیسے اور جائیداد کی خواہش نہیں، مجھے نا پیسے کی شکل میں حصہ چاہیے اور نا ہی زمینوں کی شکل میں، میں اپنا حصہ آپ کے نام کر کے اپنے حق سے دستبردار ہوتی ہوں۔'' وہ محبت سے بولی تھی۔

''آصفہ چندا یہ فیصلے جلد بازی میں نہیں کرتے تم ایک بار پھر سوچ لو۔'' ارسلان بھائی اور شہباز بھائی دونوں نے ہی اسے سمجھایا تھا۔

''جی بھائی میں سوچ چکی ہوں، مجھے کسی دولت کی خواہش نہیں میرا فیصلہ جو آج ہے وہ ہی ہمیشہ ہوگا۔'' وہ مستحکم انداز میں بولی تھیں، اس بات سے بے خبر کہ ان تینوں کی باتیں سنتی نازنین کے دل میں کیسے طوفان اٹھ رہے تھے۔ نازنین نے تو فوراً گھر فون کر کے یہ خبر سنائی اور آصفہ بیگم کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی ایک قیامت خیز ہنگامہ ان کا منتظر تھا۔

آصفہ جب گھر میں داخل ہوئیں تو اماں اور ابا دونوں کے ہی چہروں پہ ناراضگی رقم تھی اور آصفہ جو ان دونوں کو کچھ دیر پہلے خوش باش چھوڑ کر گئی تھیں ان کے یوں غصے سے پھولے چہرے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔ وہ بچوں کو کمرے میں چھوڑ کر جب باورچی خانے میں جا رہی تھیں تو اماں کی گونج دار آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''سنا ہے باپ کی جائیداد میں اپنا حصہ تم بھائیوں کے نام کر آئی ہو؟'' وہ کاٹ دار آواز میں بولیں اور وہ حیران حیران سی ان کا یہ انداز دیکھتی رہ گئی تھیں۔ آج تک انہوں نے اس سے اس طرح بات نہیں کی تھی۔

''جی بھائی تو دے رہے تھے ابا کے ترکے میں سے میرا حصہ مگر میں نے ہی انکار کر دیا، مجھے دولت نہیں رشتے عزیز ہیں اماں۔'' وہ رسانیت سے گویا ہوئیں۔

''ایسے کیسے انکار کر دیا، تمہارے حصے پہ ہمارا بھی حق تھا، تم نے ایسے کیسے بنا مشورے کے انکار کر دیا بی بی۔'' اماں تنک کر بولیں۔ وہ اپنی اتنی ذاتی بات پہ ان کا غصہ کچھ سمجھ نہیں سکی تھیں۔ وہ ان سے نہیں پوچھ سکیں کہ میرے باپ دادا کی جائیداد میں آپ لوگوں کا کون سا حصہ، کون سا حق آ گیا۔ وہ بس ان کے تیور دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

''اماں جان آپ خود سوچیں ہماری تو خود اتنی زمینیں اتنی جائیداد ہے، ہم کیا کریں گے اتنا چھوٹا سا حصہ لے

کر۔" وہ ان کے پاس پیڑھی کھینچ کر بیٹھنے لگی کہ انہوں نے غصے سے اسے پرے دھکیل دیا تھا۔

زندگی کی اصل حقیقت آصفہ بیگم پہ گویا اب آ کر کھلی تھی اب تک تو انہیں سب سبز ہی نظر آیا تھا دوسرے رنگ تو اب نظر آنے لگے تھے وہ ٹھنڈی چھاؤں سے یکا یک کڑی دھوپ میں آ کھڑی ہوئی تھیں اب نا کوئی سایہ دار درخت تھا یہاں نا کوئی ہمدرد۔

ارسلان بھائی اپنی فیملی کے ساتھ کراچی شفٹ ہو رہے تھے، انہوں نے وہیں اپنا بزنس اسٹیبلش کر لیا تھا جو زمینیں ان کی نواب شاہ کے اس چھوٹے سے گاؤں میں تھیں وہ سب ارسلان احمد اچھے داموں فروخت کر چکے تھے اب کچھ ہی دن رہ گئے تھے انہیں کراچی شفٹ ہونے میں شہباز بھائی نے پہلے ہی وہاں اپنی نگرانی میں ان کے لیے ایک شاندار بنگلہ بنوا لیا تھا۔

آصفہ کا سسرال میں برا حال تھا گھر والوں کے رویے بے حد خراب تر ہو گئے تھے اور رضا انہیں بھی اماں نے اپنا حامی بنا لیا تھا، وہ بھی آصفہ سے زمینوں والے معاملے پہ سخت ناراض تھے، پچھلے دنوں دن رات ان پہ دباؤ دیا گیا کہ وہ اپنے ابا کے ترکے میں سے اپنا حصہ مانگے لیکن آصفہ بیگم بہت خوددار تھیں۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، ایک بار کسی کو کچھ دینے کے بعد واپس مانگنے کو بے حد برا مانتی تھیں اور اب تو ارسلان احمد وہ سب بیچ بھی چکے تھے۔

رضا جس نے ہر دھوپ چھاؤں میں ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اس موڑ پہ آ کر ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور بنا ان کی پروا کیے واپس لاہور چلے گئے تھے اور تو اور اماں نے بچوں کو بھی نہیں چھوڑا وہ دن رات ان کا ذہن ان کے ماموں کے خلاف کرتی رہتیں، بچوں کو الٹی سیدھی باتیں بتاتیں اور آصفہ بیگم بے بسی سے تماشہ دیکھتی رہ جاتیں اور تب پہلی بار آصفہ بیگم کو احساس ہوا تھا کہ مرد محبت تو کرتا ہے لیکن اس کی محبت ہرگز بھی اتنی طاقت ور نہیں ہوتی کہ کڑا وقت آنے پہ آپ کا ساتھ نبھا سکے، عورت جو کہ اپنے شوہر کی ہر پریشانی کو اپنا سمجھتی ہے اور اس کے ساتھ کھڑی رہتی ہے، ہر مشکل قدم پہ لیکن مرد ایسا نہیں کرتا عورت کو اپنے اوپر پڑنے والی مصیبتوں کا اکیلے ہی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے اب انہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ نازوں میں پلی تھیں، اماں ابا نے انہیں شہزادیوں کی طرح رکھا تھا لیکن اب ان کی حالت نوکرانیوں سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ ظلم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جب گندم کی کٹائی ہونے لگی تو اماں نے گاؤں کے دیگر غریب مزاروں کی عورتوں کے ساتھ آصفہ بیگم کو بھی گندم کی کٹائی پہ لگا دیا وہ ہاتھ جو بے حد نازک تھے اب درانتی سے گندم کی سنہری بالیاں کاٹتے اور پھر اس کا چھوٹا چھوٹا ڈھیر بنائے جاتے انہیں اپنے نصیب پر شدت سے رونا آتا مگر پھر بھی انہوں نے کبھی بھائی سے شکایت نہیں کی وہ جانتی تھی کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس سے نازنین کا بھی گھر خراب ہوگا، بے شک وہ جانتی تھیں کہ ان کے اس حال کی ذمہ دار نازنین ہی ہے مگر اس کے باوجود ان کی معصوم طبیعت ان کے ساتھ کچھ غلط کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، انہیں اب احساس ہوا تھا کہ وٹے سٹے کی شادی کا رواج ایک عفریت کی مانند ہے جو سب کچھ کھا کر ختم کر دیتا ہے محبت چاہت رشتے اور بے غرض دوستی بھی۔

وہ گرمیوں کی ایک حبس زدہ دوپہر تھی، ارسلان احمد اکلوتی بہن سے ملنے اور اسے سرپرائز دینے کراچی سے بنا اطلاع کیے ہی گاؤں آ گئے تھے اور ابھی ان کی گاڑی گاؤں کے کچے پکے راستے سے دھول اڑاتی گزر ہی رہی تھی کہ انہوں نے کچھ دور کھیتوں میں گندم کی کٹائی کرتی عورتوں کی طرف دیکھا تھا اور بے ارادہ نظر اٹھی اور ٹھہر سی گئی تھی سامنے اور کوئی نہیں ان کی اپنی بہن کھڑی تھیں، نڈھال اور پسینے میں شرابور ان کے ماتھے پہ فوراً بل پڑے اور غصے سے ان کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا تھا۔ وہ فوراً غصے سے کار روک کر اترے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے کھیتوں میں آئے اور بہن کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے کار تک لائے تھے۔

''بھائی صاحب۔'' وہ حیرت اور خوف سے کچھ بول بھی نہیں سکی تھیں۔
''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے آصفہ چپ چاپ اندر گاڑی میں بیٹھو۔'' وہ غصے سے کار کا دروازہ کھول کر بولے اور نازنین انہیں اپنے برابر بیٹھتا دیکھ نخوت سے منہ موڑ گئی تھیں۔ وہ بہت غصے کے عالم میں اپنے سسرال پہنچے تھے۔
انہوں نے اپنی بہن کی یوں ناقدری ہونے پہ جیسے ہی سوال کیا اماں اور ابا بھڑک اٹھے، لگتا تھا جیسے وہ پہلے سے اس ہی انتظار میں ہوں پھر بہت ہنگامہ ہوا لڑائی جھگڑے ہوئے اماں ابا کو یہ زعم تھا کہ کیا ہوا اگر ہماری بیٹی اس کی بیوی اور یہ ہمارا داماد ہے اس کی بھی بہن ہماری بہو ہے وہ گاؤں کے ان پڑھ لوگ تھے انہیں نہیں معلوم تھا کہ رشتے اور ان کی عظمت کیا ہوتی لیکن ارسلان احمد تو پڑھے لکھے تھے ناں کیسے، بہن کو مٹی میں رلتے برداشت کر لیتے انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آصفہ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے وہ آصفہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ سن کر نازنین نے ان کے ساتھ چلنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔
''کیوں نہیں جانا، اب تمہیں کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟'' وہ غصے سے بولے۔
''جب تک اس گھر میں یہ آپ کی گنوار بہن اور اس کے بچے رہیں گے میں وہاں قدم بھی نہیں رکھوں گی۔ آپ نے اپنی اس بہن کے خاطر میرے ماں باپ سے بدتمیزی کی ہے، جب تک آپ ان سے معافی نہیں مانگ لیتے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا سوچیے گا بھی مت۔'' نازنین تنفر سے کہتی اندر چلی گئی تھیں جس کا مطلب تھا اب وہ مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتیں۔
''ٹھیک ہے رہو تم اپنے ماں باپ کے پاس، کرو اپنا شوق پورا میں لے جا رہا ہوں اپنی بچی کو بھی اپنے ساتھ لے کر۔'' وہ غصے سے بولتے آٹھ ماہ کی عشفا کو بھی اپنے ساتھ اٹھا لائے تھے۔ نازنین کے انداز نے ارسلان احمد کے غصے کو ہوا دی تھی۔ آصفہ بھائی کے غصے پہ خوف زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی تھیں جب کے نازنین یوں مطمئن بیٹھی تھی جیسے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا ہو۔

رضا جب گھر آئے اور نازنین نہیں دکھائی تو وہ بے حد پریشان ہوئے تھے، خلاف معمول آصفہ بھی گھر پہ نہیں تھی، ان کے خاندان میں رواج تھا کہ بیٹیاں شادی کے بعد شوہر کے ساتھ ہی آتی ہیں اور رات رکنے کا تو کوئی رواج ہی نہیں تھا ان کے ذہن میں کچھ غلط ہونے کا احساس جاگا تھا۔ وہ اماں کے کمرے میں آئے تو وہاں ابا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ان کو سلام کر کے دعا کے لیے سر جھکا دیا تھا۔
''اماں آصفہ کہاں ہے دکھائی نہیں دے رہی اور نازنین کب آئی؟'' خیر خیریت کے بعد وہ اصل موضوع پہ آئے۔
''چلی گئی ہے تیری بیوی اپنے بھائی کے ساتھ سوچا تھا بیٹے کی شادی کروں گی تو بہو آئے گی، خدمت کرے گی لیکن نا جی ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں، یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے آیا تھا، تمہاری بیوی کا بھائی اور جو عزت کرائی ہے نا ہم بوڑھے میاں بیوی کی اس بڑھاپے میں تیری بیوی نے مرتے دم تک یاد رکھیں گے، اللہ کسی کو ایسی بہو نا دے، ہمیں بے عزت کروا کر ٹھنڈ نا پڑی تو نند کا بھی گھر خراب کر دیا چھوڑ گیا وہ اپنی بہن کے کہنے پہ نازی کو ادھر اور تو اور معصوم بچی کو بھی چھین کے لے گیا کہتا ہے مر واب ادھر ہی۔'' اماں پھپک پھپک کر روتے ہوئے بولی تھیں۔
رضا کو سمجھ نہیں آیا کہ روتی ماں کو کیسے چپ کرائے وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا، صورت حال جان کر دو مہینے بعد وہ گھر آئے تھے سوچا تھا آرام کریں گے لیکن یہاں تو نئی مصیبت تیار کھڑی تھی اور آتے ساتھ ان کے دامن سے لپٹ گئی تھی۔ انہوں نے مدد طلب نظروں سے بابا کی طرف دیکھا مگر بابا نے بھی نفرت سے منہ موڑ لیا تھا اسے ان سب کے انداز حیرت میں مبتلا کر رہے تھے بھلا اس

کی کیا غلطی تھی جو سب اس سے یوں منہ پھیرے ہوئے تھے۔ وہ شکستہ قدموں سے چلتے واپس اپنے کمرے میں آئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس گھر میں کچھ دنوں سے اس کی بیوی پہ کتنے ظلم ہو رہے تھے، وہ ہر بات سے باخبر ہونے کے باوجود خاموش رہے تھے، انہیں پتہ تھا آصفہ بہت سمجھدار ہے اور وہ سب سنبھال لے گی وہ نا بھی بیوی کی طرف داری میں بولے اور نا ہی ماں باپ کی انہیں ماں باپ کی عظمت کا پتا تھا اور اس ہی لیے وہ کئی بار بیوی کے حقوق سے حق تلفی کر گئے تھے، وہ اپنی بہن نازو کی طبیعت سے بھی واقف تھے کچھ بھی ان کی نظروں سے چھپا ہوا ہرگز نہیں تھا اور یہ ہی وجہ تھی کہ انہوں نے تصویر کا ایک رخ دیکھ کر کوئی فیصلہ نہیں کیا اور نا ہی بیوی سے دل میلا کیا اور اس کے باوجود انہوں نے کچھ دن آصفہ سے رابطہ نہیں کیا تھا اس لیے نہیں کہ وہ ان سے خفا تھے بلکہ اس لیے کہ وہ چاہتے تھے کہ تب تک آصفہ اپنی ذہنی اور جسمانی تھکن اتار لے۔

ماں باپ کا گھر وہ جگہ ہوتی ہے جہاں بیٹی خود کو بے حد ہلکا پھلکا تمام فکروں سے دور پرسکون محسوس کرتی ہے اور ارسلان احمد ان کے باپ کی طرح ہی تو تھے۔ مہربان اور شفقت سے بھرپور۔ وہ ایک ہفتے بعد آصفہ کو لینے کراچی آئے تھے، انہوں نے نازنین کو بھی کہا تھا آؤ تمہیں چھوڑ آؤں مگر وہ تو اس بات پہ بے حد غصے میں آ گئی تھیں کہ وہ کیوں آصفہ کو لینے جا رہا ہے، نازنین کا ساتھ جانا تو پھر دور کی بات تھی لیکن رضا کو بھی اب کسی کی ناراضی کی فکر نہیں تھی انہیں بس اپنا اور اپنے بچوں کا خیال تھا وہ اپنا گھر ٹوٹنے سے بچانا چاہتے تھے۔ آصفہ ان کی محبت تھی وہ جانتے تھے کہ وہ وہاں بھی پریشان ہی ہوگی اور وہ اسے مزید اور پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے انہیں اس کی تکلیفوں کا پورا احساس تھا اور اس بات کا بھی احساس تھا کہ انہوں نے اب تک آصفہ کے ساتھ بے حد ناانصافی کی ہے۔

رضا نے ارسلان احمد سے اپنے ماں باپ کے رویے کی معافی مانگ لی تھی اور ساتھ ہی اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلایا تھا انہوں نے ارسلان احمد سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آصفہ کا پورا خیال رکھیں گے اور ساتھ ہی درخواست کی تھی کہ وہ بھی اب نازنین کو معاف کر کے اسے ایک اور موقع دیں اور لینے آ جائیں اور انہوں نے بھی رضا کی بات مان لی تھی۔ ویسے بھی وہ سمجھدار آدمی تھے اور تعلیم ضد نہیں نرمی سکھاتی ہے۔

آصفہ نے سب کچھ فراموش کر کے صرف رضا کی محبت میں سب کی طرف ایک بار پھر دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور اپنی غلطی نا ہونے کے باوجود سب سے معافی مانگی تھی حتیٰ کے نازنین سے بھی لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی انہیں دھتکار دیا گیا تھا، تھک کر انہوں نے خود کو اپنے شوہر اور بچوں میں مصروف کر لیا تھا گھر میں کوئی بھی ان سے بات نہیں کرتا تھا۔

جب کہ دوسری طرف نازنین کو ارسلان احمد نے منانے کی بہت بہت کوشش کی مگر ہر بار وہ مایوس لوٹے تھے، وہ ایک ضدی اور خودسر عورت تھیں نا انہیں بیٹی کی فکر تھی اور نا شوہر کا خیال اس سب واقعے کو دو ماہ گزر چکے تھے آج پھر ارسلان احمد نازنین کو منانے اسے گھر واپس لے جانے آئے تھے لیکن وہ تو ارسلان سے بات کرنے کی بھی روادار نہیں تھیں انہوں نے صاف بول دیا تھا کہ یا تو اپنی بہن سے ہمیشہ کے لیے تعلق توڑ دو اور یا پھر انہیں یعنی نازنین کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو۔

''نازنین تم ایک فضول اور بے مطلب کی ضد کر رہی ہو، نازنین میری بہت بہت پیاری اور معصوم بہن ہے، تمہیں آخر اس سے مسئلہ کیا ہے۔'' وہ بے بس ہو کر بولے تھے۔

''جو بھی ہے بس فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور جسے آپ معصوم کہہ رہے ہیں ناں جانتی ہوں میں وہ کس قدر گھنی اور میسنی سب کے دل میرے اور میرے گھر والوں کے خلاف کر کے ہمارے لیے رنجشیں بھر دیں وہ جلتی ہے ارسلان ہماری خوشیوں سے اور اس لیے ہی اس نے یہ سب کیا ہے۔'' وہ نفرت سے بولی تھیں۔

"بس کرو نازنین ایسا نا ہو کہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے۔" بہن کے خلاف اس کا نفرت بھرا انداز دیکھ کر وہ بھڑک گئے تھے۔

"بولوں گی میں جو سچ ہے، وہ ہی بولوں گی آپ کی بہن حاسد ہے۔" اور یہیں ارسلان احمد آپے سے باہر ہو گئے تھے، ان کا ہاتھ اٹھا اور نازنین کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ وہ حیرت سے گنگ بس ارسلان احمد کو دیکھتی رہ گئی تھیں، زندگی میں پہلی بار انہوں نے نازنین پہ ہاتھ اٹھایا تھا جبکہ دوسری طرف اپنی اس بے اختیاری حرکت پہ ارسلان احمد شرمندہ نظر آرہے تھے۔

"نکل جائیں آپ ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے۔" وہ ہر لحاظ بلائے طاق رکھتے چلائی تھیں۔

"نازنین میری بات تو سنو...... آئی ایم رئیلی سوری۔"

"نہیں سننا مجھے اب کچھ بھی نہیں سننا، آپ نے نہیں سننا۔ مجھے اب بس آپ سے طلاق چاہیے، طلاق چاہیے اور بس طلاق چاہیے۔" وہ غصے سے چلائی پاگل ہو رہی تھیں۔ ان کی آوازیں سن کر سب وہاں جمع ہو گئے تھے۔

"ناز یہ کیسی بے وقوفی کی بات کر رہی ہو، میری بات......" انہوں نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"بس جب کہہ دیا کہ نہیں رہنا آپ کے ساتھ تو سمجھ کیوں نہیں آتا آپ کو۔" وہ غصے کے عالم میں اب ساری چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھیں۔

"بس بہت کر لی تم نے بدتمیزیاں، طلاق چاہیے نا تمہیں نازنین تو سنو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔" وہ غصے سے کہتے دوسرے ہی لمحے کمرے سے باہر چلے نکل گئے تھے اور نازنین ساکت سی ہو کر سب دیکھتی رہی تھیں۔

یہ کیا ہو گیا تھا ضد نے ان کا اپنا گھر ہی تباہ کر دیا تھا۔ شاید اسی لیے ہی غصہ حرام قرار دیا گیا ہے۔

نازنین کی طلاق کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس ایک ہفتے میں آصفہ نے کیسی زندگی جی تھی یا تو وہ جانتی تھیں یا ان کا اللہ، لمحہ لمحہ اذیت سے بھرا تھا۔ رضا ان دنوں لاہور میں تھے اور انہیں اب تک بہن کی طلاق کا بھی نہیں پتا تھا وہ جاتے ہوئے کہہ کر گئے تھے کہ اگلی بار آؤں گا تو تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں گا اور اب آصفہ اس لیے ان کے آنے کا شدت سے انتظار کر رہی تھیں۔ وہ کچھ بھی پکاتی اماں اس میں ہزار عیب نکالتیں اور وہ ہی چیز اس کے منہ پہ دے مارتیں۔ اٹھتے بیٹھتے اس پہ طنز کے تیروں کی برسات ہوتی اسے اور اس کے بھائیوں کو کوسنے دیے جاتے، گالیاں دی جاتیں، انہیں احساس ہی نہیں تھا کہ وہ بھی کسی کی بیٹی ہے انہیں تو بس اپنی بیٹی کی بربادی نظر آتی تھی۔

ابا نے گھر میں فون لگا لیا تھا اور اب روز رضا کو فون کر کے دباؤ ڈالا جاتا کہ کیسا بھائی ہے تو کہ جس آدمی نے تیری بہن کو طلاق دے دی تو اس ہی کی بہن کو گھر میں بسائے ہوئے ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ تو بھی اس کی بہن کو طلاق دے اور بچے چھین کر چلتا کر، دن رات رضا کو بے غیرتی کے طعنے دیے جاتے وہ خاموشی سے سنتا رہتا بات کر کے فون کو دوبارہ تالا لگا دیا جاتا۔ زندگی سے سکون جیسے رخصت ہو گیا تھا آصفہ کو لگنے لگا تھا جیسے وہ جلتے انگاروں پہ سفر کر رہی ہو۔

اس نے تو زندگی کو ہمیشہ ہنستے بستے دیکھا تھا، غم کی دھوپ میں جلنا کسے کہتے ہیں یہ اسے اب سمجھ آیا تھا اور نفرت کی آگ میں کیسے جھلستے ہیں یہ بھی اسے اب سمجھ آیا تھا جب اس کا مجازی خدا رضا بھی اس سے دور رہنے لگا، وہ گاؤں آتا لیکن آصفہ سے بات تک نہیں کرتا تھا۔ اس کا وجود ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگا تھا، ایسے میں سکون کا لمحہ صرف تب میسر ہوتا جب رات کو وہ اپنے بچوں کو آغوش میں لے کر سوتیں۔ دوسری طرف رضا الگ کشمکش و پنج میں تھے نا وہ محبوب بیوی کو چھوڑ سکتے تھے اور نا ماں باپ کو۔ زندگی بڑا کڑا امتحان لے رہی تھی ان سے اور ان کو لگنے لگا جیسے وہ ہار رہے ہیں۔ کوئی فیصلہ کرتے تو کیسے کرتے دماغ سن ہو کر رہ گیا تھا۔ آصفہ صرف ان کی بیوی ہی نہیں ان کی

محبت بھی تھیں اور ان کے بچوں کی ماں بھی اور ان کی زندگی کا بے حد اہم حصہ تھیں۔ وہ کیسے اپنے ہی وجود کے حصے کو خود سے کاٹ کر پھینک دیتے۔

اس دن وہ بہت دن بعد گاؤں آئے تھے اور جیسے ہی حویلی کا دروازہ کھول کر وہ صحن میں داخل ہوئے ٹھٹک کر وہیں کھڑے رہے گئے تھے۔ ان کے قدم ساکت رہ گئے تھے اور دل تکلیف کی شدت سے پھٹنے لگا تھا۔ سامنے ہی اماں آصفہ کو جوان کے بیٹے کی محبت اور بیوی تھی کو بری طرح پیٹ رہی تھیں، اس کا دوپٹہ ایک طرف گر چکا تھا اور بال اماں کے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھے، جب کے قریب ہی تخت پہ بیٹھے ابا یہ تماشا خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کو سامنے کھڑا دیکھ اماں کے ہاتھ ایک لمحے کو تھمے اور دوسرے ہی پل انہوں نے پھر سے اسے لاتوں گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا تھا۔

''اماں چھوڑیں اسے، کیا کر رہی ہیں آپ، انسان ہے یہ کوئی جانوروں کو بھی ایسے نہیں مارتا۔'' وہ غصے کی زیادتی سے چیخے تھے اور آج پہلی بار ان کی آواز ماں باپ کے سامنے بلند ہوئی تھی۔ آصفہ کو ان سے چھڑاتے ہوئے رضا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''ہائے ہائے یہی دن دیکھنا رہ گیا تھا بس، اس ہی دن کے لیے اکلوتے بیٹے کو پالا پوسا، پڑھایا لکھایا کہ کل کو جوان ہو کر بوڑھے ماں باپ کا گریبان پکڑے، دیکھ رہے ہیں ناں نازو کے ابا۔'' اماں جاہل عورتوں کی طرح ہاتھ نچا نچا کر واویلا کرنے لگی تھیں۔

''پڑھایا لکھایا اس لیے ہی آج سمجھا رہا ہوں کہ آپ کے ان اعمال کا سوال ہوگا بروز قیامت اور آپ ابا آپ سے بھی اس بے حسی بھری خاموشی کے بارے میں پوچھا جائے گا، اللہ ظلم کرنے والوں کو نہ پسند کرتا ہے اور نہ معاف، آپ کیا سمجھ رہے ہیں اللہ کے بندوں پہ ظلم کریں گے اور وہ معاف کر دے گا۔'' وہ دکھ سے بولے تھے۔ آصفہ کی اس حالت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

''بس بھئی بس بہت ہو گیا اپنا خون ہی سفید ہو گیا تو غیروں سے کیسا شکوہ، بوڑھے ماں باپ کو بیوی کے لیے رسوا کر رہا ہے یہ تو پورا زن مرید بن گیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے چیخ چیخ کر بول رہی تھیں۔ ان کے سامنے آج تک کبھی رضا کی آواز تک بلند نہیں ہوئی تھی بحث کرنا تو دور کی بات تھی انہیں تو لگتا تھا وہ آصفہ سے چاہے جیسا سلوک روا رکھیں رضا خاموشی سے دیکھتا رہے گا اور رضا اماں کو یوں روتا دیکھ مزید کچھ بول نہیں سکے تھے۔ ایک طرف بیوی تو دوسری طرف ماں تھیں۔ وہ پاس رکھی کرسی کو غصے سے ٹھوکر مار کر اور آصفہ کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں لے کر چلے آئے تھے۔ ان کا دل بہت برا ہو رہا تھا۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کریں تو کیا کریں۔

''کب سے ظلم ہو رہا ہے تم پر اور تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' وہ اس کی پیشانی کے زخم کو صاف کرتے ہوئے بولے۔ نعمان اور تانیہ دوسرے کمرے میں سو رہے تھے رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ جواب میں بنا کچھ بولے خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھیں۔

''میں نے تم سے بہت محبت کی ہے آصفہ، مجھے معاف کر دینا، تم پہ میرے ہی گھر والوں نے اتنے ظلم روا رکھے اور میں بے خبر رہا، کبھی میری محبت پہ شک مت کرنا، میرے لیے تم بہت بہت اہم ہو، تمہاری محبت میرے لہو میں زندگی بن کر دوڑتی ہے، کوئی بھی دوسری عورت تمہاری جگہ نہیں لے سکتی، یہ دل ساری زندگی تمہارے ہی نام پہ دھڑکے گا لیکن اگر کبھی ہمارے راستے جدا ہو جائیں تو مجھے بے وفا نا سمجھنا، بس میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لیے اس کے زخموں پہ اپنی محبت کا مرہم رکھ رہے تھے۔

آصفہ کو لگ رہا تھا وہ جلتی دھوپ سے یک دم ٹھنڈی پھوار میں آ گئی ہوں، وہ خود کو بے حد پرسکون محسوس کر رہی تھیں، نیند نے کب انہیں اپنی آغوش میں لیا انہیں پتا ہی نہیں چلا تھا لیکن رضا ساری رات نہیں سو سکے تھے، نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج جو سب ہوا اس نے

ان کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ بیوی کے ساتھ ناتو نا انصافی کر سکتے تھے اور نا ہی ماں باپ کے ساتھ بدتمیزی اور پھر ایک فیصلہ انہوں نے کر ہی لیا تھا گو کہ وہ ان کی زندگی کا سب سے مشکل اور تکلیف دہ فیصلہ تھا لیکن انہیں پھر بھی وہ کرنا ہی تھا۔ ان کے پاس اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔

"آپ پلیز آصفہ کو کل آ کر لے جایئے گا، ہم دونوں کے لیے شاید یہی بہتر ہے اگر وہ میرے ساتھ رہی تو مر جائے گی اور میں اسے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا، ارسلان بھائی میں نے اس سے بہت محبت کی ہے اور ہمیشہ کرتا رہوں گا، زندگی کی آخری سانس تک اس کی جگہ میری زندگی میں کبھی کوئی نہیں لے سکتا مگر اب ہم ساتھ نہیں رہ سکتے، اس کے لیے مجھے اس کو چھوڑنا ہوگا اور یہ میرا نہیں وقت کا فیصلہ ہے، میرا ساتھ اس کے لیے کانٹوں کی راہ گزر ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں اس لیے اب میں اس کے اور اپنے راستے جدا کر رہا ہوں، وہ اسے مجھ سے بہتر کوئی اور مل جائے گا جو اسے خوش رکھے گا۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیے گا، میں ایک بے حد کم ہمت انسان ہوں، میں ماں باپ اور بیوی میں سے کسی ایک کو نہیں چن سکا، میرے لیے دونوں ہی بے حد اہم ہیں اور یہ فیصلہ ہم دونوں ہی کے لیے بہتر ہے۔" انہوں نے بڑی مشکل سے فون پر ارسلان احمد سے یہ سب کہا تھا اور بنا ان کی کوئی بات سنے فون رکھ دیا تھا۔

صبح کا سورج ہو سکتا ہے بہت سی زندگیوں میں خوشیاں لایا ہو لیکن ان کی زندگی میں تو ہمیشہ کے لیے اندھیرا کر گیا تھا، دو پیار کرنے والے بچھڑ گئے تھے اب کوئی راستہ انہیں ایک نہیں کر سکتا تھا، وہ دونوں زندگی کی بھول بھلیوں میں کھو گئے تھے اور اس دن سے رضا صدیقی کا دل جیسے مردہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنی جان سے عزیز شریک حیات سے جدا ہونے کا فیصلہ مشکل سے ہی سہی لیکن کر ہی لیا تھا۔

ارسلان احمد آئے اور انہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے گئے تھے، ان لوگوں نے نعمان اور تانیہ کو آصفہ کے ساتھ جانے نہیں دیا تھا اور اماں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے نعمان اور تانیہ کے حصول کی کوشش کے لیے قانون کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ ان دونوں بچوں کو زہر دے کر مار دیں گی پھر ایک ماں نے اولاد کی محبت اور ان کی زندگی کی خاطر خود کو ہمیشہ کے لیے ان سے جدا کر لیا تھا۔

سب اپنی اپنی زندگیوں میں آگے بڑھتے چلے گئے تھے، زخموں پر کھرنڈ تو آ گیا تھا لیکن نشان رہ گئے تھے جو شاید کبھی مندمل نا ہوتے۔ ارسلان احمد نے اپنی ایک کولیگ سے شادی کر لی تھی جو بہت اچھی شریک حیات ثابت ہوئیں اور ان کی زندگی میں کوئی کمی تھی بھی تو وہ اب دور ہو گئی تھی۔ وہ صرف ارسلان احمد کی شریک حیات ہی نہیں تھیں، وہ عشفا کی حقیقی ماں بھی ثابت ہوئی تھیں، انہوں نے کبھی ایک لمحے کو بھی عشفا کو یہ احساس نا ہونے دیا کہ وہ ان کی اولاد نہیں، انہوں نے سگی ماں سے بڑھ کر اسے چاہت دی، وہ بے حد اچھی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی عورت تھیں۔ انہوں نے اپنے وجود کی روشنی سے ارسلان احمد کی زندگی کے سارے اندھیرے دور کر دیے تھے۔

ارسلان احمد نے بہت کوشش کی کہ آصفہ ایک بار پھر اپنا گھر بسا لیں لیکن وہ اس کے لیے کبھی رضا مند نہیں ہوئیں، ان کا دل کبھی رضا اور بچوں کی محبت سے خالی ہی نہیں ہوا پھر کیسے وہ کسی اور کو زندگی میں شامل کرتیں۔ انہوں نے اپنی زندگی گزرے ماہ و سال کی خوش رنگ یادوں کے حوالے کر دی تھی۔ جبکہ دوسری طرف ماں باپ کے مجبور کرنے پر رضا نے بھی اپنی زندگی کا نئے سرے سے آغاز کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے ایک بار پھر غلط فیصلہ کیا تھا وٹے سٹے کی شادی کا فیصلہ۔ جس گھر سے رضا کی دلہن لائی تھیں اس ہی گھر میں نازنین کو بھی رخصت کر دیا تھا۔

اب نازنین پہلے والی نازو نہیں رہی تھیں اور نا انہیں پہلے کی طرح محبت کرنے والا سسرال ملا تھا۔ دن رات جانوروں کی طرح کام کرنے کے باوجود انہیں بھلائی کا

ایک لفظ تک سننے کو نا ملتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ زندگی کو گزار رہی تھیں، گزرے وقت نے انہیں جو سبق دیے تھے وہ انہوں نے حفظ کر لیے تھے۔ انہیں وقت نے برداشت کرنا سکھا دیا تھا، وہ اب ایک بار پھر اپنا گھر نہیں اجاڑنا چاہتی تھیں، وہ غرور اور طنطنہ جو کبھی ان کی ذات کا حصہ تھا وہ تو کب کا سسک سسک کر دم توڑ چکا تھا جبکہ دوسری طرف رضا کی دوسری بیوی زارا نے بھی اماں کو صحیح معنوں میں دن میں تارے دکھا دیے تھے۔ انہیں اب اپنی غلطیوں کا شدت سے احساس ہوتا تھا لیکن اب پچھتاوے کیا ہوت چڑیاں تو کھیت کب کا چگ چکی تھیں، انہوں نے ہیرے کی قدر نہیں کی تھی اور اس لیے اب انہیں پتھر ملا تھا۔

شادی کے اتنے ماہ سال بعد بھی قدرت نے زارا کو اولاد کی دولت سے محروم رکھا تھا لیکن اس محرومی کے باوجود ان کے دل میں کبھی نعمان اور تانیہ کے لیے محبت ناپیدا ہو سکی، ان کے لیے وہ ان کی سوتن کے بچے تھے جن پر تشدد کرنا وہ اپنا حق اور فرض سمجھتی تھیں، ان کا جب دل کرتا، جب غصہ آتا وہ نعمان اور تانیہ کو دھنک کر رکھ دیتیں، اماں ابا خاموشی سے دیکھتے، کڑھتے رہتے لیکن زبان سے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں رکھتے، وہ ان کی بہو ہونے کے ساتھ بیٹی کی نند بھی تو تھی اور اسے کچھ کہہ کر وہ اپنی بیٹی کی زندگی مزید مشکل میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ مجبوریوں کی بیڑیوں میں بندھے پاؤں بھلا کبھی آگے بڑھے بھی ہیں۔

نعمان جب جب زارا بیگم سے مار کھاتا اس کے دل میں ارسلان احمد کے لیے نفرت بڑھتی جاتی۔ ارسلان احمد ہی تو وہ شخص تھے جو ان دونوں کی ماں کو ان سے دور لے گئے تھے اور جنہوں نے پلٹ کر کبھی ان کی خبر تک نہیں لی تھی۔ ہر مار پیٹ کے بعد نعمان کے دل میں اپنے ماموں کے خلاف انتقام کا جذبہ زور پکڑتا جاتا تھا۔ اس کے دل میں ناز و بیگم کے لیے نہ نفرت تھی نہ محبت اسے نفرت تھی تو اپنی ماں سے جو اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی گئی تھی اور یہ نفرت ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی چلی گئی تھی۔

سفر بہت کٹھن تھا سوچتے سوچتے صبح ہو گئی تھی لیکن محرومیاں تھیں کہ ختم ہی نہیں ہونے میں آتی تھیں نا جانے اور کتنے امتحان باقی تھے آصفہ بیگم نے تھکن سے سوچتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ آنسو جھڑی کی صورت قطار در قطار ان کے رخساروں پر پھسل رہے تھے کیونکہ آنسو انساں کی ساری طاقت نچوڑ کر اسے نڈھال بنا دیتے ہیں اور پھر چھوٹا سا غم، چھوٹی سی پریشانی بھی اسے بہت بڑی لگتی ہے لیکن آج وہ مجبور تھیں آنسوؤں پر سے بھی ان کا اختیار ختم ہو گیا تھا۔

....

رات تیز بارش ہوئی تھی، فضا دھل کر نکھر گئی تھی۔ صبح بارش تھم تو گئی تھی لیکن موسم اب بھی ابر آلود تھا۔ پیڑ پودے بہت نکھرے نکھرے لگ رہے تھے جبکہ سردی جاتے جاتے پلٹ آئی تھی۔ فروری ختم ہونے والا تھا، سبزے اور پھولوں کی رعنائی نگاہوں کو فرحت بخش رہی تھیں لیکن اتنے حسین موسم کے باوجود اس کے وجود پر چھائی کسلمندی برقرار تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کا دل خوش نہیں تھا اور دل خوش ہو بھی کیسے سکتا تھا، اس کے سارے خواب اجڑ گئے تھے، وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں جس سے اس نے سب سے بڑھ کر محبت کی تھی۔ اس کے خواب اتنی بے دردی سے ٹوٹے تھے کہ وہ ان کی کرچیاں اٹھانے سے بھی قاصر تھی۔ آنکھیں خشک ہو چکی تھیں پھر بھی درد کم نہیں ہو رہا تھا اور اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہ ہی شخص ہے جس نے اسے محبت کرنا سکھائی تھی اور اب وہی شخص دکھ اور غم کی لذت سے آشنا کروا رہا تھا۔

وہ آج آفس نہیں گیا تھا، شاید اب تک سو رہا تھا کیونکہ اب تک کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ جو لوگ دوسروں کا سکون چھینتے ہیں وہ خود بھی سکون سے نہیں رہتے اور اک درد مسلسل کی سزا میں گرفتار رہتے ہیں۔ یہ کیسی محبت تھی جس نے سب کا سکون چھین لیا تھا۔

''کاش میں تم سے کبھی نا ملی ہوتی نعمان، کاش تم میری زندگی میں کبھی نا آئے ہوتے، کاش میں ایک بار

پھر اپنے ماضی میں لوٹ سکتی۔ تم اگر اجنبی ہوتے تو آج اتنی تکلیف نا ہوتی، دکھ تو یہ ہے کہ میں نے تم سے سب سے بڑھ کر محبت کی اور تم ہی نے میری محبت کا یوں بے دردی سے گلا گھونٹ دیا۔" ہر لمحہ وہ ان ہی سوچوں میں گرفتار رہتی۔

دن کے بارہ بج رہے تھے، وہ حویلی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی، ہلکی پھوار پھر سے شروع ہوگئی تھی اور کچھ ہی دیر میں پھوار تیز بارش میں بدل گئی تھی، وہ بارش میں بھیگتی رہی، بنا اپنا خیال کیے۔ جیسے خود کو جرم محبت کی سزا دے رہی ہو، سردی عروج پہ پہنچ گئی تھی، اب سردی کی شدت اور بھیگے وجود سے اس کے سر میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں، بہت تیز برفانی ہوا بھی چل رہی تھی۔ وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی، ٹھنڈ سے اس کی گوری رنگت نیلی پڑ گئی تھی۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتے نعمان کی نگاہیں اس پہ ہی مرکوز تھیں، اسے اس کے عمل سے تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ اپنی کیفیت چھپائے اور چہرے پہ غصے کا تاثر سجائے لان میں آیا تھا۔

"یہ کیا تماشا ہے؟ بیمار ہونے کا شوق ہے تو کسی اور طریقے سے پورا کرو کیونکہ سردی لگنے سے اگر تم بیمار ہو بھی جاؤ گی تو مرو گی تو بالکل بھی نہیں۔" وہ غصے سے بولتا اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج میں لے آیا تھا۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟ میں مروں، بیمار رہوں، کچھ بھی کروں تم کون ہوتے ہو مجھے جتانے والے، آج تو تم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا لیکن خبردار دوبارہ تم نے مجھے ٹچ کرنے کے بارے میں سوچا بھی تو......" وہ غصے سے بولی۔

"اپنے تیور سنبھال کر بات کرو، مت بھولو یہ میرا گھر ہے اور تم میری صرف قیدی، دوبارہ اگر مجھ سے بلند آواز میں بات کی ناں تو بتا دوں گا تمہیں کہ نعمان رضا سے اونچی آواز میں بات کرنا کیا ہوتا ہے اور ہاں......" وہ جاتے ہوئے پلٹا۔

"تم کیا سمجھتی ہو بہت شوق ہے مجھے تمہیں چھونے کا، میں اگر چاہوں تو ایک منٹ میں تمہارا یہ غرور خاک میں ملا دوں، یہاں تمہیں مجھ سے بچانے والا کوئی نہیں لیکن میں خود یہ نہیں چاہتا، تمہیں چھونا نہ کل میری خواہش تھی، جب تم مجھ سے محبت کی دعویٰ دار تھیں اور نہ ہی آج جب تم میرے گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے موجود ہو وہ سوری بیوی نہیں قیدی۔" وہ غصے سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ عشفا کا دل کر رہا تھا اس کا سارا غرور، گھمنڈ پل میں راکھ کر دے۔ وہ خود کو شاید کسی ریاست کا شہزادہ سمجھتا تھا اور اس کے انداز بھی ایسے ہی تھے لیکن اس بات کا اندازہ عشفا کو حویلی آنے کے بعد ہوا تھا۔ یہ وہ نعمان نہیں جس کی ایک دنیا دیوانی تھی، یہ تو کوئی اور شخص تھا، ایسا لگتا تھا اس کے وجود میں خون کی جگہ نفرت دوڑ رہی ہو۔ اس نے اسے اتنے دنوں میں ایک بار بھی مسکراتے نہیں دیکھا تھا جبکہ یونیورسٹی میں یہ ہی شخص تھا جس کے لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہوتی تھی، عشفا تو اس شخص سے بالکل ہی ناواقف تھی۔ وہ تو اسے بالکل نہیں جانتی تھی پھر کیوں شکوہ کرتی۔

شکوہ شکایت یہ سب تو اپنوں سے کیا جاتا ہے، جن پہ مان ہو، بھروسہ ہو جبکہ نعمان تو اس کے لیے یکسر اجنبی تھا اور ایک اجنبی سے رحم کی امید سراسر بے وقوفی تھی۔ اب عشفا کو اس کے رویے تکلیف نہیں دیتے تھے۔ اب اس کی ساری امیدیں دم توڑ گئی تھیں، تکلیف وہیں سے ملتی ہے جہاں امید ہو اور انسانوں سے امید رکھنا بے وقوفی ہی ہے کیونکہ وہ صرف دکھ دینا جانتے ہیں۔

***

کیا تم بھی پھر
شام کی دہلیز پہ اس کی آہٹ پر
دروازے کی جانب بھاگے جاتے ہو؟
کیا تم بھی؟
درد چھپانے کی کوشش کرتے ہو؟
اکثر تھک جاتے ہو اور بن وجہ مسکاتے ہو؟
کیا تم بھی؟
نیند سے پہلے پلکوں پر ڈھیروں خواب سجاتے ہو؟

یا پھر بے خواب آنکھوں سے
روتے روتے سو جاتے ہو؟
کیا تم بھی؟
دوپہر میں وہ جس طرح بارش میں بھیگی تھی اور سرد ہوا میں گیلے کپڑوں میں لان میں کھڑی رہی تھی اسی کا اثر تھا کہ فلو کے ساتھ ساتھ وہ اب بخار میں پھنک رہی تھی۔ وہ بہت تکلیف میں تھی گلے میں بہت درد تھا، اس سے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ سارا دن گزر گیا تھا۔ اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی اور اس وقت اسے گھر والوں کی یاد بہت شدت سے آ رہی تھی۔ نعمان آفس سے آیا تو خلاف معمول عشفا کو کمرے میں دیکھ کر اسے تشویش ہوئی کیونکہ اس وقت وہ اکثر کتاب پڑھنے میں مصروف ہوتی تھی۔ وہ اسے انجان دکھائی تو دیتا تھا لیکن بے خبر ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کپڑے بدلنے کے بعد عشفا کے کمرے میں قدم رکھا تو کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، سانس لینے کی تیز تیز آواز آ رہی تھی جیسے اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی ہو وہ فکرمندی سے آگے بڑھا۔

''عشفا...... عشفا۔'' اس نے اسے آواز دی۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے قدم بڑھائے بازو تھاما ہی تھا کہ جیسے اسے کرنٹ لگا۔ وہ بخار کی شدت سے جل رہی تھی اور نیم بے ہوشی میں تھی۔ اس نے فوراً اپنے دوست کی بہن کو کال کی جو بہت اچھی ڈاکٹر تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی اور اس نے چیک اپ کیا اور دوائیوں کی لسٹ تھما دی۔

''نعمان بھائی آپ کی بیوی کو بہت زیادہ ٹھنڈ لگ گئی ہے ان کا بہت زیادہ خیال رکھیں اور کوشش کریں کہ یہ ٹھنڈے پانی کا استعمال بہت کم کریں۔ ان کا گلا بھی بہت خراب ہے، انہیں سوپ پلائیں اور کوشش کریں کے انہیں زیادہ سے زیادہ آرام دیں۔'' وہ ہدایت دے کر چلی گئی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے جیسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ عجلت میں مارکیٹ گیا اور عشفا کی دوا اور دیگر کھانے کا سامان خرید لایا، وہ جو عشفا سے نفرت کے دعوے کرتا تھا خود کو ہر روز یہ یقین دلاتا کہ اسے نا تو عشفا ارسلان کی کوئی پروا ہے اور نا ہی اس سے محبت لیکن آج اسے اس حالت میں دیکھ کر نعمان کے تمام دعوے اور بھرم دم توڑ گئے تھے۔ وہ اس کی یہ حالت دیکھ کر بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کس طرح اس کا خیال رکھے۔

''اگر عشفا کو کچھ ہو گیا تو میں کیسے جیوں گا، بے شک کچھ بھی ہے میں تو اسے دل کی تمام تر شدتوں سے چاہتا ہوں۔'' اس نے دل میں اعتراف کیا، جلدی سے اس نے عشفا کے لیے چائے بنائی اور ٹرے میں بسکٹ سجائے جب وہ کمرے میں آیا تو عشفا جاگ رہی تھی انجیکشن نے اثر دکھایا تھا اور اب وہ پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔

چائے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر نعمان نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کی بیک پر تکیے سے سپورٹ دی۔

''عشفا یہ بسکٹ کھا لو پھر میڈیسن بھی کھانی ہے۔'' وہ فکرمندی سے گویا ہوا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں کھانا۔'' بیماری کی وجہ سے اس میں چڑچڑا پن در آیا تھا۔

''کچھ کھاؤ گی نہیں تو ٹھیک کیسے ہو گی۔''

''مجھے ٹھیک نہیں ہونا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''پلیز اب ضد نہ کرو جب ٹھیک ہو جاؤ گی پھر لڑ لینا لیکن ابھی یہ کھا لو۔'' وہ آج بے حد تحمل اور نرمی سے بات کر رہا تھا پھر اس نے عشفا کو زبردستی چائے کے ساتھ بسکٹ کھلائے۔ میڈیسن کھلا کر اب وہ کچن میں آ گیا تھا۔ اسے بہت زیادہ بھوک لگ رہی تھی۔ انڈہ فرائی کر کے بریڈ کو گرم کیا ساتھ میں چائے کا کپ لے کر وہ کچن سے باہر آ گیا۔

سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا کچھ وہ عشفا کی وجہ سے پریشان تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے پاکٹ سے سیل نکالا اور تانیہ کو کال کرنے لگا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں لیکن عشفا ٹھیک نہیں، میں تمہاری سیٹ کنفرم کرواتا ہوں تم فوراً یہاں آ جاؤ۔ ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔'' اس نے سلام دعا کے بعد اپنی

پریشانی تانیہ سے شیئر کی۔

"او کے بھائی ٹھیک ہے میں بھی آپ دونوں کو بہت مس کر رہی تھی۔" اور دوسرے ہی دن تانیہ لاہور آ گئی تھی اس نے سکھ کا سانس لیا اور خود عشفا کے کمرے میں شفٹ ہو گیا کیونکہ سب سمجھتے تھے کہ ان دونوں کی پسند کی شادی ہوئی ہے اور وہ اپنی معصوم سی بہن کو کچھ اور سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

❁ ❁ ❁

وہ آفس سے کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا اور اب لاؤنج میں بیٹھا شام کی چائے پی رہا تھا جب ٹرے میں سوپ کا باؤل سجائے تانیہ چلی آئی۔

"بھائی جان میں نے یہ سوپ بنایا ہے، بہت مزے کا ہے آپ بھابی کو پلا دیں۔" اس نے سوپ کا باؤل اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"اوہ یار تم نے بنایا ہے تو تم ہی دے آؤ ناں۔" وہ نگاہیں ایل سی ڈی پہ مرکوز کیے ہوئے بولا۔

"بھابی کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے۔" وہ وہیں بیٹھتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ "لائیں ریموٹ مجھے دیں اور آپ یہ سوپ لے کر جائیں ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" وہ بہنوں والے مان سے بولی۔ وہ بے اختیار مسکرایا اور سوپ کی ٹرے لیکر عشفا کے پاس آ گیا۔

"یہ سوپ پی لو۔"

"کس خوشی میں۔" وہ بنا اس کی طرف دیکھے ناگواری سے بولی۔

"اپنے بیمار ہونے کی خوشی میں۔" وہ بھی دل جلانے والے انداز میں بولا اور ٹرے اس کے قریب ہی رکھ دی۔

"اسے یہاں سے لے جاؤ ورنہ ایسا نا ہو یہ سوپ کا باؤل میں تمہارے سر پر الٹ دوں۔" عشفا نے ٹرے پرے دھکیلتے ہوئے بے حد غصے سے کہا۔

"بات وہ کیا کرو جو تم کر سکتی ہو چپ چاپ یہ سوپ ختم کرو۔" اب کی بار نعمان کو بھی غصہ آ گیا۔

"جب کہہ دیا نہیں پینا تو مطلب نہیں پینا۔" وہ بھی ہٹ دھرمی سے بولی۔

"میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ سوپ پینا ہے یا نہیں میں کہہ رہا ہوں سوپ پی لو۔" وہ سخت انداز میں گویا ہوا لیکن اس پر رتی برابر بھی اثر نہ ہوا، مجبوراً نعمان سوپ کا باؤل پکڑ کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"آخری بار کہہ رہا ہوں خود سوپ پی لو اگر تم نے خود سوپ نہ پیا تو میں خود زبردستی پلا دوں گا۔" اور پھر مجبوراً اسے سوپ پینا ہی پڑا۔

بیماری نے چار دن میں ہی اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔ رنگت زرد ہو کر رہ گئی تھی۔ پہلے والا غصہ اور ضد بھی اب ختم ہو گئی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ دیر تک اس سے لڑائی نہیں کر پا رہی تھی اور ہتھیار ڈال دیتی تھی۔

❁ ❁ ❁

رات کو نا جانے کون سا پہر تھا اس کی آنکھ عشفا کی آواز سے کھلی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس آیا اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"پانی...... پانی چاہیے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بمشکل بول پائی۔ نعمان نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی بھرا اور عشفا کے لبوں سے لگا دیا۔

"اب بہتر ہو؟" پانی پلانے کے بعد اس نے تشویش سے پوچھا۔

"نہیں...... مجھے...... مجھے...... سانس نہیں آ رہا...... نعمان مجھے مجھے لگتا ہے مجھے کچھ ہو جائے گا۔" وہ پسینے پسینے ہو رہی تھی نعمان نے دیکھا وہ بمشکل سانس لے پا رہی تھی۔

"اچھا رکو میں ابھی آتا ہوں۔" وہ فکرمندی سے بولتا اٹھ کر جانے لگا اور تب ہی عشفا نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"مت جاؤ نعمان پلیز مجھے ضرورت ہے تمہاری۔" وہ روتے ہوئے بولی، اس وقت اس کا سارا غصہ اور ناراضگی ہوا ہو گئی تھی۔ اس وقت نعمان وہ شخص تھا جو اس کا محبوب

تھا۔ عشفا کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے اسے نمونیہ ہوگیا تھا کیوں کہ وہ وقت پر دوائیاں نہیں لے رہی تھی اس لیے اس کی طبیعت بھی سنبھلنے میں نہیں آرہی تھی۔

''اچھا نہیں جارہا میں تم پریشان نہیں ہو، کچھ نہیں ہوگا میں ہوں ناں۔'' نعمان نے اسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ آنسو تیزی سے عشفا کی آنکھوں کی باڑ پار کررہے تھے۔

اس کے آنسو ہمیشہ کی طرح اس کو اذیت میں مبتلا کررہے تھے۔ اس کی تکلیف نے اندر تک درد بھر دیے تھے۔ وہ اس سے وہ چاہ کر بھی نفرت نہیں کرسکتا تھا بہت محبت کی تھی اس نے عشفا سے۔ اس نے آہستہ سے عشفا کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کردی، عشفا کی تکلیف کم ہوتی گئی اور کچھ دیر بعد نیند کی دیوی نے اسے اپنی پرسکون آغوش میں لے لیا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے ناں جس نے ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کو بے سکون کیا، اس کی زندگی کو درد سے روشناس کروایا، آج اس کی ذات عشفا کی تکلیف میں پریشان تھی اس کے سکون کے لیے دعا گو تھی یہ دل کے رشتے بھی عجیب ہوتے ہیں یہاں درد کسی کو ہوتا تھا اور محسوس کسی کو، ہونٹ کسی کے مسکراتے اور خوشی کسی کو ہوتی تھی۔

⁂

تانیہ نے اس کا بہت خیال رکھا تھا سگی بہنوں سے بھی بڑھ کر۔ اس کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی اس دن کے بعد سے روز تانیہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے وقت پر دوائیں دیتی، اس لیے اب وہ بالکل ٹھیک تھی بس کمزوری رہ گئی تھی۔ تانیہ کو لاہور آئے پندرہ دن ہوگئے تھے آہستہ آہستہ عشفا کے دل میں اس کے لیے جگہ بن رہی تھی۔ بے شک وہ نعمان کی بہن تھی لیکن تھی تو اس کی محسن اور بے حد پر خلوص لڑکی اس کی آنکھوں میں عشفا نے ہمیشہ محبت ہی محبت دیکھی تھی، تانیہ نے عشفا کی ہر بے رخی کو برداشت کیا تھا اس نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا تھا۔ محبت دی تھی اور اگر اب بھی وہ تانیہ کے خلوص کی ناقدری کرتی تو یہ بہت غلط بات ہوتی۔ عشفا بھی تو ایسی ہی تھی پھر کیسے وہ اتنی اچھی لڑکی کو دکھی کردیتی اور یہ ہی وجہ تھی کہ اب ان دونوں کے درمیان دوستی ہوگئی تھی۔

''عشفا ایک بات بولوں اگر تم برا نا مانو تو۔'' وہ اس وقت اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی دور آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی جب تانیہ اس کے لیے گرما گرم چائے کا کپ لائی اور اسے کپ پکڑا کر جھجکتے ہوئے بولی۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہیں پارہی تھی۔

''ہاں بولو ناں تانیہ تم اتنی اچھی ہو کہ میں چاہ کر بھی تمہاری کسی بات کا برا نہیں مان سکتی۔'' عشفا نے مسکرا کر اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''اور سچ پوچھو تو مجھے لگتا ہی نہیں تانیہ کہ تم نعمان کی بہن ہو اتنا فرق ہے تم دونوں میں۔ تم اتنی اچھی ہر رشتے کی قدر کرنے والی، احساس کرنے والی سلجھی ہوئی سمجھدار لڑکی اور نعمان وہ تو بس سب کچھ تباہ کرنا جانتے ہیں پتا نہیں تم دونوں میں اتنا فرق کیسے ہے۔''

''نہیں عشفا تم بھائی کو سمجھ ہی نہیں سکی ہو بھائی شروع سے ایسے نہیں تھے۔ بہت محبت کرنے والے اور عزت کرنے والے، سب کا خیال رکھنے والے حساس سے بندے تھے لیکن زندگی میں انہوں نے اتنا کچھ دیکھا ہے کہ وہ بہت بدل گئے ہیں، انہوں نے اپنے احساسات پر برف جمادی ہے۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد ہے انتقام لینا۔ انہیں زندگی میں ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو انہیں سمجھ سکے ناکہ سمجھائے، عشفا جب تم بھائی کو جان لوگی ناں تو تمہارے ان سے شکوے بھی کم ہوجائیں گے، میں جانتی ہوں وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں میں نے انہیں تمہارے لیے راتوں کو جاگتے دیکھا ہے۔''

''نہیں تانیہ میں اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی، تم محبت کی بات کرتی ہو وہ شخص جس نے خود اپنے ہاتھوں میری محبت کا گلا گھونٹ دیا، جس نے میرے دل کو کرچی کرچی کردیا، میرا مان توڑ دیا، میرے اپنوں سے مجھے دور

کردیا، اس شخص پہ تو شاید میں کبھی دوبارہ بھروسہ نہیں کرسکوں، میں نعمان کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ کبھی بھی نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔

دور آسمان پہ نظریں جمائے وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں بول رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ آفس سے جلدی آتے نعمان نے اس کا ایک ایک لفظ سن لیا تھا۔

''تو نعمان صدیقی تم نے انتقام کی آگ میں خود اپنی ہی محبت جلادی، تم نے محبت سے نفرت کا سودا کیا لیکن کیا آیا تمہارے ہاتھ، تم تو خالی ہاتھ ہی رہ گئے۔'' وہ دکھی سے ہوکر آگے لابی میں چلا گیا۔

''میں دعا کرتی ہوں اللہ تم دونوں کی خوشیاں لوٹا دے کیوں کہ تم دونوں میرے لیے بہت اہم ہو۔'' تانیہ نے چائے کا آخری سپ لیتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ اس سے زیادہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

❁ ❁

ہاتھ چھوٹیں بھی تو رشتے نہیں توڑا کرتے
وقت کی شاخ سے لمحے نہیں توڑا کرتے

وقت تیزی سے گزر رہا تھا، سخت گرمیوں کے دن شروع ہوچکے تھے، ہوا میں پھیلا حبس اور تپتے سورج کی گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی، زندگی کا کام ہے گزرنا اور وہ گزر رہی تھی۔ اچھی یا بری اس سے کیا فرق پڑتا ہے، اس نے اپنی زندگی سے سمجھوتہ تو نہیں کیا تھا لیکن اب اسے اس زندگی کی عادت ہونے لگی تھی، اسے اب سمجھ آگیا تھا کہ رو کر یا ہنس کر، اسے اب اپنی زندگی اسی شخص کے ساتھ گزارنی تھی۔ مقدر میں جو لکھا ہو وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ شاید اسی لیے اللہ نے اسے ہم سے چھپا کر رکھا ہوتا ہے کہ کل آنے والے دکھوں کا سوچ کر ہم اپنا آج نہ خراب کریں۔ اسے اپنی پرانی زندگی خواب لگتی تھی۔ جب وہ سب کے دلوں پہ راج کرتی تھی، سب کی دلاری ہوا کرتی تھی، جب اس کی اداسی اور خوشی سے سب کو فرق پڑتا تھا لیکن اب یہاں ایسا کوئی نہیں تھا جو اس کی ایک مسکراہٹ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیتا، سوچیں بھی انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں، اس نے بریانی کو دم دے کر سلاد بنانا شروع کیا، رائتہ وہ پہلے ہی بنا کر فریج میں رکھ چکی تھی۔ نعمان کچھ دیر میں آنے والے تھے۔ اس نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ اگر کوئی اسے اب دیکھتا تو یقین ہی نہیں کرتا کہ یہ وہی عشفا ہے۔ چاہے کسی بھی حالت میں شادی ہوئی ہو، اسے نعمان سے کتنی بھی نفرت ہو۔ تھا تو وہ اب اس کا شوہر اور اس کا خیال رکھنا اس کا فرض۔ بس یہی سوچ کر زندگی کے سکون کے لیے اس نے خود کو بدل لیا تھا۔ گرمی کی شدت سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ کچن سے فارغ ہوکر نہانے چل دی تھی۔

''اگر آپ ذہنی پریشانی اور منفی سوچوں سے بچنا چاہتے ہیں تو خود کو مصروف کرلیں۔'' اس نے بھی یہ بات آخر مان ہی لی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ ایک وقت تھا جب وہ شہزادیوں کی طرح رہتی تھی۔ گھر کے کاموں کو ہاتھ لگانا تو دور اپنے کام بھی بمشکل کرتی تھی۔ پاپا اپنی بیٹی کو اتنے سگھڑ طریقے سے آج کام کرتا دیکھ لیتے تو بے حد حیران ہوتے اور شاید خوش بھی لیکن ساری بات ہی یہاں آکر دم توڑ دیتی تھی کہ اب اس کی کسی بھی بات پہ پاپا خوش نہیں ہوسکتے تھے، اس کے پیارے بے حد پیارے پاپا اس سے دور تھے۔ پتا نہیں یہ دوریاں کب ختم ہوں گی نا جانے کبھی ختم ہوں گی بھی یا نہیں۔

''تانیہ بات کرنا چاہ رہی ہے تم سے، لائن پہ ہے بات کرلو۔'' وہ منفی سوچوں کے گرداب میں کھوئی ہوئی تھی جب اچانک نعمان کی آواز اسے وہاں سے باہر لائی۔

''السلام علیکم کیسی ہو تانیہ۔'' اس نے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھا اور نل بند کرکے سیل فون اٹھایا اور وہیں کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں الحمدللہ، تم کیسی ہو عشفا؟''

''اچھی ہوں، ویسے آج کیسے یاد کرلیا تم نے؟'' عشفا

نے شرارت سے کہا کیونکہ آج تانیہ نے پہلی بار کال کی تھی، اسے اچھا لگا تھا۔
"بس میں نے سوچا کہ میری پیاری سی دوست کو تو ہم غریبوں کی یاد آتی نہیں، ہم خود ہی انہیں احساس دلا دیں۔" تانیہ نے بھی شرارت سے جواب دیا۔
"ویسے عشفا مجھے لگا تھا کہ تم مبارک باد کے لیے تو کال کر ہی لوگی لیکن تم نے نہیں کی، میں خفا ہوں تم سے۔" اس نے ناراضی سے کہا۔
"مبارک باد کس چیز کی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"کیا مطلب کسی چیز کی، تم انجان ہو کیا؟ بھیا نے بتایا نہیں تمہیں۔" اب حیران ہونے کی باری تانیہ کی تھی۔
"میرے تمہارے بھائی سے بالکل بھی ایسے تعلقات نہیں ہیں کہ وہ مجھ سے یا میں ان سے کچھ شیئر کروں۔ تمہیں بتانا ہے تو خود بتادو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"تو بنالو ناں تعلقات مائی ڈیئر فرینڈ، اتنے حسین اور خوب صورت رشتے میں بندھے ہو تم دونوں، اب بھی تعلقات نہیں بناؤ گے تو کب بناؤ گے۔" وہ شرارت سے بولی۔
"تانیہ کیا تم چاہتی ہو کہ میں کال ڈسکنیکٹ کردوں؟"
"بالکل نہیں۔" معصومیت سے کہا۔
"سو پلیز فضول باتیں چھوڑ کر پوائنٹ پر آؤ۔"
"اوکے مادام جو آپ کا حکم، ویسے گڈ نیوز یہ ہے کہ آپ کی پیاری نند اپنے پیا کو پیاری ہونے والی ہے۔" وہ پرسکون انداز میں کہتی عشفا کو حیران کرگئی۔
"کیا.....! کب اور کس سے، کون ہے وہ؟ اور تم مجھے اب بتارہی ہو تانیہ۔" وہ اس کی پہلی بات نظر انداز کر کے خوشی سے بولی۔
"صبر.....صبر بتاتی ہوں اتنی بھی کیا بے صبری ہے مانا کہ نند ہوں مگر اتنی بھی بری نہیں کہ مجھے بھگانے کی اتنی خوشی ہو رہی ہے۔" اس نے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔
"ایڈیٹ نہ بنو جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔"
"ہاں کیا پوچھا تھا تم نے؟" اس نے انجان بننے کی اداکاری کی۔
"جن موصوف کی زندگی میں تم ہلچل مچانے جارہی ہو ان موصوف کے بارے میں پوچھا ہے کہ وہ کون ہیں، کیا کرتے ہیں۔" اس نے تانیہ کو چھیڑنے کی کوشش کی۔
"اگر تم مجھے شرم دلانے کے لیے یہ سب بول رہی ہو تو سن لو مجھے شرم نہیں آئے گی اور وہ خوش نصیب انسان جن کے بخت میں تانیہ رضا کا نام لکھا جارہا ہے وہ کوئی اور نہیں بھیا کے بیسٹ فرینڈ ہیں، اسلام آباد میں ہوتے ہیں اور بھیا ہی کی طرح ایک کامیاب بزنس مین بھی ہیں۔" اس نے تفصیل بتائی۔
"اور تم......تم خوش ہو، تمہاری مرضی شامل ہے اس رشتے میں؟" اس نے تانیہ کے لہجے میں کھنکتی خوشی کو محسوس کرتے پوچھا۔
"ہاں میں بہت بہت خوش ہوں کیونکہ جس شخص کی زندگی میں، میں شامل ہونے جارہی ہوں میں ان کی پسند بھی ہوں اور محبت بھی یہ رشتہ بھیا نے طے کیا ہے عشفا مگر میری پسند اور خواہش کو مدنظر رکھ کر۔" وہ خوشی سے بولتی عشفا کو گہری سوچ میں ڈال گئی تھی۔
"اپنی بہن کی محبت، خوشی، رضا کتنی عزیز تھی اس بے حس شخص کو اور میری زندگی کا فیصلہ کرتے ہوئے کتنا سفاک بن گیا تھا، کیا جذبات احساسات صرف تانیہ رکھتی تھی عشفا ارسلان نہیں، کیوں کہ تانیہ نعمان کی بہن تھی، لوگ عزت صرف ان کی ہی کیوں کرتے ہیں جن سے خون کا رشتہ ہو باقی سب کے احساسات جذبات کیا کوئی معانی نہیں رکھتے؟" اس کے ذہن میں سوال اٹھا اور دل میں تکلیف محسوس ہوئی، وہ تانیہ کی خوشیوں سے جل نہیں رہی تھی بس اپنی ناقدری پہ افسردہ تھی۔
"عشفا کیا ہوا؟" تانیہ نے اس خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ نہیں تانی تم آجاؤ پھر ہم باتیں کریں گے بہت ساری ابھی مجھے بہت سخت نیند آرہی ہے۔" اس نے اللہ

حافظ کہہ کر فون رکھ دیا، آج بہت دنوں بعد تکلیف کا احساس پھر بہت شدت سے جاگا تھا، جن دکھوں کو بھلا کر وہ خود کو مصروف رکھے ہوئے تھی وہ سب آج پھر یاد آ گئے تھے، اب نیند کہاں آنا تھی اب تو بس خود کو جلتے دیکھنا تھا، خواہشوں کی قبروں پر پھول چڑھانے تھے، اپنوں کی یاد میں آنسو بہانے تھے۔

ٹوٹا طلسم وقت تو کیا دیکھتا ہوں میں
اب تک اسی مقام پہ تنہا کھڑا ہوں میں

"کیا یار آخر کب تک تم اپنی زندگی کو تماشا بنا کر رکھو گے، تم عشفا سے زیادہ خود کو سزا دے رہے ہو میں جانتا ہوں کہ تم کتنی محبت کرتے ہو اس سے اور اسے تکلیف میں دیکھ کر اس سے زیادہ تمہیں درد ہوتا ہے۔" نمیر نے اس کی سرخ آنکھوں کو دکھ سے دیکھ کر کہا۔

نمیر اور نعمان اسکول کے زمانے سے دوست تھے اور اب دوست ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بزنس پارٹنر بھی تھے، وہ دونوں آفس میں بیٹھے کل ہونے والی میٹنگ کے پوائنٹ ڈسکس کر رہے تھے جب نعمان کی عدم توجہ محسوس کرتے ہوئے نمیر نے اس سے دو ٹوک بات کرنے کا سوچا۔

"اس سے محبت میری وہ غلطی تھی جو میں نے جان کر نہیں کی لیکن غلطی جان کر کی جائے یا انجانے میں سزا تو بھگتنی ہی پڑتی ہے اور مجھے بھی یہ سزا جھیلنی ہی ہوگی ہر حال میں۔" اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر کرب سے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"بے وقوفی کی باتیں نہیں کرو نعمان، میں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم غلط کر رہے ہو، تم دن بدن سفاک اور خود غرض ہوتے جا رہے ہو، مان لو کہ تم عشفا سے زیادتی کر رہے ہو وہ معصوم ہے۔" نمیر کو غصہ آیا۔

"تم میرے دوست ہو نمیر اور تم ہی میرے ساتھ نہیں ہو، کیسی دوستی ہے یہ؟" وہ دکھ سے بولا۔

"دوست ہوں اس لیے ہی کہہ رہا ہوں جس راہ پہ تم چل رہے ہو وہاں منزل نہیں سوائے پرخار راستوں کے اور درد کے تحفوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا تمہیں، آبلہ پائی کا یہ سفر زخموں کے سوا کچھ نہیں دے گا۔"

"تو ٹھیک ہے قبول ہے مجھے اس سفر میں ملنے والے کانٹے اور بے نشان راستے مجھے منزل کی خواہش کو چھوڑے عرصہ گزر گیا۔" وہ بے حسی سے بولا۔

"میں بس اتنا جانتا ہوں جو فاصلے کدورت اور نفرت سے شروع ہوں وہ بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں اور بڑھتے ہی جاتے ہیں تم دونوں بھی اپنے درمیان ان فاصلوں کی سخت دیواریں کھڑی کر رہے ہو، آگے تم سمجھدار ہو۔" وہ ناراضی سے کہتا نعمان کو چھوڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

اس دل پہ ایسی کیا بیتی
کیوں
زندگی سے دور ہوا
کیوں ہم ہیں تنہا تنہا سے
کیا قصہ مشہور ہوا
داستان کچھ بھی نہیں
بات تو ذرا سی ہے
نازک سا ایک شیشہ تھا
اک ٹھیس لگی
اور چور ہوا

گرمیاں بھی رخصت ہو رہی تھیں، موسم تیزی سے بدل رہے تھے، دن گزر رہے تھے سب کچھ ہی بدل رہا تھا سوائے دل کے موسم کے، دل پہ ایک ہی موسم بسیرا کیے ہوئے تھا اور وہ تھا درد کا موسم، تانیہ کی شادی کی تیاریاں عروج پہ تھیں، دو مہینے بعد اس کی شادی تھی اور اس سلسلے میں شاپنگ کے لیے وہ لاہور آئی ہوئی تھی، آج بھی وہ اپنے بھائی کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھی، تانیہ نے عشفا سے ساتھ چلنے کے لیے بھی ضد کی لیکن اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی تھی۔ اب یہ سب چیزیں نہ اسے اٹریکٹ کرتی تھیں اور نہ ہی اسے شوق رہا

تھا، ایک وقت تھا اسے شاپنگ کا جنون ہوا کرتا تھا لیکن اب وہ وقت گزر گیا تھا۔

وہ آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے لان میں بیٹھی عمر کے سود و زیاں کے حساب میں گم تھی نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا، وہ لمحوں کا حساب نہ رکھ پائی اور اب کون سے حساب رکھ سکتی تھی جب زندگی کے گزرے ایام میں خسارے ہی خسارے رقم تھے، جانے کتنی دیر گزر گئی اس نے آنکھیں کھولیں تو پرندے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے، سورج دور کہیں پہاڑوں میں غروب ہو رہا تھا اور اندھیرے سائے ہر سو اپنے پر پھیلا رہے تھے۔ سنہری شام کی خوشبو ہر سو پھیل گئی تھی، وہ سر جھٹک کر کچن میں آ گئی۔ تانیہ آئی ہوئی تھی اس لیے ڈنر میں اہتمام ضروری تھا اس نے فریج میں سے چکن کا پیکٹ نکالا اور چائنیز کی تیاریوں میں لگ گئی، تانیہ اس گھر کی واحد فرد تھی جس کی پسند ناپسند اس کے لیے اہمیت رکھتی تھی۔ وہ فریج میں ٹرائفل کا باؤل رکھ رہی تھی جب دونوں بہن بھائی گھر میں داخل ہوئے اس نے جلدی سے مشروب تیار کیا۔ برف کے کیوبز ڈال کر جگ گلاس ٹرے میں رکھ کے باہر آئی۔

''تھینک یو عشفا سچ اس وقت ٹھنڈے مشروب کی سخت طلب ہو رہی تھی۔'' تانیہ نے مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا جبکہ نعمان اپنا گلاس لیکر کمرے میں چلا گیا تھا۔

''عشفا تمہیں پتا ہے کہ میری زندگی کی یہ ایک بہت بڑی خواہش تھی کہ میں اپنی شادی کی شاپنگ لاہور سے کروں جہاں میں پیدا ہوئی، جہاں میرے ماما بابا نے اپنی نئی زندگی کی شروعات کی۔'' وہ اسے اپنی شاپنگ دکھاتے ہوئے کہہ رہی تھی جبکہ عشفا محض مسکرا کر رہ گئی۔

''تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا تھی عشفا؟'' تانیہ نے اچانک سوال کیا۔

''میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش......'' اس نے سوچتے ہوئے تانیہ کی بات دہرائی۔

''ہاں...... ہاں بابا تمہاری خواہش۔''

''میری زندگی تو خواہشات سے بھری ہوئی تھی اور زندگی کی بہت سی خواہشات میں ایک خواہش یہ بھی تھی کہ اللہ میرے نصیب میں ایسا ساتھی لکھ دے جسے دل کا حال بتانے کے لیے لفظوں کی ضرورت نہ پڑے، وہ دل میں جھانکنے اور آنکھیں پڑھنے کے ہنر سے واقف ہو لیکن ہر خواہش پوری ہو ضروری تو نہیں۔'' وہ افسردہ سی ہو کر بولی۔

''نہیں عشفا ہر جائز خواہش ضرور پوری ہوتی ہے، بس ہمیں اللہ سے امید اچھی رکھنا چاہیے، ہر اندھیرے کے بعد اجالا ہے عشفا، بس ہمیں زندگی اور اس کی سخاوت پر یقین رکھنا چاہیے، مجھے یقین ہے، بہت جلد تمہاری زندگی میں بھی خوشیوں کی بارش ہوگی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر خلوص سے بولی تو عشفا اس کی محبت پہ مسکرا دی تھی۔

بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل غریب سہی
تمہارے نام پر آئیں گے غم گسار چلے

''پیکنگ کر لو کل ہم گاؤں جا رہے ہیں۔'' وہ ناول پڑھ رہی تھی جب نعمان نے کہا۔

''کس لیے؟'' اس نے ابرو اٹھائے تلخی سے سوال کیا۔

''پندرہ دن بعد تانیہ کی شادی ہے جانتی تو ہو۔''

''تو پھر...... میں تو نہیں جا رہی۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''میں نے مشورہ نہیں مانگا، صرف بتایا ہے۔'' اس نے بھی دوٹوک جواب دیا۔

''میں غلام نہیں ہوں جو آپ حکم سنا رہے ہیں، میں نہیں جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''ٹھیک ہے رہ لینا پھر اس گھر میں اکیلی۔ میری طرف سے جیو یا مرو۔'' وہ غصے سے بولا اس کا ہٹ دھرم لہجہ نعمان کو سلگا گیا تھا۔

''پہلے بھی تو اکیلی تھی ناں اس گھر میں جب قید کر کے لائے تھے۔'' وہ چیخی، بہت دنوں کا غصہ آج پھر امڈ آیا تھا۔

''اکیلی نہیں تھی تب بھی۔ تم کو ایک دن بھی اکیلے

چھوڑتا ناں تو عقل ٹھکانے آجاتی تمہاری یہ جو زبان چل رہی ہے نا......" وہ غصے سے بولتا ہوا باہر جانے لگا۔

"جانا ہو تو تیاری کرلینا ورنہ مرضی ہے تمہاری، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ جاتے ہوئے بولا اور غصے سے دروازہ بند کرتے ہوئے چلا گیا۔

عشفا کو اس کے انداز پہ بے حد غصہ آیا لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتی تھی اس لیے غصے کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔

٭٭٭

اسے گاؤں آئے ایک ہفتہ ہوگیا تھا ناچار اس نے نعمان کی بات مان ہی لی تھی، وہ اکیلی وہاں نہیں رہ سکتی تھی لیکن اس نے نعمان کو بھی یہ باور کروادیا تھا کہ وہ یہاں اس کی وجہ سے نہیں آئی، اس بات پہ اس نے کوئی ردعمل نہیں دیا تھا، عشفا جتنے برے موڈ کے ساتھ یہاں آئی تھی یہاں آنے کے بعد اس کا موڈ اتنا ہی اچھا ہوگیا تھا۔

کل تانیہ کو مایوں بٹھادیا گیا تھا، یہ سب اس کے لیے نیا تھا جو رسمیں اس نے کل رات دیکھیں بے حد دلچسپ تھیں اور اس نے بے حد انجوائے کیا تھا، رات تانیہ کو سندھی رسومات کے مطابق پیلے جوڑے میں ونا میں بٹھا دیا گیا تھا اور اب سات دن تک اس کا سب سے ہی پردہ تھا۔ یہاں موسم بھی خوشگوار تھا نہ سرد نہ گرم۔ پانچ دن بعد تانیہ کی شادی تھی، یہاں نعمان کے رشتے دار بہت محبت بھرے انداز میں اس سے ملے تھے، اسے بہت عجیب لگ رہا تھا، جیسے کوئی بہت عرصے بعد اپنے عزیز سے ملے اسے نعمان کے حوالے سے ان کی یہ محبت اور اس کا اظہار بالکل نہیں اچھا لگا۔ وہ کسی سے بھی نہیں بات کرتی تھی سوائے تانیہ کے، جس شخص نے اس کی زندگی عذاب بنادی تھی اس کے رشتوں سے محبت جتانا کم سے کم بڑے ظرف کی بات ہے اور وہ اپنا ظرف اتنا بڑا نہیں کرسکتی تھی اور ویسے بھی اسے کون سا ان لوگوں کے ساتھ ہمیشہ رہنا تھا یہی سوچ کر وہ ان سب سے فاصلے رکھے ہوئے تھی جہاں اتنے لوگ اس سے محبت جتا رہے تھے وہیں نعمان کی ماما اس سے خار کھا رہی تھیں، جس طرح اسے دوسرے لوگوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی اسی طرح نعمان کی ماما کی نفرت کی بھی کوئی پروا نہیں تھی، وہ اسے ایسے دیکھتی تھیں جیسے اسے کچا نگل لینا چاہتی ہوں۔

"یہ تمہاری ماما مجھے ایسے کیوں دیکھتی ہیں جیسے میں نے ان کی بھینس چرائی ہو؟" عشفا سے جب رہا نہیں گیا تو بالآخر اس نے تانیہ سے پوچھ ہی لیا۔ اس کی بات سن کر ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا، ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

"کچھ بولوگی بھی یا ہنستی ہی رہوگی؟"

"دراصل بات یہ ہے کہ ماما نعمان بھائی کے لیے اپنی نک چڑھی اور پھوہڑ بھانجی کا رشتہ لائی تھیں جو کہ آٹھویں فیل ہے، ماما نے پوری کوشش کی تھی کہ نعمان بھائی ان کی بھانجی کو اپنی دلہن بنالیں لیکن ان کے سر پہ تو عشفا ارسلان کے عشق کا بھوت سوار تھا اب کسی بھانجی بھتیجی کی گنجائش کہاں بچتی تھی بس اس لیے وہ تمہیں ایسے دیکھتی ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا پھر انہیں تمہارے بھائی کے اوپر غصہ کرنا چاہیے تھا قصوروار تو وہ ہیں۔"

"ان پر تو وہ بچپن سے غصہ کرتی آئی ہیں، تم جانتی نہیں ہو انہوں نے کتنے دکھ دیے ہیں بھائی کو ان کے ساتھ کتنی ناانصافیاں کی ہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"اچھا بس چھوڑو فضول باتیں مہندی کا فنکشن شروع ہونے والا ہے مجھے تیار ہونا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ نعمان بھی مظلوم ہوسکتا ہے اس بات پہ تو وہ مرکر بھی یقین نا کرتی۔

٭٭٭

وہ کاہی رنگ کی گھیر دار فراک پہنے ماتھے پر ٹیکہ لگائے نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی، یہ سوٹ اس کے لیے تانیہ لے کر آئی تھی، ہائی ہیلز میں اس کا دراز قد نمایاں لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پرستان کی کوئی پری راستہ بھول کر زمین پہ اتر آئی ہو، وہ خوب صورت تو پہلے بھی بہت تھی لیکن آج اتنے عرصے بعد جب وہ دل سے تیار

ہوئی تھی تو بہت ہی الگ نظر آ رہی تھی۔
نعمان نے بھی آج گرین کلر کی شیروانی زیب تن کی ہوئی تھی جس میں بلیک کا شیڈ آ رہا تھا۔ وہ بھی آج بہت ہینڈسم لگ رہا تھا، ایک پل کے لیے عشفا کی نگاہ اس پر ٹھہر سی گئی تھی لیکن پھر اس نے نظر کا زاویہ بدل لیا تھا۔
''عشفا تم تیار ہو گئی؟'' نعمان نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا۔
''جی ہو گئی ہوں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔
''گڈ...... چلو آؤ مجھے تمہیں کسی اور سے بھی ملوانا ہے۔''
''لیکن مجھے اب کسی سے نہیں ملنا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔
''ہر بات کا انکار کرنا ضروری نہیں ہوتا۔'' وہ بہت آرام سے بولا اور اس کا ہاتھ تھام کر چلنے لگا۔ وہ بہت حیرانی سے اس کے ساتھ چل رہی تھی، آج کافی دنوں بعد وہ اچھے طریقے سے بات کر رہا تھا۔ اس نے بے حد نرمی سے عشفا کا ہاتھ تھاما ہوا تھا، وہ اگر چاہتی تو بہت آسانی سے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں اس کے ساتھ چل رہی تھی۔
''آئم شیور تم ان سے مل کر بہت خوش ہو گی اور حیران بھی۔'' وہ بڑی ترنگ میں بولا۔ وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آیا تو سامنے ہی صوفے پر ایک پروقار سی خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جو موبائل پہ کسی کو ٹیکسٹ کرنے میں مصروف تھیں۔
''پھوپھو یہ دیکھیں میری دلہن۔'' نعمان اس کو وہیں چھوڑ کر اس خاتون کی پشت پہ کھڑا ہو گیا اور ناز بیگم کی نگاہ اس کی آواز پر اٹھی تو پلٹنا ہی بھول گئی تھی جیسے وہ فریز ہو گئی ہوں۔
''کیا ہوا پھوپو لگتا ہے عشفا کو دیکھ کر آپ کو سکتہ ہو گیا ہے۔'' وہ مزے سے بولا۔
جبکہ ناز بیگم عشفا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی سامنے کھڑی لڑکی کوئی اور نہیں ان کی لخت جگر تھی جس سے نعمان نے پسند کی شادی کی تھی۔
''بیٹا تم عشفا ارسلان ہو ناں؟'' کافی دیر بعد ان کے منہ سے یہ لفظ نکلا تھا۔ وہ جیسے اب بھی بے یقین سی تھیں، انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ان کی بیٹی ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے۔
''نہیں پھوپو یہ عشفا نعمان ہیں۔'' جواب نعمان کی طرف سے آیا تو جسے عشفا نے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔
''جی میں عشفا ارسلان ہوں آپ جانتی ہیں میرے پاپا کو؟'' وہ حیرانی سے بولی۔ نازنین بیگم نے اپنی بات کے جواب میں اسے آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا اور رو پڑی تھیں۔ عشفا کو ان کے انداز پہ الجھن ہوئی۔
''اف ایک سے بڑھ کر ایک ڈرامہ ہے اس شخص کی فیملی میں۔'' اس نے کوفت سے سوچا، ناز بیگم نے اب اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔
''کتنی بڑی ہو گئی ہے میری بچی، نعمان تم نے مجھے کیوں بے خبر رکھا؟'' انہوں نے شکایتی انداز میں اسے دیکھا۔
''تانیہ میرا انتظار کر رہی ہے مجھے جانا ہے۔'' عشفا ان کے والہانہ انداز پہ الجھ کر بولی۔
''کوئی نہیں انتظار کر رہا عشفا۔'' نعمان نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے یہاں سے اس لیے ہی اطمینان سے بولا۔
''لیکن مجھے الجھن ہو رہی ہے ان سے، یہ ہیں کون اور مجھ سے اس طرح کیوں پیش آ رہی ہیں۔'' عشفا کی ہمت جواب دے گئی تو اس نے کہا۔
''بیٹا میں تمہاری ماں ہوں، میرے وجود کا حصہ ہو تم۔'' نازنین کو اس کے انداز نے تکلیف ہوئی۔
''کیا بکواس ہے یہ، میری ماما میرے گھر پہ ہیں، آپ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟'' اس نے صدمے اور بے یقینی سے کہا۔
''عشفا یہ سچ کہہ رہی ہیں یہ ہی تمہاری حقیقی ماں ہیں جن سے تمہارے باپ نے تمہیں چھین لیا تھا۔'' اب نعمان بولا اور عشفا کو لگا کہ اس کا وجود ہوا کی زد پہ ہے، وہ

سوکھے بے جان پتے کی طرح ہوگئی تھی۔
"نہیں یہ نہیں ہوسکتا، جھوٹ بول رہے ہو تم۔" وہ کہہ کر روتے ہوئے بھاگ گئی جبکہ اس کے آنسوؤں نے اس کمرے میں موجود دونوں انسانوں کے دل زخمی کردیے تھے۔

"پھوپو آپ اداس نہ ہوں، وہ آج تک انجان تھی آپ کے نام سے، ظاہر ہے اس کا ردعمل فطری ہے۔" عشفا کے جانے کے بعد نعمان نے نازنین بیگم کو حوصلہ دیا۔
"وہ مجھ سے اتنی انجان کیسے ہوسکتی ہے، کیا اسے اپنے وجود سے میری خوشبو نہیں آتی، میں ماں ہوں اس کی۔" ناز بیگم سسک رہی تھیں۔
"کیسی ماں؟ جس نے صرف جنم دیا اور پھر چھوڑ دیا، کبھی اسے حاصل کرنے کی، کبھی اس سے ملنے کی کوشش تک نہ کی، ایسی ماں کو کون یاد رکھتا بھلا۔" وہ طنز سے بولا۔
"میں ایک کمزور عورت تھی ارسلان، کبھی عشفا کو مجھے حاصل نہ کرنے دیتے۔" انہوں نے جواز تلاشا۔
"عورت کمزور ہوسکتی ہے مگر ماں نہیں، عشفا کی کسٹڈی آپ سے کوئی چھین نہیں سکتا تھا اگر کوشش کرتیں آپ......"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر مجھے ایک بات بتاؤ کیا ارسلان اور عشفا کی مرضی سے تمہاری شادی ہوئی ہے......تم نے کچھ غلط تو نہیں کیا؟" اب بات اپنی بیٹی کی آئی تو انہیں درست غلط کا یاد آیا۔
"چھوڑیں پھوپو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"
"فرق پڑتا ہے، بتاؤ عشفا تمہارے ساتھ خوش ہے ناں؟" ان کو عشفا کی اتری ہوئی شکل یاد آئی تو بے چینی بڑھ گئی۔
"میں نے عشفا سے زبردستی نکاح کیا ہے اس کی مرضی کے بغیر اسے اغوا کرکے۔" اس نے بڑے سکون سے دھماکا کیا۔ نازنین کو لگا پہاڑ سے زیادہ وزنی چیز ان پر آگری ہو۔

"ارسلان احمد کو بھی احساس ہونا چاہیے کسی سے اس کی پیاری اور قیمتی چیز چھیننے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ انہوں نے ہم سے ہماری ماما اور آپ سے عشفا چھینی تھی، اب اتنی سزا تو بنتی تھی، میں نے بھی ان سے ان کی سب سے قیمتی متاع، ان کی لاڈلی بیٹی چھین لی۔" وہ سکون سے بولا۔
"نہیں نعمان تم کچھ نہیں جانتے، انجانے میں تم بہت غلط کرگئے ہو۔" وہ چلائیں۔
"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"
"تمہاری ماما کو تم سے چھیننے کا سبب وہ نہیں ہم تھے، عشفا اگر مجھ سے دور ہوئی تھی تو اس کی وجہ میری نادانیاں تھیں۔" وہ آہستہ آہستہ اسے سب بتانے لگیں۔
"تمہارے ماموں کا ساتھ پاکر میں غرور اور انا کے اونچے درجے پہ پہنچ چکی تھی اور اسی تکبر میں، میں نے اپنے ساتھ ساتھ آصفہ بھابی کا گھر بھی خراب کردیا اور اس کی سزا میں آج تک بھگت رہی ہوں اور تم لوگ بھی۔ وٹے سٹے کی شادی میں دونوں گھر برباد ہوتے ہیں ایک گھر اجڑتا ہے تو دوسرا بھی ساتھ ہی ٹوٹتا ہے۔ آصفہ میری بہنوں جیسی سہیلی تھی اور بہت ہی پیاری بھابی، یہ میری ہی غلطیاں تھیں جن کے سبب اس کی زندگی بھی برباد ہوئی اور اسی گناہ کی سزا ہے کہ زبیر جیسا شکی مزاج شوہر میری زندگی میں آیا اور میں اب تک سزا بھگت رہی ہوں، یہ میرے ہی اعمال کی سزا ہے جو تم سب کو ملی۔" وہ بول رہی تھیں اور اس کی روح جسم سے نکلتی جارہی تھی۔ یہ انجانے میں وہ کس آگ میں کود پڑا تھا، کیا کر گیا تھا۔
"اس نے اف خدایا یہ میں نے کیا کردیا؟ خود اپنے ہاتھوں اپنی محبت کو تڑپاتا رہا وہ بھی بنا کسی غلطی کے۔" زندگی حساب مانگ رہی تھی تو محبت بین کررہی تھی اور وہ خاموش بیٹھا تھا۔

ہم پہ جو گزری سو گزری مگر شب ہجراں
میرے اشک تیری عاقبت سنوار چلے

رات گہری ہوتی جارہی تھی اور وہ سب سے الگ تھلگ اندھیرے میں کھڑی اوس میں بھیگ رہی تھی۔ ایک خاموش برسات اس کی آنکھوں سے جاری تھی۔

"آخر زندگی کو اور کتنے امتحان لینے تھے، ایک اس کی ماما جان تھیں جنہوں نے اسے پالا پوسا، اس کی ہر خواہش پوری کی، اسے بہترین انسان بنایا، وہ اس کی ماما نہیں تھیں یہ کیسے ممکن تھا، چند گھنٹے پہلے ملنے والی عورت کہہ رہی تھی کہ وہ اس کی ماں ہے، کیسی ماں تھی جو اس کے لاشعور میں زندہ نہیں تھیں اگر وہ سچ میں میری ماں تھی تو اب تک کہاں تھی؟" لاکھوں سوال تھے لیکن جواب کوئی نہیں تھا، اس کی زندگی بالکل کوری تھی جو عورت اس کی اپنی ماں ہونے کا دعویٰ کررہی تھی آخر اس سے چھپی کیوں رہی؟

آنسو بوندوں کی صورت اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے، خنکی اسے محسوس ہی نہیں ہورہی تھی درد بڑھ رہا تھا۔ نعمان نے کرب سے اسے دیکھا، دل میں مزید تکلیف پیدا ہوئی، بدگمانی چھٹی تو سب کچھ صاف نظر آنے لگا تھا، وہ چپ چاپ اس کی طرف آیا آہٹ پہ عشفا نے پلٹ کر دیکھا اس کی سرخ آنکھوں نے نعمان کی تکلیف مزید بڑھادی اور پچھتاوا بھی بڑھ گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے عشفا کو خود سے قریب کیا بنا کچھ کہے بنا کچھ سنے اور وہ قریب ہوتے ہی اس کے سینے پہ سر رکھ کر بلک بلک کررو دی یوں لگتا تھا سارا درد وہ آنسوؤں کے رستے بہادے گی۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا بس خاموشی سے اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا۔

کتنی عجیب بات تھی زخم بھی اس نے دیے تھے اور مرہم بھی وہ ہی لگا رہا تھا، درد بھی دیا تھا تو بانٹ بھی رہا تھا، رقیب بھی تھا اور دوست بھی۔

❁......❁......❁

زندگی بھی کیسے کیسے موڑ پہ لا کھڑا کرتی ہے جو سوچتے نہیں وہی کرنا پڑتا ہے، ہم انسان جب اپنے بے حد عزیز رشتوں سے دور ہوتے ہیں جن سے بچھڑنے کا سوچا بھی نہیں ہوتا تو ہم ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور حالات اور وقت کی دوری ہمیں بھی جلا کر ختم کردیتی ہے پھر بس وجود رہ جاتا ہے روح فنا ہوجاتی ہے۔ اس نے بھی تو عشفا کے ساتھ یہی کیا تھا، اسے ختم کرنے، اس کی روح فنا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اللہ کا صد شکر کہ وقت پر ہی حقیقت اس کے سامنے کھل گئی تھی، ابھی وقت تھا وہ سنبھال سکتا تھا، بکھرے رشتوں کو بس تھوڑی محبت کی ضرورت تھی۔ وہ خاموشی سے عشفا کا ہاتھ تھام کر اندر کمرے میں لایا، عشفا نے بھی آج غصہ نہیں دیکھایا تھا۔

"عشفا کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا چھپا رہنا مجبوری ہوتی ہے، ماموں نے یہ بات اس لیے چھپائی کیونکہ انہیں تم سے بہت محبت ہے اور جن سے ہم محبت کرتے ہیں ان پہ کبھی دکھ کی دھوپ پڑنے نہیں دیتے، ہمیشہ خوشیوں کی پرکیف اور ٹھنڈی چھاؤں میں رکھتے ہیں، ناز پھوپو نے زندگی میں بہت غلطیاں کی ہیں جس کی سزا ہم سب بھگت رہے ہیں، ہم بظاہر خوش نظر آنے والے اندر سے، بہت ٹوٹے ہوئے ہیں، ہمیں ضرورت ہے کسی ایسے انسان کی جو ہم سب کو جوڑ دے، ہمیں تمہاری ضرورت ہے عشفا، میں چلتے چلتے تھک گیا ہوں، اب آرام کرنا چاہتا ہوں، مجھے تمہاری ضرورت ہے عشفا، تمہارے ساتھ کی، تمہاری محبت کی ضرورت ہے۔ میں اب جینا چاہتا ہوں، میں زندگی کو نیا موڑ دینا چاہتا ہوں، مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے عشفا، میں سارے رشتوں کو جوڑنا چاہتا ہوں اور تم اس میں میری مدد کرسکتی ہو، اس کے بعد تم جو فیصلہ کروگی مجھے منظور ہوگا۔" نعمان اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اس کا ہاتھ ایک امید لیے عشفا کی طرف بڑھا ہوا تھا۔

کتنی عجیب بات تھی جس سے اس نے ہر خوشی چھین لی تھی آج اس سے ہی اپنی خوشیوں کے لیے سوال کررہا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے نعمان کو دیکھ رہی تھی، دل کہہ رہا تھا ہاتھ بڑھادو، دماغ انکار کررہا تھا کہ اب نہیں دھوکہ کھانا پھر اس نے دل کی مان لی اور ہاتھ نعمان کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں رکھ دیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اس پہ

یقین کرلیا تھا، اس کا ساتھ چنا تھا لیکن اس بار وجہ محبت نہیں تھی اس بار عشفا نے نعمان کا ساتھ ٹوٹے بکھرے رشتے کو جوڑنے کے لیے قبول کیا تھا۔

تانیہ رخصت ہوگئی تھی، وہ بہت خوش تھی، نعمان بھی بہت خوش تھا، عشفا گاؤں میں ہی رک گئی تھی سو نعمان کو بھی رکنا پڑا، انہیں گاؤں آئے مہینہ ہوگیا تھا، عشفا کو پاپا بہت یاد آرہے تھے، دل بہت مضطرب تھا، آج حارث، اسفند، طیبہ چچی، چاچو، مما جان سب یاد آرہے تھے لیکن مجبوریوں نے اسے باندھ دیا تھا۔ دل کہتا تھا سب چھوڑ چھاڑ کر اپنے پیاروں کے پاس چلی جائے لیکن مجبوریاں روکے ہوئے تھیں۔ یاد بھی تتلی کے پروں کے رنگوں کی طرح ہوتی ہے خوب صورت بے حد خوب صورت مگر ہم اسے قید نہیں کرسکتے پر وہ ہمیں قید کرلیتی ہے اپنے حصار میں اور پھر ہم سب کچھ بھول کر کسی اور ہی جہاں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے ابھی اسے کرلیا تھا۔

''تمہیں میری قدر تب محسوس ہوگی جب میں تمہاری دسترس سے دور ہو جاؤں گا، تم مجھے پکارنا چاہو گی مگر پکار نہیں پاؤ گی، تب تمہارے پاس میری یادیں ہوں گی اور تب تم اپنے سچے دوست کی اصل قیمت پہچانو گی۔'' اسے اسفند کا کہا جملہ اب شدت سے یاد آرہا تھا اور یہ سچ بھی تھا کہ اسے اسفند آج بہت یاد آرہا تھا لیکن وہ چاہ کر بھی اسے پکار نہیں پائی تھی، سچے اور قریبی دوست دور ہو گئے تھے، وقت کی مٹھی سے لمحے پھسل گئے تھے اور وہ پکڑ نہ پائی تھی، انسان کیا کیا منصوبے بناتا ہے یہ سوچ بغیر کے تعبیر تو اس رب ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو کیا کچھ نہیں کرسکتا، ہمارا ہر عمل اس کی چاہ کا محتاج ہے۔

تاب لائیں گے نہ سننے والے
آج وہ نغمہ چھیڑا ہے دل نے

آج ایک سال ہوگیا تھا عشفا کو دیکھے، کہنے کو تو یہ سال لمحوں میں گزر گیا تھا مگر کوئی اس کے دل سے پوچھتا کہ یہ ایک سال اس نے کس طرح گزارا ہے، لمحہ لمحہ صدی بن کے گزرا تھا، یادوں نے دن کا سکون چھینا تھا تو راتوں میں تڑپایا تھا، انتظار کی اذیت کس قدر جان لیوا ہوتی ہے کوئی اسفند شہباز سے پوچھتا، جس کے دل میں عشفا ارسلان کے لیے صرف محبت ہی نہیں تھی بلکہ اس محبت کے ساتھ بے پناہ عزت بھی تھی، اس نے عشفا کے جانے کے بعد بھی ہر لمحہ اس کے لیے دائمی خوشیوں کی دعا کی تھی۔ محبت صرف پالینے کا نام نہیں ہے، محبت محبوب کی خوشی میں خوش ہونے کا نام بھی ہے۔ کوئی اس کے درد کا اس کی محبت کا اندازہ کیسے لگا سکتا تھا جس نے عشفا ارسلان سے بے حد اور بے لوث محبت کی تھی، جس کے خواب برسوں اپنی آنکھوں میں سجائے تھے۔

وہ خواب جنہیں پوری طرح سے آنکھوں میں سجایا گیا وہ اگر ٹوٹ جائیں تو پھر انہیں سمیٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے لیکن لڑکیاں ان ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں سے زخمی ہوئے پیروں سے چل کر آنکھوں کے آنسو چھپائے، لبوں پہ مسکان سجائے حوصلہ مندی سے جیتی ہیں، اسے بھی جینا پڑ رہا تھا، اس نے گاؤں میں رہنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ نیا سال شروع ہوئے بھی دو ماہ گزر گئے تھے بہار کا موسم تھا مگر اس کے دل پہ تو وہ ہی خزاں کا موسم چھایا ہوا تھا۔ نعمان لاہور واپس چلے گئے تھے یہاں رہ کر اسے اندازہ ہوا کہ نانا نانی جن سے کچھ ماہ پہلے ہی ملی تھی کس قدر مشکل زندگی گزار رہے تھے، ماموں سب دیکھ کر بھی چپ تھے۔ اس نے کچن کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی اس سے کم از کم ان کو کھانا تو اچھا اور وقت پر مل رہا تھا۔

وہ ان کی تنہائی کے خیال سے ہر دم ہولتی رہتی تھی، ممانی اسے دیکھ کر الٹے سیدھے منہ بناتی مگر کہتی کچھ نہیں تھی، اب بھی وہ کچن سے فارغ ہونے کے بعد نہانے کے لیے آئی تھی اس کا کمرہ دوسری منزل پہ تھا فریش ہونے کے بعد وہ واپس نیچے آرہی تھی اس کا دھیان اس وقت کہیں اور ہی تھا اور یہ ہی وجہ تھی کہ سیڑھیوں پہ گرا تیل وہ دیکھ نہیں پائی

تھی اور بے دھیانی میں اس کا پیر تیل پہ پڑا اور وہ پھسلتی ہوئی سیڑھیوں سے گرتی نیچے چلی آئی تھی۔ آخری سیڑھی تک پہنچتے ہی وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔ اسے جب ہوش آیا تو وہ ہاسپٹل میں تھی، ہاتھ پہ پلاسٹر بندھا ہوا تھا جبکہ دائیں پیر پہ بہت تکلیف تھی، سامنے ہی ماموں جان مامی کو بری طرح ڈانٹ رہے تھے جبکہ وہ حیران پریشان ان کی ڈانٹ سن رہی تھیں۔ انہیں آج تک رضا صدیقی نے کچھ نہیں کہا تھا چاہے وہ نعمان و ثانیہ کے ساتھ جو بھی کرتی رہیں اور آج ایک غیر لڑکی کے لیے وہ اسے ڈانٹ رہے تھے، تذلیل کے مارے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''پلیز ماموں جان مامی کی کوئی غلطی نہیں، سیڑھیوں پر تیل مجھ سے گرا تھا اور بے دھیانی میں میرا ہی پیر پھسل گیا مامی کو مت ڈانٹیں پلیز۔'' وہ بمشکل بول پائی۔

اب کہ مامی نے بھی اسے حیرت سے دیکھا، تیل سیڑھیوں پہ انہوں نے ہی گرایا تھا وہ عشفا کو سبق سکھانا چاہتی تھی مگر ہر بار وہ لڑکی انہیں بچا لیتی تھی آخر کیوں انہیں سمجھ نہ آئی تو پیر پٹخ کر باہر چلی گئی تھیں۔

……

نعمان کو جب عشفا کا پتا چلا وہ پہلی فلائیٹ سے ہی گاؤں آ گیا۔ ماموں گھر پہ نہیں تھے، نانا سوئے ہوئے تھے، نانو بھی آرام کے لیے لیٹی ہوئی تھیں، عشفا بھی اس وقت گہری نیند میں تھی جب نعمان کمرے میں آیا اور اس کے ہاتھ پہ بندھا پلستر دیکھ کر انتہائی طیش میں زارا سے لڑنے پہنچ گیا، آج سے پہلے کبھی اسے اتنا غصہ نہیں آیا تھا جتنا اب آ رہا تھا۔

''آپ نے ساری عمر ہمیں کبھی اپنا نہیں سمجھا، ہم پہ ہر طرح کے ظلم ڈھائے ہم پھر بھی خاموش رہے کیونکہ آپ سوتیلی تھیں مگر تھی تو ہماری ماں، آپ سے محبت کی امید رکھتے ہوئے ہم بچے سے بڑے ہو گئے لیکن سوائے نفرت کے آپ ہمیں کچھ نہ دے پائیں، زندگی میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا یاد نہیں جب آپ کے وجود سے ہمیں درد نہ ملا ہو لیکن ہم پھر بھی چپ رہے سب برداشت کرتے

رہے مگر آج میری برداشت ختم ہوگئی، آپ اس لڑکی کو تکلیف دے رہی ہیں جو بنا کسی مفاد کے اپنوں سے دور آپ کے پاس رہ رہی ہے تاکہ آپ کی تنہائی دور کرسکے، آپ کی زندگی میں جو اندھیرے بھر گئے ہیں ان کو ختم کرسکے، آپ کا ذرا دل نہیں کانپا اس معصوم لڑکی کو تکلیف دیتے ہوئے۔" غصے سے اس کی آواز پھٹ رہی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"اگر آج آپ کی بیٹی ہوتی اور اس کے ساتھ کوئی ایسا کرتا تو کیا آپ کا دل پھر بھی نہ دکھتا شاید اللہ نے آپ کو اس لیے کوئی اولاد عطا نہیں کی کیونکہ آپ کے دل میں ماں والا کوئی احساس ہی نہیں، آپ کے اندر صرف غصہ، انتقام اور حسد ہی بھرا ہے۔" بیتے سالوں کا دکھ اور اذیت آج زبان کے راستے باہر آرہا تھا اور زارا بیگم خاموش کھڑی تھیں، آج انہیں اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا۔

"نعمان پلیز آپ ممانی سے بدتمیزی نہ کریں میں کہہ رہی ہوں ناں کہ ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔" وہ لنگڑاتے پیر کے ساتھ عجلت میں سیڑھیاں اتر کر ان کے درمیان آگئی تھی، اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔

"ممانی پلیز آپ مائنڈ نہ کریں نعمان کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔" عشفا نے شرمندگی سے ایک ہاتھ سے ان کا ہاتھ تھاما، اس کا انداز التجا لیے ہوئے تھا۔

"چلو عشفا جو لوگ پتھر ہوچکے ہوں ان پر یہ جذبے لٹانا بے وقوفی ہے، یہ ہر احساس سے عاری اور وہ بے حس ہوچکی ہیں۔" وہ اس کو بانہوں کے حصار میں لیے پلٹ گیا، عشفا نے پلٹ کر مامی کو دیکھا زارا بیگم کسی پتھر کی طرح ساکت کھڑی تھیں۔

"نعمان آپ کو مجھے وہاں سے نہیں لانا چاہیے تھا۔" کمرے میں آکر عشفا نے اس کا حصار توڑ کر برہمی سے کہا۔

"میں یہ سب آپ کے لیے نہیں کررہی، میں یہ سب اپنے لیے کررہی ہوں، اپنی ماں کے سکون کے لیے کررہی ہوں یہ سب، آج وہ جو بکھری ہوئی زندگی گزار رہی ہیں، ان کا سبب میری ماں کی نادانیاں ہیں اور ماں کی غلطیوں کی سزا تو بیٹیوں کو ہی بھگتنی پڑتی ہے ناں آپ پلیز میری کوشش کو برباد نہ کریں۔" اس نے التجائی انداز میں کہا بس ہاتھ جوڑنے کی کسر باقی رہ گئی تھی انداز وہی تھا۔

"اب آپ یہ فضول سی ہمدردی کرنا بند کردیں اور آپ نے میرے جذبوں کا قتل کردیا، اب ان پر بین کرنا بھی بند کردیں۔" اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں کمرے سے جڑی اسٹڈی میں چلی گئی اور وہ افسوس سے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

گرمیوں کی دوپہریں بہت طویل ہوتی ہیں، خاموش لیکن بہت کچھ کہتی ہوئی اور اگر آپ تنہا ہوں تو یہ تنہائی شدت سے محسوس ہونے لگتی ہے۔ نعمان کو گاؤں آئے مہینہ ہونے کو آرہا تھا، گھر کے حالات بھی کافی بہتر ہوگئے تھے، اس دن کے بعد سے زارا بیگم بہت خاموش ہوگئی تھی اور اب تانیہ اور نعمان کا بہت خیال رکھتیں۔ تانیہ جو کہ آج کل گاؤں رہنے آئی ہوئی تھی وہ اس کایاپلٹ پر حیران اور خوش بھی تھی کہ چلو اس کی دعا قبول ہوگئی، البتہ زارا بیگم عشفا کا سامنا کم ہی کرتی تھیں، جھجک تھی اور اگر وہ عشفا کے لیے کچھ خاص پکاتی بھی تھیں تو ملازمہ یا تانیہ کے ہاتھ بھجوادیتی تھیں، ایک شرمندہ سا تاثر ان دونوں کے درمیان ٹھہر سا گیا تھا۔

آج عشفا کا پلاسٹر کھل گیا تھا وہ اور نعمان کچھ دیر پہلے ہی اسپتال سے لوٹے تھے، زارا بیگم نے مالٹوں کا تازہ جوس نکال کر ملازمہ کے ہاتھوں دونوں کے لیے بھیجا تھا۔ نعمان تو خاموشی سے جوس پی کر لیٹ گیا مگر وہ اپنا گلاس لے کر زارا بیگم کے کمرے میں آگئی تھی۔ اسے اس طرح اچانک دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ حیران ہوئیں مگر پھر خوش دلی سے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں ممانی جان؟" رسمی خیر خیریت پوچھ کر اس نے یہ سوال کیا۔

"نہیں میری جان تم تو اتنی اچھی ہو کہ تم سے کوئی خفا ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ پیار سے بولیں۔

"پھر آپ مجھے نظر انداز کیوں کر رہی ہیں؟ پتا ہے کتنی تکلیف ہوتی ہے جب وہ انسان ہمیں نظر انداز کرے جس کی توجہ کے ہم پیاسے ہوں؟" وہ معصومیت سے بولی۔

"نہیں بیٹا ایسا نہیں ہے، آئی ایم سوری اگر آپ کو ایسا لگا ہو تو اور مجھ سے بہتر نظر انداز کیے جانے کے درد سے کون واقف ہو سکتا ہے جس نے ایک عمر تمہاری ماموں کی توجہ کا انتظار کیا ہے۔" وہ دھیمے انداز میں اس سے اپنے دل کی بات کر رہی تھیں۔

"نہیں ممانی جان آپ سوری نہ کہیں، آپ میری بڑی ہیں، آپ کوئی بھی چیز میرے لیے پکاتی تو خود نہیں دیتی تھیں اس لیے مجھے محسوس ہوا اگر آپ خود دیتیں تو مجھے زیادہ اچھا لگتا۔"

"خود سے تمہیں کچھ بھی دینے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی بیٹا، میں تم سے شرمندہ تھی، تم نے جس طرح بے غرض ہو کر مجھ پہ اپنی محبتیں لٹائی اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی کی اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تمہاری پھوپو بھی ایسی ہی عظیم انسان ہوں گی تب ہی تو رضا آج تک ان کو دل سے نکال نہیں پائے۔" آخری الفاظ انہوں نے دکھ سے کہے۔

"ممانی جان ایک بات کہوں اگر آپ یہ کوشش کریں کہ ماموں کے دل میں اپنی جگہ بنا سکیں تو آپ کے دل میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آئے گا کہ ان کے دل میں کوئی اور بھی ہے پھوپو، ماموں کی زندگی میں آپ سے پہلے تھیں اور چلی گئیں لیکن اب ان کی زندگی میں صرف آپ ہیں۔ وہ ان کی پہلی بیوی اور پہلی محبت تھیں جسے چھین لیا گیا، غلط فہمیوں کا شکار ہو کر یہ محبت ان سے چھینی گئی تھی اگر آپ پھوپو کی جگہ لینے کی بجائے اپنی جگہ بنانے کی کوشش کریں تو زیادہ خوش رہیں گی، ماموں تو اپنی محبت کی یادوں کے مجاور بن گئے ہیں، ان کا ساتھی ان سے چھن گیا ہے، اب ان کے پاس آگے بڑھنے کا راستہ نہیں ہے اس لیے وہ اس دشت و بیاباں میں گھوم رہے ہیں ان کو آپ کی ضرورت ہے، آپ انہیں راستہ دکھائیں ناں ممانی جان۔" وہ کرب سے بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور زارا بیگم کو سوچوں کے حوالے چھوڑ آئی تھی۔

ایک مدت ہوئی تازہ ہیں تیری یاد کے زخم
یہ نہیں اب کسی تریاق سے بھرنے والے

ماموں کو بھی اب احساس ہو گیا تھا کہ زارا بیگم ان کی زندگی کا حصہ ہیں، اتنے سال بیتی یادوں میں رہ کر وہ ان کے ساتھ زیادتی کرتے آئے تھے اس لیے اب دن بدن ان کا رویہ درست ہو رہا تھا زارا بیگم کے ساتھ، شوہر کی توجہ پا کر اب زارا بیگم بھی بے حد خوش تھیں، ثانیہ بھی نمیر کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی تھی نعمان بھی واپس لاہور آ گئے تھے۔

ستمبر کا مہینہ ستمگر تھا حبس اور گرمی شدید تھی، کچن میں کھڑے ہو کر کام کرنا مشکل تھا، لوڈ شیڈنگ کا تو یہ عالم تھا کہ بجلی بھی گویا جانے کے لیے ہی آتی تھی اور بارہ بارہ گھنٹے غائب رہتی تھی اس نے اتنی لوڈ شیڈنگ نا لاہور میں دیکھی تھی اور نا کراچی میں، یہاں بہت مسائل تھے ان سب کا اس نے پہلے کہاں سامنا کیا تھا لیکن خیر اب تو اس نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔

وہ ان دو سالوں میں یکسر بدل گئی تھی کوئی دیکھتا تو حیران رہ جاتا، اس نے دوسروں کے لیے جینا سیکھ لیا تھا ایک وقت تھا جب وہ خوش رہنے کے بہانے ڈھونڈتی تھی اور اب وہ دوسروں کو خوش رکھنا چاہتی تھی۔ زندگی میں جو اک کمی کا احساس تھا وہ اب نہیں رہا تھا اب ہنسنا بھول گئی تھی۔ دل سے مسکرائے ہوئے تو اسے عرصہ گزر گیا تھا۔

ناز بیگم سے جن کو وہ اب ماما بولتی تھی اس کی دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی وہ جب گھر آتی تھی تو عشفا ان کے سامنے نہیں آتی تھی۔ وہ انہیں اب تک خود سے لاپروا رہنے کی سزا دے رہی تھی شاید مگر اب اس نے ان سے ملنے کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ ماموں سے اجازت لے کر پہلی بار

ڈرائیور کے ساتھ ناز بیگم کے گھر قدم رکھ رہی تھی، وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمانے بھر کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کردیں، زارا بیگم کی وجہ سے باقی سب بھی اسے بہت عزت دے رہے تھے۔ وہ اسے اپنے بیڈروم میں لے آئیں، وہ اصرار کررہی تھیں کہ آج عشفا ان کے پاس ہی رک جائے آج پہلی بار اس نے اپنی ماں کے ہاتھ کا پکا کھانا کھایا تھا نجانے کیوں آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے گالوں پہ پھسلتے چلے آئے تھے اور وہ روتی ہوئی ان کے گلے لگ گئی تھی سالوں کا خالی پن آج آنسوؤں کے ساتھ بہہ گیا تھا۔

"ماما مجھے سمجھ نہیں آرہا میں اپنے دل کی بات آپ سے کیسے کہوں، آپ سے ملنے سے پہلے مجھے بہت سی شکایات تھیں آپ سے لیکن یہاں آکر وہ سب دم توڑ گئی، آپ بے شک میری ماں ہیں، میں اس حقیقت سے نا نظر چرا سکتی ہوں اور نا ہی انکار کرسکتی ہوں، آپ نے مجھے جنم دیا ہے، میری ماں ہیں آپ مگر اس سے بڑی حقیقت ماما جان ہیں جنہوں نے مجھے پالا پوسا، مجھے جنم نہیں دیا مگر میری اتنی بہترین تربیت کی اور کبھی مجھے احساس نہ ہونے دیا کہ میں ان کی سگی بیٹی نہیں ہوں اور ماما جان سے مجھے بے حد اور شدید ترین محبت ہے۔ آپ کی غلطیوں کی سزا آپ کو مل چکی ہے، جو رشتے آپ کی وجہ سے بکھر گئے تھے اب جڑ گئے ہیں، اندھیرے دور ہوگئے ہیں، اب پلیز آپ بھی اپنی زندگی کی خوشیوں کو محسوس کریں۔" وہ انہیں پیار سے سمجھا رہی تھی اور نازنین بیگم حیران تھیں کہ ان کی بیٹی ان سے کتنی مختلف تھی۔ اتنی مثبت سوچ کی مالک۔

"مما زندگی میں کی گئی غلطیوں سے ہمیں سیکھنا چاہیے تاکہ انہیں روگ زندگی بنا کر باقی خوشیوں سے بھی منہ موڑ لیں، میں کوشش کروں گی اب ان رشتوں کو کبھی ٹوٹنے نہ دوں، کبھی بکھرنے نا دوں۔ زندگی میں آنے والی خوشیوں کو ویلکم کریں اور جو رہ گئے ہیں رشتے ان کی قدر کریں۔ آپ دعا کیجیے گا اللہ میری اداسیاں مٹا دے، میرے راستے آسان کردے، میری منزل جو دھند میں لپٹی ہوئی ہے اور مجھے نظر نہیں آرہی مجھے نظر آجائے، آپ ماں ہیں میری اور مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے ماما جان۔" وہ رسان سے بول رہی تھی۔ سالوں بعد ممتا کی گود میسر آئی تھی، اپنا سر رکھ کے وہ سارے دکھ کہتی گئی، جب وہاں سے لوٹی تو بے حد پرسکون تھی، غم کے بادل اور اندھیرے چھٹ رہے تھے بہت جلد خوشیوں کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔

اکتوبر کی وہ ایک سلونی سی شام تھی جب تانیہ ایک خوب صورت بیٹی کی ماں بن گئی تھی، اس کے گھر رحمت آئی تو وہ بہت خوش تھی اور تانیہ نے اس کا نام ایمان فاطمہ رکھا تھا۔ ایمان دو مہینے کی ہونے والی تھی اور عشفا چاہنے کے باوجود تانیہ اور بچی سے ملنے نہ جاسکی تھی، اب تو تانیہ بھی ناراض ہوگئی تھی پھر سے دسمبر کی اک سرد شام نعمان اسے لینے آیا تھا، وہ لوگ اسلام آباد تانیہ کے گھر آئے تھے، تانیہ اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی، عشفا نے ایمان کو بہت پیار کیا وہ پری بہت خوب صورت تھی۔

عشفا خوش رہ کر بھی خوش نہ تھی، دو سال ہوگئے تھے اسے اپنوں سے جدا ہوئے، دسمبر کے مہینے میں اس کی تکلیف کی شدت میں اضافہ ہوجاتا تھا، اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس مہینے کو اپنی زندگی سے نکال دیتی۔ کل رات بھی بے حد بوجھل گزری تھی، اداسی مسلسل گھیراؤ کیے ہوئے تھی، تانیہ اس کی اداسی محسوس کررہی تھی اس لیے مجبور کرکے اسے شاپنگ پر لے آئی، نعمان نے زبردستی اپنا کریڈٹ کارڈ اس کے حوالے کردیا تھا اس لیے اب وہ دونوں شاپنگ کررہی تھیں۔ عشفا ایمان کا پرام چلا رہی تھی، وہ دونوں باتیں کرتی چل رہی تھی کہ اچانک تانیہ کسی سے ٹکرائی اور اس کو دیکھ کر عشفا کا خون جیسے جم گیا اور اس ایک لمحہ میں تیزی سے ایمان کو لے کر گاڑی تک لائی وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس شخص کی نظر اس پر پڑے تانیہ اس اجنبی سے ایکسکیوز کرتی تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

"اوہ یار ہوا کیا ہے آخر عشفا وہاں سے اتنی تیزی سے کیوں بھاگیں جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو؟" تانیہ نے اس

کے پیچھے آ کر حیرانی سے سوال کیا۔

"تانیہ پلیز چلو یہاں سے جتنا جلدی ہو سکے، مجھے لے چلو یہاں سے۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولی، اتنی ٹھنڈ میں بھی اس کا چہرہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا اس نے تانیہ کی بات پہ کوئی تبصرہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ تانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور کار اسٹارٹ کی، وہ سمجھ گئی تھی کہ ضرور کوئی بات ہے جو عشفا بتانا نہیں چاہ رہی۔

٭٭٭

میں کہ اک صبر کا صحرا نظر آتا ہوں تجھے
تو جو چاہے تو تیرے واسطے دریا رو دوں

"نعمان پلیز مجھے یہاں سے فوراً جانا ہے۔" اس نے گھر آتے ہی نعمان سے کہا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جلد سے جلد یہ شہر چھوڑ جائے۔

"لیکن کیوں؟ اتنی اچانک آخر ہوا کیا ہے عشفا، تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟" وہ حیرانی اور پریشانی سے بولا۔

"پلیز میں پہلی بار آپ سے درخواست کر رہی ہوں کوئی سوال نہ کریں بس مجھے یہاں سے لے جائیں۔" وہ نعمان کا بازو تھامے التجا کر رہی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ابھی رو دے گی اور پھر نعمان نے کوئی سوال نہ کیا اور چپ چاپ اسے لے کر واپس لاہور آ گیا، سب نے انہیں لاکھ روکنے کی کوشش کی مگر وہ پہلی فلائٹ سے ہی لاہور آ گئے تھے۔

عشفا نے گھر آتے ہی خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا اتنے سالوں بعد کسی اپنے کو دیکھا تو دل بے قابو ہو گیا تھا۔ جن لوگوں کی نگاہوں میں ہمیشہ اپنے لیے محبت دیکھی ہو ان کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کے رنگ دیکھنا اتنا ہی تکلیف دہ ہے جتنی کہ موت، وہ کیسے اس کا سامنا کر سکتی تھی نہیں وہ زندگی میں کبھی بھی اسفند کا سامنا نہیں کر سکتی جو کچھ اس نے کیا تھا اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ کسی بھی اپنے کا سامنا کر سکے وہ اسفند کے اتنے پاس جا کر بھی واپس لوٹ آ گئی تھی۔

٭٭٭

وہ کافی شاپ میں اپنے دوستوں کے ساتھ داخل ہو رہا تھا جب ہی ایک لڑکی اس سے ٹکرائی تھی غلطی اس کی ہی تھی وہ اپنے خیالوں میں گم تھا اس لیے وہ سوری کر کے آگے بڑھ گیا تھا جواباً اس لڑکی نے بھی معذرت کی تھی جب کہ اس کے ساتھ ہی دوسری لڑکی پرام میں بے بی کو لے کر تیزی سے اس کے پاس سے گزری تھی اس کا انداز عجلت سے بھرپور تھا اس کی ایک نظر اس لڑکی پر پڑی تھی اور اس نظر کے دوران ہی وہ دوسری لڑکی بھی 'سوری' کہتی آگے بڑھ گئی تھی، وہ سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگا تھا ابھی اس نے ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ اس کے دماغ میں کلک ہوا وہ یک دم مڑا اور دیوانہ وار گاڑی کی طرف بھاگا مگر وہ گاڑی دور جا چکی تھی اس نے ان کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا تھا اور پھر اس نمبر کے ذریعے گھر کا ایڈریس معلوم کروا کر دو دن بعد وہ ان کے گھر تھا۔

"مجھے عشفا ارسلان سے ملنا ہے۔" اس نے تانیہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا، بلیک پینٹ اور وائٹ ڈریس شرٹ پہنے وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ تانیہ نے حیرت سے اس اجنبی کو دیکھا۔

"لیکن آپ ہیں کون اور عشفا کو کیسے جانتے ہیں، ہمارے گھر کا ایڈریس کیسے معلوم ہوا؟" تانیہ نے حیرت سے کئی سوال ایک ساتھ پوچھ لیے، اس کے شوہر اس وقت آفس میں تھے اور اس نے اسے یہ سوچ کر ہی اسے اٹینڈ کیا تھا کہ شاید وہ نمیر کے فرینڈ ہوں۔

"میں اسفند شہباز ہوں، عشفا ارسلان کا کزن۔" اس نے آہستہ آہستہ ساری بات تفصیل اسے بتائی تو تانیہ حیرت سے اسے سن رہی تھی۔

"آپ اسفند شہباز ہیں مطلب شہباز ماموں کے بیٹے او گاڈ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ عفان بھائی اور ارتج کیسے ہیں اور باقی سب؟" وہ خوشی سے چہک اٹھی، اس کی خوشی کا اندازہ اس کے چہرے سے بھی ہو رہا تھا۔

"وہ سب ٹھیک ہیں لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں اور آپ سب کو جانتی کیسے ہیں؟" اب کے حیران ہونے کی باری اسفند کی تھی۔
"میں تانیہ رضا ہوں نعمان بھائی کی بہن اور رضا صدیقی اور آپ کی آصفہ پھوپو کی بیٹی۔" اس نے مختصراً اپنا تعارف کرایا۔
"اوہ رئیلی...... آپ تانیہ رضا ہیں۔" اس نے خوشی سے پوچھا۔
"مطلب میری بچپن کی فرینڈ اور ڈیئر کزن۔" اسے تانیہ سے مل کر بے انتہا خوشی ہوئی پھر تانیہ نے اپنے شوہر کے آنے تک اسے بٹھائے رکھا، نمیر کے آنے کے بعد ان سب نے مل کر کھانا کھایا، نمیر بھی اسفند سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے، تانیہ نے عشفا کا ایڈریس بھی اسے دے دیا تھا پر اسفند نے اسے عشفا کو اپنے بارے میں بتانے سے منع کر دیا تھا وہ ایک بہت اچھا وقت اور یادگار دن گزار کر لاہور روانہ ہوا تھا۔

✿ ✿

"میں اسفند شہباز ہوں۔" دوسرے دن وہ عشفا کے گھر تھا، اتوار کی چھٹی ہونے کی وجہ سے اس وقت نعمان بھی گھر پہ ہی تھا اور اب وہ ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا نعمان سے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔
"جانتا ہوں تم عشفا سے ملنے آئے ہو بلاتا ہوں اسے۔" وہ سکون اور سنجیدگی سے بولا اور کچھ ہی دیر میں عشفا اس کے سامنے گنگ سی کھڑی تھی۔
"آپ یہاں کیسے؟" کافی دیر بعد اس کے لبوں سے جملہ نکلا، وہ شاک میں نظر آ رہی تھی۔
"کیسی ہو عشفا؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے بے تابی سے بولا، اتنے عرصے بعد اسے اپنے سامنے دیکھ کر جیسے اسے اپنی ہی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے یہ خواب ہے آنکھ کھولے گا تو وہ پھر اوجھل ہو جائے گی۔
"میں خوش ہوں اسفند۔" وہ پھیکی ہنسی ہنستی بولی۔
"اچھی بات ہے مگر میں نے پوچھا تھا تم کیسی ہو؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔
"پاپا کیسے ہیں اسفند؟" اب کے عشفا نے اس کا سوال نظر انداز کر کے بے چینی سے پوچھا، آنسوؤں سے اس کی آنکھیں بھر گئی تھیں۔
"جیسے تم چھوڑ کر گئی تھیں وہ ویسے نہیں رہے اب، خود کو بہت مضبوط ظاہر کرتے ہیں لیکن تمہارا غم انہیں اندر ہی اندر کمزور کر رہا ہے۔" اس نے دکھ سے کہا۔ عشفا نڈھال سی صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔
"میں تمہیں لینے آیا ہوں عشفا واپس لوٹ چلو تم خوش نہیں ہو اور ٹھیک بھی نہیں لگ رہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا کرب سے بولا۔
"میں اب لوٹ کر نہیں آ سکتی اسفند، میں اب عشفا ارسلان نہیں عشفا نعمان بن گئی ہوں، اب فیصلوں کی ڈور میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔" وہ دکھ سے بولی۔
"تم پیکنگ کرو میں نعمان سے بات کرتا ہوں۔" اسفند نے حکمیہ انداز سے کہا اور وہ اٹھ گئی خاموشی سے بنا کوئی تاثر دیے۔

✿ ✿

اپنی زندگی کے دو سال اور دس دن بعد وہ اس گھر میں داخل ہو رہی تھی، جو اس کا اپنا تھا، جہاں کبھی تھک کر کبھی روٹھ کر اس گھر کے ہی کسی کونے میں وہ روئی تھی، اس گھر کے اک اک گوشے سے اس کی یادیں وابستہ تھیں، یادیں جو ٹھنڈی میٹھی اور پرکیف تھیں، یادیں جن میں زندگی مسکراتی تھی، وہ ہی یادیں ایک بار پھر اس کے من کے دروازے پہ دستک دے رہی تھیں۔ اس نے اسفند کے ساتھ گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا نا جانے کیا بات تھی۔ آج سب ہی گھر پہ موجود تھے طیبہ، حارث، ماما، پاپا سب کے سب ایک ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔
وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو سب سے پہلے پاپا کی نظر اس پر پڑی، اسے دیکھ کر پاپا کا چائے کا سپ لیتا ہاتھ

وہیں تھم گیا ان کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ عشفا ان کے سامنے کھڑی ہے۔

"پاپا......" اس کے منہ سے سسکی نکلی اور وہ دوڑتی ہوئی ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے وہ یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی احترام اور محبت کی چاہ سے۔

پاپا جو اس سے سخت ناراض تھے ان کی ناراضگی پل میں ہوا ہوگئی، اپنی لاڈلی کی طرف دیکھتے وہ پہلی ہی نظر میں اس کی ہر غلطی معاف کر چکے تھے، انہوں نے ایک لمحے میں ہی اس کا حال دل جان لیا تھا اور اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا تھا۔ انہیں اپنی بیٹی پر خود سے بھی بڑھ کر یقین تھا ان کے لیے یہ ہی کافی تھا کہ ان کی جان سے پیاری بیٹی ان کے سامنے ہے، وہ ان والدین میں سے ہرگز بھی نہیں تھے جو بیٹی کو بوجھ سمجھتے ہیں اور ان پر یقین نہیں رکھتے۔ ارسلان احمد نے تو عشفا کو ہمیشہ باپ سے زیادہ دوستوں کی طرح سمجھا تھا۔

دو سالوں سے جلتے عشفا کے وجود کو جیسے ٹھنڈی چھاؤں میسر آگئی تھی، وہ پرسکون ہوگئی تھی، اس کے گھر والے اس پر اعتماد کرتے تھے یہ اعزاز اس کے لیے سب سے بڑھ کر تھا۔ وہ سب سے مل کر اپنے کمرہ کی طرف آئی، اس کا کمرہ اب بھی ویسا کا ویسا ہی تھا جیسا وہ رکھتی تھی، ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، الماری میں سے اپنے کپڑے نکال کر وہ باتھ لینے چلے گئی۔ نہانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے بیڈ پر لیٹی تو ذہن پرسکون ہوا تو جیسے سب کچھ اپنے معمول پہ آتا گیا، وہ کب نیند کی گہری وادیوں میں کھوئی اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

اتنے لمبے عرصے بعد پرسکون اور میٹھی نیند سوئی تھی اس کی آنکھ رات کے دس بجے کھلی، اسے بھوک کا احساس ہوا تو کچھ کھانے کی غرض سے وہ کمرے سے باہر آئی تو پتا چلا ابھی تک کسی نے ڈنر نہیں کیا سب ہی اس کے انتظار میں تھے۔ ڈنر میں مما نے سب کچھ اس کی پسند کا پکایا تھا۔

اب جب وہ سب حقیقت جان گئی تھی تو اسے ماما سے پہلے سے بھی شدید محبت محسوس ہونے لگی تھی وہ دنیا کی سب سے بہترین ماں تھیں۔ حارث، طیبہ اور اسفند کی چھیڑ خانیاں عروج پہ تھیں، کھانے کے بعد وہ چائے بنا کر لائی اور سب کو دینے کے بعد وہ اپنا اور پاپا کا کپ لے کر اسٹڈی میں ان کے پاس آگئی، بہت ساری باتیں کرنی تھی اسے آج پاپا سے۔

"پاپا آپ مجھ سے کوئی سوال نہیں کریں گے، کچھ نہیں پوچھیں گے کوئی سزا......" وہ ان کے سامنے کھڑی شرمساری سے بولی۔

"نہیں بیٹا میں نے تمہاری آنکھوں میں سب پڑھ لیا، مجھے تم پہ مکمل اعتبار ہے۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"پاپا اریج کے ولیمے والے دن میں خود نعمان سے ملنے گئی تھی، وہ میرے یونی فیلو تھے، نعمان نے ہم سے انتقام لینے اور آپ کو دکھ دینے کے لیے مجھ سے زبردستی نکاح کیا اللہ گواہ ہے میں اس کے کسی منصوبے میں شامل نہ تھی، بس کچھ قرض تھے میری جان پہ جنہیں چکانا میری تقدیر میں لکھا جا چکا تھا۔ آپ نہیں جانتے پاپا ان دو سالوں میں آپ کی بیٹی پر آگہی کے کتنے عذاب اترے، درد کے کتنے موسموں کو سہا میں نے لیکن اب میں مطمئن ہوں، میں نے وہ قرض چکا دیے ہیں پاپا، میں نے اپنی ذات سے دوسروں کی خوشی تک کا فاصلہ طے کرلیا ہے۔" وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔

"پاپا میں جان چکی ہوں کہ مما جان میری ماں تو ہیں مگر انہوں نے مجھے جنم نہیں دیا اور میں ان سے بھی مل چکی ہوں جنہوں نے مجھے جنم تو دیا مگر میری ماں نا بن سکیں۔ پاپا ماضی کے کیے گئے غلط فیصلوں کی سزا ہم آج تک بھگت رہے ہیں اگر ماضی میں ہمارے بڑے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرتے اور جذبات میں آکر رشتوں کو نہ توڑتے تو آج ہم ادھورے رشتے اور ادھوری زندگیاں نہ جی رہے ہوتے نا پھوپو اتنی اکیلی ہوتیں، نہ ماموں تنہا ہوتے نہ مما دکھ بھری زندگی جیتیں اور نا ہی تانیہ اور نعمان کی شخصیت اتنی بکھری ہوئی ہوتی اور نہ میں اپنی زندگی کے دو سال

اپنوں سے دور گزارتی۔ اللہ کا شکر ہے یہ دھند ہماری زندگیوں سے چھٹ گئی ہے۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتی تھک ہار کر خموش ہوئی تو ارسلان احمد نے اپنی لاڈلی بیٹی کو گلے لگالیا تھا۔

دو ماہ ہوگئے تھے عشفا کو کراچی آئے ہوئے اس دوران نعمان نے کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ کل گاؤں سے نانو، نانا، ماموں، ممانی، ماما سب آئے تھے۔ انہوں نے پھوپو سے بھی معافی مانگی اور پھوپو نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے انہیں معاف کردیا تھا، دونوں گھروں کے درمیان پلتی برسوں کی رنجشیں ختم ہوگئی تھیں۔ مما اس کے لیے ڈھیر سارے تحائف اور جیولری لائی تھیں۔ پاپا حیران تھے کہ کیسے ان کی بیٹی نے سب کے دلوں سے نفرت کی کائی مٹا کر محبت کے پھول ہی پھول ہر سو بکھرا دیے تھے۔

آج وہ چاچو کی طرف آئی تھی، چچا چاچی کئی بار کہہ چکے تھے اسے آنے کا، اریج بھی پاکستان آئی ہوئی تھی، اس کی گود میں بھی اب ایک سال کا اشعر تھا اس لیے وہ آج ان سے ملنے آگئی تھی۔

"اوہو...... فائنلی میڈم کے نخرے ختم ہوئے، پرنس اپنے محل سے باہر نکل ہی آئیں۔" اریج نے اسے دور سے ہی دیکھ کر شرارت بھرا طنز کیا۔

عفان بھائی اور زوبیہ بھابی بھی گھر میں ہی تھے اور زوبیہ بھابی کی گود میں بھی ان کی تین سالہ بیٹی یسری بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جب یہاں سے گئی تھی تو یسریٰ چھوٹی سی تھی اور اس نے کھڑا ہونا ہی سیکھا تھا اب تو وہ ماشاء اللہ چل رہی تھی، بات کررہی تھی سب کو ہنسا رہی تھی وقت کتنا آگے بڑھ گیا تھا۔ باتوں میں اسے احساس ہوا کہ اسفند نظر نہیں آرہا۔

"اریج اسفند کہاں ہیں؟" اس نے اشعر کو فرائز کھلاتی اریج سے پوچھا۔

"بھائی اپنے روم میں ہیں۔"

"اوکے میں مل کر آتی ہوں۔" سب سے معذرت کر کے وہ اسفند کے کمرہ میں آئی۔

"وہ اب تمہاری بیوی ہے یار، بہت مضبوط تعلق ہے تمہارا اس سے، کب تک ناراض رہ پائے گی وہ تم سے آخر۔" وہ فون پر کسی کو سمجھا رہا تھا۔ جب وہ دروازہ پہ ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آئی۔

"اوکے میں بعد میں بات کرتا ہوں تم سے۔" اسفند نے اس کو آتا دیکھ کر فون بند کردیا۔

"کس سے بات کررہے تھے، سب خیر ہے ناں؟" وہ شرارت سے بولی۔

"ہاں یار سب خیر ہی ہے ایک پرانا دوست تھا۔ تم سناؤ کیسی ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب دل سے خوش بھی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"گڈ آگے کا کیا سوچا تم نے؟"

"کیا مطلب آگے کا......؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔

"نعمان کے بارے میں، تم نے رابطہ کیا اس سے؟" اب کے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں کیوں رابطہ کروں گی اس سے اسفند؟" وہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"وہ تمہارا شوہر ہے عشفا اور تمہاری محبت بھی، اس سے بڑی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے۔" اس نے اسے سمجھایا۔

"نہیں اب وہ میری محبت نہیں رہا، میری اس کے ساتھ جڑی کوئی یاد بھی خوب صورت نہیں پھر میں اسے کیوں سوچوں، کیوں رابطہ کروں، ماضی اچھا نہ ہو تو اسے بھول جانا ہی بہتر ہے کیونکہ وہ ہمیں تڑپانے کے سوا کیا دے سکتا ہے۔ میں اب مزید اس کے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتی ہوں جب اس کے ساتھ مجھے زندگی محسوس ہی نہیں ہوتی۔" اس نے قطعیت سے کہا۔

"تم لاکھ کہو تم کو اس سے محبت نہیں ہے پر میں یقین نہیں کروں گا کیونکہ محبت اگر ایک بار ہوجائے تو مرتے دم تک اس کا عکس ہماری آنکھوں سے نہیں جاتا، آخری دم تک دل اسی انسان کی مالا جپتا ہے (وہ اسے کیسے بتاتا کہ وہ

ان آنکھوں میں ہمیشہ اپنا عکس دیکھنا چاہتا تھا لیکن یہ عکس اس نے اپنی سوچ کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور دوبارہ گویا ہوا تو وہ میرا نہیں نعمان کا ہے) تم چاہ کر بھی اس سے فاصلہ نہیں مٹا سکتی، تم اس سے محبت نہ کرتی تو کبھی اس سے جڑے رشتوں کے لیے قربانیاں نہ دیتی۔" وہ اس کے سامنے بیٹھا دھیرے سے سمجھا رہا تھا۔

"لیکن اسفند اب اس کے لیے میرا ہر احساس مر گیا ہے، اس کے لیے اب دل کچھ محسوس ہی نہیں کرتا۔"

"وہ اس لیے کہ تم نے آج بھی میرے نام کی انگوٹھی پہنی ہوئی ہے اور اس نے تمہیں قید کرلیا ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی انگلی سے اتاری۔ وہ گنگ سی اسے دیکھتی رہی تھی۔ واقعی اسے کبھی خیال ہی نہیں آیا اسے اتارنے کا۔

"جاؤ عشفا تم آزاد ہو اب ایک بار پھر سوچنا اور بتانا کہ نعمان کے لیے تمہارے دل میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں میں تھوڑی دیر پہلے اس سے ہی بات کررہا تھا وہ لوٹنا چاہتا ہے، سب سے معافی مانگنا چاہتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ تمہارے بنا سب ادھورا ہے لیکن آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا۔" وہ اپنی محبت کو اپنے سامنے کسی اور سے محبت کرنے کا کہہ رہا تھا، تکلیف کی آخری حد کیا ہوتی ہے کوئی اس سے پوچھتا۔

رات اس کی جاگ کر گزری تھی، وہ بہت کرب میں تھی، زندگی عجیب دوراہے پہ لے آئی تھی، اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ نعمان کو معاف کرے تو کیسے، دل اس شخص کو معاف کرنے پہ بالکل تیار نہیں تھا جس نے اس کے اعتبار کا خون کردیا تھا، جس نے اپنے انتقام کے لیے اس کی محبت کو سولی پہ چڑھا دیا تھا، اس کی دی ہر اذیت وہ بھولی نہیں تھی، سب کتنی آسانی سے اس کا دفاع کررہے تھے، اسے معاف کرنے کی باتیں کررہے تھے، کسی کو کیا خبر تھی ہجر کی دھوپ میں تو وہ جلی تھی، درد کا موسم تو اس نے سہا تھا۔ قربانی ہمیشہ عورت سے ہی کیوں مانگی جاتی ہے۔ معاف اور درگزر ہمیشہ عورت کو ہی کیوں کرنا پڑتا ہے، ایسے ہی ہزاروں سوال اس کے ذہن میں شور مچا رہے تھے فجر کی نماز کی بعد اسے بمشکل نیند آئی تھی۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کے سوا بارہ بج رہے تھے، سر بے حد دکھ رہا تھا، شاور لے کر جس وقت وہ کمرہ سے باہر آئی تو دو بج رہے تھے، اب بھوک بھی بہت شدید لگ رہی تھی، وہ کھانے کے لیے کچن کی طرف جانے لگی مگر لاؤنج سے آتی مانوس آوازوں نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈال دی، وہ اپنا شک دور کرنے سیدھی لاؤنج میں آئی اور ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی تھی۔ وہ بے یقین نظروں سے سامنے صوفے پر بیٹھے نعمان اور تانیہ کو دیکھ رہی تھی اور پاپا اور ماما اتنے آرام سے ان دونوں سے باتیں کررہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نا ہو، وہ غصے سے پھٹ پڑنے کو تھی اور تب ہی اس کی نظر مسکراتی ہوئی پھوپو پر گئی، ایمان ان کی گود میں تھی اور وہ بار بار اپنی آنکھوں میں در آنے والے آنسوؤں کو صاف کررہی تھیں، اس نے ان کو اتنا خوش پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور محض ان کی خوشی کا خیال کرکے وہ چپ چاپ وہاں سے لوٹ گئی تھی، یوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی تھی اس کے آنے کی۔

گھر میں بہت رونق ہورہی تھی، چچا چچی بھی آئے ہوئے تھے۔ ارتیج اسفند بھی خوش تھے، سب ہنس بول رہے تھے، نعمان کو آئے ہوئے بھی دس دن ہوچکے تھے۔ پاپا نے پھوپو کی خوشی کی خاطر نعمان کو معاف کرکے گلے سے لگالیا تھا۔ اس عرصے میں عشفا اپنے کمرے تک محدود ہوکر رہ گئی تھی، وہ نعمان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی معافی تو دور کی بات تھی۔

روز پروگرام بنتے پکنک کے۔ سب موج کرتے پر اسفند کے کہنے کے باوجود بھی عشفا شامل نہ ہوتی، طیبہ اور حارث کی تو عید ہوگئی تھی ان کو دو اور کزن مل گئے تھے۔ اس دن بھی سب پیراڈائز پوائنٹ جارہے تھے یہ عشفا کا فیورٹ پکنک پوائنٹ تھا اور صرف نعمان کی وجہ

سے وہ انجوائے نہیں کر پارہی تھی۔ اب بھی پھوپو اسے منانے آئی تھیں۔

"عشفا تم نہیں جانا چاہتیں نہ جاؤ لیکن ایک بات یاد رکھنا کبھی بھی وہ غلطی نہ کرنا جس کا خمیازہ تمہیں ساری عمر بھگتنا پڑے، نعمان میرا بیٹا ہے مگر اس سے زیادہ مجھے تمہاری پروا ہے، اسے معاف کر کے تم زندگی میں آگے بڑھو ایسا میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں بیٹے کی محبت میں اندھی ہورہی ہوں بلکہ اس لیے کہ اس کی آنکھوں میں مجھے تمہارا عکس نظر آتا ہے، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اور یہ اٹل حقیقت ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، دل بڑا کرو ہاتھ بڑھاؤ اور اپنی محبت تھام لو خوشیاں تمہاری منتظر ہیں۔" نائمہ پھوپو نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"عشفا جب ہماری انا ہمارے لیے نقصان دہ ہو جائے تو اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہیے، آگے تمہاری مرضی ہے تم جیسا چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔" وہ اسے سمجھا کر چلی گئی تھیں۔

❁ ❁

وہ بہت دیر اپنے کمرے میں بیٹھی پھوپو کی باتوں پر غور کرتی رہی، سوچ سوچ کر اب تو اس کے سر میں درد بھی ہونے لگا تھا اسے چائے کی شدید طلب ہورہی تھی۔ گھر میں کوئی نہیں تھا وہ خود ہی چائے بنانے کچن میں آگئی، اس نے چائے کے ساتھ چکن نگٹس بھی فرائی کیے اور اب وہ چائے کپ میں ڈال رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی، اس نے پلٹ کر دیکھا سامنے نعمان دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" نہایت معصومیت سے سوال کیا۔ وہ بنا اسے جواب دیے ٹرے میں چائے کا کپ اور نگٹس کی پلیٹ رکھ کر جانے لگی اور تب ہی نعمان نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا اور اپنا سوال دہرایا۔

"سب کچھ کچن میں موجود ہے آپ چائے پینا چاہتے ہیں تو خود بنا کر پی لیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگی۔

"لیکن مجھے تو آپ کے ہاتھ کی ہی چائے پینی ہے، وہ کیا ہے نا کافی دن ہوگئے میری پیاری وائف مجھ سے ناراض ہو کر اپنے پاپا کے گھر چلی گئی ہیں، بہت خفا ہیں وہ مجھ سے۔" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے کھڑا ہوا اور ٹرے اس کے ہاتھ سے لے کر کاؤنٹر پہ رکھ دی۔

"دیکھیں پہلے ہی میرے سر میں شدید درد ہورہا ہے فضول باتیں کر کے اس میں اضافہ مت کریں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تو کیا ضرورت ہے اپنے اس ننھے سے دماغ پہ اتنا زور ڈالنے کی، ختم کیوں نہیں کر دیتی یہ رنجشیں، میں بھی تھک گیا ہوں، اب تم سے دوری برداشت نہیں ہوتی۔ پاگل کر دیا ہے یار تم نے مجھے، جب تم تھیں تو احساس نہیں تھا اور اب تم نہیں ہو تو ہر جگہ صرف تم ہی تم نظر آتی ہو۔ بدگمانی کی آگ میں جلتے میں نے اپنی زیست کے بہت سے انمول لمحات گنوا دیے اگر تمہیں تکلیف دی ہے تو میں خود بھی چین سے نہیں رہا۔ تمہیں درد دیا ہے تو میں نے اس درد کو تم سے زیادہ محسوس کیا ہے اب تمہاری ناراضگی لمحہ لمحہ قطرہ قطرہ کر کے ختم کر رہی ہے مجھے، میری زندگی کی دعا اور دوا تم ہی ہو عشفا۔"

"میرا ہاتھ چھوڑو نعمان۔" وہ غصے سے چلائی، اس کی باتیں اندر ہی اندر اسے موم کر رہی تھیں اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھیں۔

"نہیں چھوڑ سکتا میں یہ ہاتھ، میں نے چھوڑنے کے لیے نہیں تھاما تھا، میں جس کو انتقام کہتا رہا درحقیقت وہ میری محبت تھی، میں تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا، پہلے تم میری محبت تھیں اب عادت بن گئی ہو، آنکھیں بند کرتا ہوں تو تم سامنے ہوتی ہو آنکھیں کھولتا ہوں تو تم، میں نے جس سے محبت کی اسے کھو دیا پر تمہیں نہیں کھونا چاہتا اب میں عشفا۔" وہ اس کے ہاتھ سینے سے لگائے بوجھل انداز میں کہہ رہا تھا۔ عشفا نے ایک پل کو نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، اسے ایک بار پھر نعمان کی محبت پہ یقین ہونے لگا اور دل نے اس قدر قربت پہ اودھم مچایا کہ سوئی

ہوئی محبت جاگ اٹھی تھی۔
"مجھے تم پر اعتبار نہیں ہے، تم پھر دھوکا دو گے مجھے۔" عشفا اس سے ہاتھ چھڑا کر اس سے منہ موڑ گئی۔
"اب اگر میں نے دھوکا دینے کا سوچا بھی ناں تو تم جان لے لینا میری، میں اب تمہیں دھوکا دینے کا سوچوں بھی ناں تو یہ سانسیں وہیں تھم جائیں۔" وہ ایک بار پھر اس کے قریب ہوا اور اس کے گرد اپنی بانہوں کا مضبوط حصار باندھتا جذباتی ہو کر بولا۔
"ہر وقت بکواس کرنی ضروری ہے؟" وہ جان دینے کی بات پر خفا ہوئی۔
"نہیں اچھا بتاؤ یقین ہے میری محبت پہ، منظور ہے میرا ساتھ؟" اس نے اس کی ہتھیلی کی پشت کو لبوں سے لگا کر پوچھا۔
"دل و جان سے۔" اب کی بار وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
اداسی بھرے دن ختم ہو گئے تھے، من کے اندھیرے بھی چھٹ گئے تھے، اب بس محبت کی برسات ہونی تھی، محبت ہمسفر تھی تو کسی مشکل کا اب سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

جیسے چاہا تھا میں نے دعا میں وہ بن مانگے کسی کو مل گیا ہے۔
"بھائی کیا آپ خوش ہیں یہ سب کر کے، آپ عشفا سے اتنی محبت کرتے ہیں، اتنا چاہتے ہیں اس کے باوجود آپ نے اسے نعمان بھائی کا ہونے دیا۔" ارتج اور اسفند سمندر کی گیلی ریت پہ چہل قدمی کر رہے تھے جب باتیں کرتے ہوئے ارتج نے اداسی سے پوچھا۔ اسفند کتنی محبت کرتا ہے عشفا سے یہ بات ارتج سے بہتر کون جانتا تھا وہ صرف بہن نہیں تھی اس کے جذبوں کی ہمراز بھی تو تھی۔
"ارتج یہ سچ ہے کہ میں نے عشفا سے ہمیشہ بہت محبت کی ہے اور شاید ساری زندگی بھر کرتا رہوں گا لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ اس کا اور میرا ساتھ قسمت میں تھا ہی نہیں اور پھر خلیل جبران کہتے ہیں "محبت کو امر کرنا ہے تو اس شخص سے بچھڑ جاؤ جسے چاہت کی آخری حد تک چاہا ہو اس کی جدائی کا اپنا ایک حسن ہے جدائی کی میٹھی میٹھی کسک زیست کے آخری لمحوں تک ساتھ رہتی ہے" اور پھر محبت کرنے سے پہلے میں نے یہ شرط تو نہیں رکھی تھی کہ وہ ہمیں پھر ملے بھی پھر کیسا گلہ۔" اس نے زخمی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے درد بھرے انداز میں کہا۔
"بھیا اس کی یاد آپ کے لیے سزا بن جائے گی۔"
"محبت جرم نہیں ہے ارتج پھر سزا کیسی یہ تو خوشی بھرا لمحہ ہے جو ہمیشہ کے لیے خوب صورت یادوں کے تحفے دے جاتا ہے۔ کیا ہوا اگر زندگی کی راہوں میں وہ میرے ساتھ نہیں، اس کی یاد تو ہمسفر ہے ناں میری اور بس یہ ہی کافی ہے مجھے اس سے اتنی محبت ہے کہ اسے خوش دیکھوں تو مجھے خوشی ہوتی ہے ارتج۔ وہ مسکرائے تو یوں لگتا جیسے میں مسکرا رہا ہوں اب اس کی خوشی کس سے ہے اور کس میں ہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو زندگی بھر اس کی محبت کا اسیر رہوں گا۔" اسفند نے دور سے عشفا اور نعمان کو ساتھ آتے دیکھ کر کہا۔
وہ دونوں بہت خوش لگ رہے تھے ان کے چہرے محبت کے دھنک رنگوں سے روشن تھے اور اسفند نے اس پل ان دونوں کی خوشیوں بھری طویل زندگی کے لیے دعا کی، دور مغرب میں غروب ہوتا سورج اپنے سنگ بہت سے غم بھی لے کر رخصت ہو رہا تھا، محبت کا سورج طلوع ہونا تھا، اب ہر موسم محبت کا موسم تھا۔ اسیر محبت کی کہانی دلوں میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

سلوک کا اجر

مہرین کنول

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا
دل بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پئے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

"مجھے تو چنگ چی میں بیٹھنا دشوار لگتا ہے، دیکھو تو ذرا عورتوں اور مردوں کو آمنے سامنے بٹھاتے ہیں۔ مغربی تقلید کے قریب تر ہوتے جارہے ہیں لوگ۔"

"دیکھنا۔ وہ دن دور نہیں جب امریکہ، برطانیہ اور انڈیا کی طرح پاکستان میں آدمی اور عورت ایک ساتھ سواریوں میں برابر برابر بیٹھیں گے۔" سمعیہ کافی دیر خالی رکشے کے انتظار میں چنگچیوں میں مرد اور عورتوں کے رش دیکھ کر غصہ میں نہ جانے کیا کیا شگفتہ کو سنا رہی تھی جس نے اب ایک چنگچی رکوایا تھا جس میں صرف ایک مرد پہلے سے سوار تھا ناچار سمعیہ، شگفتہ کی تقلید میں چنگچی میں سوار ہوئیں تو اسی اثناء میں ایک ادھیڑ عمر آدمی ان کے سامنے والی سیٹ پر سوار ہوگیا، وہ بری طرح بیٹھا ہوا تھا ٹانگیں اور گھٹنے کو ایسے رکھا ہوا تھا کہ نکلنے کا راستہ مفقود تھا دیدے پھاڑ پھاڑ کر سمعیہ اور شگفتہ کو دیکھ رہا تھا وہ کچھ ٹھرکی ٹائپ لگ رہا تھا، سمعیہ تف کے انداز میں شگفتہ کو دیکھنے لگی تو وہ نظر انداز کرتی اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی کہ لڑکی والوں کے گھر جانے کے لیے پہلے ہی دیر ہو چکی تھی مزید دیر کی گنجائش نہ تھی کیا سوچیں گے لڑکی والے۔ لڑکی والے رشتے کے انتظار میں ایک دن پہلے سے ہی تیاری کرنا شروع کر دیتے ہیں اور شگفتہ کو اپنے لڑکے کے لیے شریف لڑکی درکار تھی اسی لیے شریف النفس کے قصیدے جس لڑکی کے بارے میں رشتے والی نے سنائے تھے اس کے گھر کا پتا لے کر وہ اپنی بڑی بیٹی کے ہمراہ چل دی تھیں جو شادی شدہ تھی اور اپنی ماں کے فرائض کی ادائیگی میں پیش پیش رہتی تھی، کافی قریب کا فاصلہ بھی طویل لگا تھا جو بہ مشکل طے ہوا تھا شگفتہ نے چنگچی رکوایا تو چنگچی رک گی۔

"بھائی صاحب تھوڑی جگہ دے دیں ہمیں یہاں اترنا ہے۔" شگفتہ نے اس ٹھرکی سے کہا تو وہ جو خود بھی یہیں اترنے والا تھا کچھ سوچ کر وہیں جم کر بیٹھ گیا۔

"مجھے پتا تھا یہ نمونے بازی ہونے والی ہے۔" جواد نے بدتمیزی کی انتہا کرتے ہوئے ہلکی سی جگہ دی تو سمعیہ کافی مشکل سے اتری اور شگفتہ جو پہلے ہی اتر کر چنگچی والے کو کرایہ دے رہی تھی اس کو گھور کر دیکھنے لگیں۔

"پتا نہیں اپنی ماں، بہن بیٹیوں کے ساتھ کیسے پیش آتے ہوں گے یہ لوگ، عورتوں کی کیا خاک عزت کریں گے۔" وہ بڑبڑاتی آگے بڑھ گئیں اور چنگچی آگے بڑھ گی تھی۔

❀......❀......❀

"بہن آپ لوگوں کو یہاں تک آنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی۔" سلمٰی بیگم، سمیعہ اور شگفتہ کے آگے پیچھے

جارہی تھیں کہ بیٹی کے لیے اتنے اچھے رشتے پر وہ خوشی سے نہال ہورہی تھیں۔ کھاتے پیتے بڑے گھر میں شمار ہونے والی فیملی کا انجینئر لڑکا کافی خوب صورت تھا۔

"بہن ہمیں آپ کی بیٹی افرا بڑی پیاری لگی خاص کر جو آپ نے بتایا پردہ رہتی ہے یہ بات دل کو چھوگئی ہے۔"

"بس ان کے والد صاحب سے بھی بات ہوجاتی......" شگفتہ نے فرا کے والد سے ملنا چاہا۔

"وہ جواد کھانے پینے کے لوازمات لینے گئے ہیں اب تو آتے ہی ہوں گے۔" اسی اثناء میں جواد دو شاپرز ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا تو سمعیہ اور شگفتہ اسے اور جواد انہیں دیکھ کر ٹھٹکا۔

"جی آپ نے پوچھا اور افرا کے والد صاحب آ گئے۔" سلمیٰ بیگم نے تعارف کرایا۔

"توبہ توبہ۔ اچھا ہوا ہم نے والد صاحب کا پوچھ لیا۔ جب باپ ایسا ہے تو بیٹی کیسی ہوگی بڑا ہی ٹھرکی خاندان ہے یہ تو، ہمیں نہیں کرنی ہمارے لڑکے کی اس گھر میں شادی۔"

شگفتہ اور سمعیہ منہ بسور کر اٹھ کر جانے لگیں۔

"یہ آپ نے پینترا اچانک کیسے بدلا اور میری بیٹی سے رشتہ نہیں کرنا نہ کریں لیکن اس کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔" سلمیٰ بیگم نے ان کی راہ میں آ کر وجہ پوچھنی چاہی۔

"جواب چاہیے تو اپنے میاں سے پوچھو بی بی جو باہر عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے پھرتے ہیں، بازاری زبان میں ایسے مردوں کو ٹھرکی کہتے ہیں۔" وہ لعن طعن کرنے لگیں تو سلمیٰ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے میرے شوہر کو ٹھرکی کہنے کا؟" سلمیٰ نے پوچھا۔

"ثبوت ہم خود ہی ہیں جس چنگچی میں ہم آئے ہیں ان میں یہ صاحب ہم سے چھیڑ خوانی کرتے اپنی بے راہ روی دکھا رہے تھے۔" وہ تو کہہ کر چلی گئیں مگر سلمیٰ بیگم کی نظریں جواد پر گڑی ہوئی تھیں جن کی زبان گنگ تھی، بیٹی کا بنتا شادی کا معاملہ کیسے بگڑا تھا ان کی سستی اور گھٹیا حرکت کی

بناء پر ان کی بیٹی کو بھی لوگ یہی کہہ کر گئے تھے۔ جواد کا جھکا ہوا سر اس بات کا غماز تھا کہ وہ مجرم تھے ان پر لگائے گئے سارے الزام سچ ہیں۔

سلمیٰ بیگم اور افرا ان سے نہیں بول رہی تھیں کوئی بات اور کوئی شکوہ نہ کیا تھا بس معمول کی بات کے علاوہ کوئی بھی خاص بات کرنا جواد سے مناسب نہیں سمجھا جانے لگا تھا اور شاید یہی ان کی سزا تھی۔ جواد سلمیٰ سے نظریں نہیں ملا پایا تھا، افرا جو منہ پھیر کر ان کے پاس سے چلی جاتی تھی جب وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتے تو ہاتھ خالی رہ جاتا۔

راتوں کو جاگ جاگ کر اللہ سے معافی مانگی، کاش وہ میرے گناہوں کو معاف کردے، ایک موقع اور دے دے۔ کتنے ہی دن وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا رہا تھا۔

⁂ ⁂ ⁂

صبح سے ہی گھر میں تیاریاں ہو رہی تھیں، نئے پردے پرانے پردوں کی جگہ لگائے جا رہے تھے، جواد ہی کو سلمیٰ نے بڑی مشکل سے کہا تھا۔

"آج شام کو لڑکے والوں کی کچھ عورتوں نے افرا کو دیکھنے آنا ہے اس کا کوئی بھائی تو ہے نہیں، تو مہمانوں کے لیے واپسی میں کچھ کھانے کو لے آیئے گا اور مہمانوں کے سامنے آنے سے گریز کیجیے گا۔ مجھے آپ کے چال چلن پر اعتبار نہیں رہا۔" سلمیٰ کی بات ان پر دھچکا بن کر لگی تھی مگر وہ نادم تھے اپنی غلطی پر، غلطی کی تھی تو سزا بھی بھگتنی تھی کہ ان کی کرتوتوں کی بدولت لوگوں نے ان کی بیوی اور بیٹی پر انگلی اٹھائی تھی۔ وہ چپ چاپ اپنے آفس کے لیے نکلے تھے ایک گھنٹے کا سفر چنگچی میں بیٹھ کر کاٹا، تین عورتیں آدھے راستے کے کٹنے کے بعد بیٹھی تھیں خوش لباس خوش شکل تھیں ان کے بیٹھتے ہی دو آدمی اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

"یار ان سفید کپڑوں میں تو بہت اچھا لگ رہا ہے کہاں جا رہا ہے؟" مردوں میں سے کسی نے بھی سفید کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے البتہ ان تین عورتوں میں سے ایک نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جو کافی خوب صورت تھی اس چھچھورے ٹائپ لڑکے کی ہوٹنگ پر وہ جز بز ہوئیں۔ ان عورتوں کو اپنی عزت زیادہ پیاری تھی سو منہ لگنا گوارا نہ کیا وہ انہیں نظر انداز کرنے لگیں ان مردوں میں سے ایک نے اپنی ٹانگ سے اترنے کی جگہ پر رکاوٹ حائل کی تو جواد نے اس لڑکے کی ٹانگ پر ہاتھ مارا۔

"شرم نہیں آتی تم لوگوں کو، عورتوں کی عزت کر نہیں کر سکتے تو انہیں تنگ بھی مت کرو کل کو ان عورتوں کی جگہ تمہاری مائیں، بہنیں بھی ہو سکتی ہیں۔" جواد کافی مشتعل نظر آ رہا تھا۔ "تمہاری ماں بہنیں تو پردہ کرتی ہیں اور تو اور باہر بھی نہیں نکلتی ہیں۔"

"آپ شاید ان عورتوں کے ابا ہیں ہاہاہا......"

ایک لڑکے نے تو مضحکہ خیز انداز میں کہا مگر جواد سخت غصے میں تھا۔

"دنیا کے اس کھیت میں جو بوؤ گے وہ کاٹو گے ضرور، اگر تم لوگ کبھی بیمار ہو جاؤ تو دوا لینے یا کسی ضروری کام کے لیے تمہاری عورتوں کو تو نکلنا پڑے گا نا کبھی نہ کبھی اور کیا پتا تمہارے پیٹھ پیچھے وہ پردہ کر کے ہی سہی باہر تو نکلتی ہی ہوں گی تب وہ ان عورتوں میں بھی شامل ہو سکتی ہیں جنہیں تم چھیڑتے ہو گے اور رہا سوال میرا تو میں ان عورتوں کا ابا جیسا ہی ہوں میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں تا کہ میری بیٹی کو بھی جہاں میں لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔" جواد کی منزل آ چکی تھی اور وہ چنگچی سے اتر گیا تھا۔ وہ دونوں لڑکے بھی کافی پشیمان دکھائی دے رہے تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

"کب سے مہمان آئے ہوئے ہیں جواد صاحب۔" سلمیٰ نے جواد کے ہاتھ سے سموسوں، پیسٹری اور دیگر لوازمات کے شاپر لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا میں مل لیتا ہوں۔" انہوں نے کہا تو سلمیٰ بیگم نے ہنکارا بھرا۔

"بس...... آپ کو کسی مہمان سے ملانے پر دھڑکا سا لگا رہتا ہے آخر باپ ہیں ملانا ہی پڑے گا۔" ان کا طنز سنتے ہی

وہ مہمان کمرے میں داخل ہوئے، سلمٰی بیگم بھی لوازمات ٹرے میں سجائے پیچھے سے آ گئیں۔

"کیا یہ آپ کے شوہر ہیں؟" رافیعہ نے پوچھا تو سلمٰی جز بز ہو کر جواد کو دیکھنے لگیں۔

"جی کیا کوئی غلطی ہوئی ہے ان سے؟" سلمٰی بے ترتیب لفظ جمع کر کے بولیں۔

"جی یہ تو بہت ہی فرشتہ صفت شخص ہیں، آج صبح ہم کہیں جا رہے تھے ہمیں کچھ لوگ چھیڑ رہے تھے انہوں نے کمال کا ان ٹھرکیوں کو سیدھا کیا۔ ایک باپ کی طرح ہم غیر عورتوں کے سر پر ہاتھ رکھا ایسے شخص جو دوسروں کی بیٹیوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں تو ان کی بیٹیوں کی بھی عزت افزائی میں کیسے کمی رہ سکتی ہے، آپ کی با پردہ بیٹی افرا ہمیں پسند ہے۔ عزت دار ماں باپ کی عزت دار اولاد ہوتی ہے۔" ان عورتوں کے الفاظ سن کر سلمٰی سے زیادہ جواد خوشی سے نہال ہوا تھا۔ آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے افرا نے جواد کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا تھا۔

"مجھے اپنے ابا پر فخر ہے۔ وہ عام لوگوں سے مختلف ہیں۔" اور جواد یہ سوچ رہا تھا برا ہو یا اچھا۔ سلوک کا اجر ضرور ملتا ہے۔

انسان کی برائی اور اچھائی دونوں اس کے سامنے آ جاتی ہیں۔ اس کے برے عمل نے اسے توبہ کا راستہ دکھایا تو اللہ نے اس کے لیے اچھائی کا راستہ کھول دیا جو اللہ کے حضور سر بہ سجود تھا۔

سلمٰی اور افرا آنے والے دنوں کی خوشیوں میں مگن تھیں۔

قسط نمبر 9

نسول کے اس سفر میں

اُم ایمان قاضی

> دل کی دھڑکن تیری پلکوں کی جھپک میں اُلجھی
> دیر تک راز رہے راز‘ تو کُھل جاتا ہے
> اپنی کرنوں کو سمیٹے ہوئے ہنگامِ سفر
> چاند شبنم میں اُترتا ہے تو کُھل جاتا ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

آیت اپنے دوست کے ساتھ مل کر شجر اور موحد کے خلاف سازش کرتے ہوئے شجر کو اغوا کروالیتی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں صفیہ تائی موحد پر زور ڈال کر زبردستی آیت سے شادی کروادیتی ہیں اور شادی کے بعد آیت اپنے دوست سے کہہ کر شجر کو چھوڑنے کا کہہ کر شجر کے لیے رشتہ لانا کو بھی کہتی ہے۔ آمنہ اپنی ماں کی ناراضگی جان کر ان سے بات کرتی ہے اور روتے ہوئے معاف مانگتی ہے جس پر اماں اس کو صلواتے سناتی ہیں اور اپنا منہ بند رکھنے کا کہتی ہے کہ کہیں اس ابا اور بھائی کو اس بات کی بھنک نا پڑ جائے اور اس کا منصوبہ ناکام نا ہوجائے۔ شعرہ اپنے کمرے میں کچھ ڈھونڈ رہی ہوتی ہے کہ اس کے ہاتھ کچھ کاغذات لگتے ہیں اور جب وہ کھول کر دیکھتی ہے تو اس کی روح فنا ہوجاتی ہے وہ اس کے طلاق کے کاغذات ہوتے ہیں جنہیں عبدالحنان نے تیار کرائے ہوتے ہیں وہ ان کاغذات کی سلسلے میں عبدالحنان سے بات کرنے کا سوچتی ہے۔ شجر کے اچانک گھر واپس آنے پر صفیہ تائی کچھ پریشان ہوجاتی ہیں پر گھر کے تمام لوگ اس کی واپسی پر خوش ہوتے ہیں اور اس سے تمام تفصیلات جان کر اس کی باتوں پر یقین کرلیتے ہیں سوائے صفیہ تائی کے ان کو شجر کی بات کا یقین نہیں ہوتا۔ شجر کو موحد اور آیت کی شادی کا جان کر بہت دکھ اور افسوس ہوتا ہے اور موحد اس کو دیکھ کر مزید افسردہ ہوجاتا ہے اور آیت کو یہ سب بہت ناگوار گزرتا ہے۔ عنایت بی بی مسلسل اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی کہ وہ رخصتی کرانی نہیں جائیں گی اور وہ اس لڑکی کو طلاق دے کر اس لڑکی سے شادی کرے جس کو انہوں نے پسند کیا ہے اور عنایت بی بی اپنے بڑے بہو بیٹی کو بھی سختی سے منع کردیتی ہیں۔ آیت کا شجر کو برا بھلا کہنا شعرہ اور فجر برا لگتا ہے اور انہوں نے شجر کی حمایت میں آیت کو سمجھنا چاہا پر آیت منہ بنا کر ان کی بات کو درگزر کر جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں۔

وہ تھکا ہارا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس پر نظر ڈالے بغیر اس نے ڈریسنگ روم میں جا کر کپڑے تبدیل کیے، والٹ میز سے اٹھا کر جیب میں رکھا، موبائل اٹھا کر اپنا تکیہ اٹھایا اور باہر نکلنے لگا تھا جب آیت نے اسے پکارا۔
''مجھے بات کرنا تھی آپ سے۔'' وہ کچھ لمحے پلٹے بغیر وہیں رکا رہا پھر طویل سانس خارج کر کے واپس پلٹا تکیہ بیڈ پر رکھ کر خود بھی وہیں بیٹھ گیا۔ ایسے کہ آیت اس کی دائیں طرف بستر سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔
''کہو...... میں سن رہا ہوں۔''
''آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ میں کھانا لاتی ہوں، پہلے وہ کھالیں پھر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔'' آیت نے نرمی سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ جو اس کو روکنا چاہ رہا تھا کچھ سوچ کر چپ ہو گیا۔ آیت نے بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پانچ سات منٹ بعد گرما گرم کھانے کی ٹرے لے کر آئی اور لا کر درمیان میں رکھ دی۔
''آپ کے انتظار میں، میں بھی ابھی تک بھوکی ہوں۔'' وہ جو بھوک نہ ہونے کا کہہ کر اٹھنے والا تھا، اس کی بات سن کر چپ چاپ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے اور واقعی تین دن میں پہلی بار اس نے کھانا ٹھیک طرح سے کھایا تھا۔
''آپ کو شاید پتا نہ ہو کہ آپ کی اس روٹین اور کیفیت کو تائی اماں نے اتنا دل پر لیا ہے کہ دو دن سے برائے نام ہی کچھ کھایا ہوگا...... بلڈ پریشر بھی ہائی ہے دوائی لینے کے باوجود......''
''کہاں ہیں وہ...... تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا، پریشانی چہرے اور انداز سے ظاہر تھی۔

''فی الحال بیٹھ جائیں میں نے زبردستی دو چار لقمے کھلائے اور دوا دے دی تھی ان کو، اب وہ سوگئی ہیں، میں تسلی کرنے کے بعد یہاں آئی ہوں۔'' اس نے استحقاق سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھایا اور نرمی سے کہا کچھ دیر ٹھہر کر وہ بولی۔

''ہمارے دل کی راحت ہمارے اپنوں کے دل کے سکون اور چہروں کی خوشی سے منسلک ہوتی ہے۔ اتنا تو جانتے ہوں گے ناں آپ...... جب تک آپ پرسکون نہیں ہوں گے، خوش نہیں ہوں گے آپ کے ماں باپ بھی آسودہ نہیں ہوں گے۔'' وہ ہنوز اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''یہ فیصلہ جو آپ نے وقت کی نزاکت کے تحت کیا...... وہ صرف آپ پر اثر انداز نہیں ہوا...... اس سے یہ سب بھی متاثر ہوئے ہیں، آپ نے ماں کی خواہش کا احترام ہی نہیں کیا بلکہ خاندان کی عزت بھی بچائی، بہت احسن اقدام تھا یہ مگر اب آپ کو ہمت کرتے ہوئے اس کو برقرار رکھنا ہے کیونکہ اب آپ اپنے انداز اور رویہ سے اپنی ماں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں کیونکہ ان کو ایسا لگتا ہے کہ آپ پچھتا رہے ہیں اور آپ کی ماں کو یہ پچھتاوا مارے دے رہا ہے۔'' موحد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے آہستگی سے نکالا، تاہم وہ اب بھی خاموش رہا۔

''پھر میں......'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''اس سارے سلسلے میں کسی نے ایک بار بھی میرا نہیں سوچا، میں نے اپنی ماں جیسی خالہ کا اس وقت مان رکھا جب ان کی ہونے والی بہو ان کے بیٹے کو ٹھکرا کر، خاندان کے منہ پر کالک مل کر چلی گئی تھی۔'' اس نے سسک کر کہا، موحد نے بے ساختہ پہلو بدلا۔

''اور یہ بات واضح ہے کہ وہ ایک غلط فہمی کے تحت ہونے والا حادثہ تھا۔'' اب کی بار وہ خود کو بولنے سے روک نہیں پایا۔

''چلیں ایسا ہی فرض کر لیتے ہیں مگر گھر کی عزت تو داؤ پر لگ چکی تھی ناں۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔ ''ہر لڑکی کی طرح میرے بھی شریک سفر کے حوالے سے کچھ خواب تھے، خواہشیں تھیں...... میں نے اپنی ماں جیسی خالہ کے لیے سب کچھ فراموش کر دیا تو کیا اب یہ میرا حق نہیں کہ میں بھی ایک خوشگوار نہ سہی پرسکون زندگی گزاروں، میرے شوہر کے دل میں بھلے جو ہو، کم از کم وہ اس کا عملی اشتہار بن کر مجھے دکھ تو نہ دے، کیا میں عمر بھر یہ دیکھ کر جلوں گی اور کلسوں گی کہ میرا شوہر ایک ایسی لڑکی کے فراق میں مجنوں بنا پھر رہا ہے جو عین شادی کے دن غائب ہوگئی تھی، میں آپ کا ماضی فراموش کر کے آپ کی طرف آئی ہوں، اتنا کٹھن سفر طے کرنے کے بعد......'' وہ کچھ لمحے بولتے ہوئے رکی۔ ''گنتی کے چند قدم ہی سہی، میری طرف آپ بھی تو بڑھو ناں۔'' اس نے روتے ہوئے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑا۔

''مجھے کسی سے کوئی مطلب نہیں...... مجھے آپ کے ماضی سے کچھ لینا دینا نہیں لیکن اب قسمت نے ہمیں ایک کر دیا ہے تو میں آپ کی محبت کی طلب گار بھی نہیں ہوں مگر مجھے آپ کی توجہ چاہیے اور آپ کا ساتھ...... استحقاق بھرے چند پل جن میں مجھے احساس ہو کہ میرا شوہر صرف میرا ہے۔'' اس نے آگے بڑھ کر موحد کے کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ موحد نے اس کی باتوں پہ غور کیا اور کچھ دیر کے بعد کہا۔

''میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اور اماں کو اب شکایت کا موقع نہ دوں۔'' کچھ دیر بعد اس نے آیت کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کہا، آیت کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ اس نے اس کے کندھے پر سر رکھے رکھے آسودگی کے احساس کو پوری طرح محسوس کیا مگر وہ ماتھے پر شکنیں لیے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں؟ کیا ایسا ظلم ہوگیا ہے اس پر جو اس طرح کا رویہ اختیار کر رکھا ہے اس نے۔ صبح کا نکلا رات گئے گھر میں داخل ہوتا ہے، رات کو اپنے کمرے میں بھی نہیں سو رہا تین دن سے، گیسٹ روم سے صبح جب گھر کے افراد اس کو نکلتے دیکھتے ہوں گے تو کتنے ہی سوال ان کے ذہن میں جنم لیتے ہوں گے...... آیت کتنی اذیت میں ہے، میں کتنی تکلیف میں ہوں اور آپ کو کوئی پروا ہی نہیں۔'' تایا کو دفتر کے لیے تیار ہوتے دیکھ کر صفیہ تائی جو طبیعت خرابی کے باعث ابھی تک بستر پر تھیں، اٹھ بیٹھیں اور ساری صورت حال بتائی، جس نے اس وقت سے ان کا سکون برباد کر دیا تھا جب سے شجر گھر واپس آئی تھی اور موحد کا ایسا رویہ دیکھنے کو مل رہا تھا......

ہاتھ پر گھڑی باندھتے تایا نے چند لمحے اپنی نصف بہتر کو دیکھا پھر ان کے پاس آ بیٹھے۔

''دیکھیں بیگم، ہمارے گھر میں خاندانی نظام کی باگ ڈور ابا کے زمانے سے ہی اماں جی کے ہاتھ میں رہی اور وقت نے ثابت کیا کہ وہ کس احسن طریقہ سے اس خاندان کو لے کر چلیں...... محبت کی ایسی ڈور سے باندھے رکھا سب کو کہ ایک کا دکھ سب کا دکھ تھا تو کسی ایک کی خوشی پر پورے خاندان کو خوشی ہوتی تھی، خاندان کو چھوڑ باہر تک ان کے حسن سلوک اور معاملہ فہمی کی مثالیں دی جاتی ہیں۔'' صفیہ تائی نے بے ساختہ پہلو بدلا کہ اس وقت وہ کیا کہہ رہی تھیں اور صاحب کیا راگنی الاپ رہے تھے۔

''اسی طرف آ رہا ہوں۔'' تایا ان کی بے چینی سمجھ گئے تھے جب ہی سنجیدگی سے کہا۔

''جانتی ہو بیگم، اماں جی کی خاندان کو جوڑ کر رکھنے اور سب کو مطمئن رکھنے کی وجہ کیا تھی؟ وہ تھی سب سے محبت، عداوت سے دوری اور ہر چھوٹے بڑے معاملے پر ان کی غیر جانبداری، آپ گواہ ہیں اگر قصور وار بیٹے ہوتے تو وہ بہوؤں کی طرف داری کرتی تھیں، بچوں کی شکایتوں پر کئی بار تم ماؤں کو بھی انہوں نے سرزنش کی پھر......'' وہ کہتے ہوئے ذرا دیر رکے۔

''پھر آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی حکومت، اپنی محبت اپنی راجدھانی بہوؤں کو منتقل کر دی مگر افسوس کہ بڑی بہو ہونے کے ناتے نہ آپ میں ان جیسا بڑا پن آیا، نہ بردباری اور نہ غیر جانب داری۔'' وہ کچھ تاسف سے بولے تو تائی صفیہ سر جھٹک کر رہ گئیں۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ گئی ہیں مگر قبول نہیں کرنا چاہتیں...... شجر آپ کو پہلے دن سے بطور بہو پسند نہیں تھی، آپ نے خود اس بات کا مجھ سے کئی بار اظہار کیا، کیا آپ نے وقت آنے پر جانب داری سے کام لیا اور اپنے بیٹے سے ماں ہونے کا خراج وصول کر لیا اور شجر سے چھٹکارا پالیا۔'' تایا کی اتنی صاف بات پر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''میں ایسا نہیں چاہتا تھا مگر آپ نے وقت، جو اس وقت شجر کے خلاف تھا، کو اس کامیابی سے استعمال کیا کہ ہم سب اس داؤ میں آ گئے اور وہی کیا جو آپ چاہتی تھیں۔''

''میں نے صرف اس خاندان کی عزت کو بچایا......'' وہ کمزور لہجے میں بولیں۔

''چلیں ایسا ہی سہی تو اب اپنے بیٹے کو ایک انسان سمجھیں، روبوٹ نہیں...... آپ نے اس پر اپنی پسند کا فیصلہ زبردستی تھوپا اور اب اسے اپنے من پسند رستے پر چلانا چاہ رہی ہیں تو خدارا اسے تھوڑا وقت دیں، وہ مشین نہیں ہے کہ آپ بٹن دبائیں گی تو چل پڑے گا، بٹن بند کرنے سے رک جائے گا، اس نے آپ کی بات مان کر ایک فرماں بردار بیٹا ہونے کا ثبوت دیا ہے تو اب اس کو اس فیصلے کو دل سے قبول کرنے دیں، اس میں تھوڑا وقت لگے گا

مگر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اب آپ بھی اس بارے میں سوچ کر نہ مزید خود کو ہلکان کریں نہ اس پر دباؤ ڈال کر اسے پریشان کریں، وہ سمجھدار ہے، خود ہی سمجھ جائے گا حالات اور رشتوں کی نزاکت کو...... فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔'' نرمی سے ان کو سمجھاتے وہ کھڑے ہوگئے۔ ابھی وہ ان کی باتوں پر غور کر ہی رہی تھیں کہ دروازہ بجا کر وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور سلام کیا، آگے ہنستی مسکراتی، نو بیاہتا روپ لیے آیت تھی، اس کے پیچھے خاموش سا موحد تھا، تاہم وہ پہلے کی نسبت ان کو پرسکون لگ رہا تھا۔ تائی صفیہ تو کھل کر گلاب ہوگئیں جب کہ تایا جان نے ایک جتاتی نظر ان پر ڈالی تھی۔

''آؤ...... آؤ میرے بچو جیتے رہو...... سدا شاد و آباد رہو۔''

''آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟''

''بالکل ٹھیک، مجھے کیا ہونا ہے، بس ذرا سی تھکاوٹ ہوگئی تھی۔ تمہیں دیکھ لیا، دیکھو چنگی بھلی ہوگئی۔'' وہ خوش دلی سے بولیں۔

''اور ہم آپ دونوں کو ناشتے کے لیے بلانے آئے ہیں، معمول سے ذرا لیٹ ہوگئے تھے۔ آپ لوگ ناشتے کی ٹیبل پر نہیں تھے تو ہم دونوں پریشان ہوگئے، چلیں پہلے میں آپ کا بی پی چیک کرلوں پھر چلتے ہیں سب اکٹھے۔'' آیت نے میز سے بی پی آپریٹس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہمم...... واقعی تائی اماں آپ نے ٹھیک کہا...... آپ کے بیٹے کی شکل دیکھتے ہی آپ کی بیماری منہ چھپا کر بھاگ گئی، اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔'' اس نے مسکرا کر سب کو دیکھا اور بی پی چیک کرنے کے بعد کہا۔

''ارے واہ بیگم، پھر تو آپ کو دوا لینے کی بھی ضرورت نہیں ہے، صبح و شام اپنے فرزند کی زیارت کرلیا کیجیے پھر کیسی بیماری اور کہاں کی بیماری؟'' تایا نے بھی مسکرا کر ان کو چھیڑا، موحد بھی بے ساختہ مسکرایا، تائی صفیہ نے دل ہی دل میں اس کی بلائیں لی تھیں۔ اسی پل یشعرہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''چیٹنگ، چیٹنگ، چیٹنگ...... بھئی یہ فیملی کورم میرے بغیر کیسے مکمل ہوسکتا ہے۔'' وہ تایا جان کے بازو سے لگ کر بولی۔

''نہیں بھئی، تم تو ہماری جان ہو، تمہارے بغیر ہم مکمل نہیں تو کورم کیسے پورا ہوسکتا ہے۔'' انہوں نے شفقت سے یشعرہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''چلیں پھر جلدی سے ناشتہ اکٹھے کرتے ہیں پھر مجھے اپنے گھر کے لیے نکلنا ہے، کچھ ضروری ٹریٹمنٹ کے لیے رات عبدالحنان کو ہسپتال رکنا پڑا تھا...... اجمل بے چارہ اس کے ساتھ تھا، تھک گیا ہوگا وہ بھی، میں ان دونوں کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود ہونا چاہتی ہوں۔'' اس کے جلدی مچانے پر وہ سارا قافلہ ہی ناشتے کے لیے روانہ ہوا کہ اماں جی کے گھر شروع سے ہی روایت چلی آرہی تھی صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا سب اکٹھے کھائیں۔

''سنو......'' شجر اسے کوریڈور میں اماں جی کے کمرے کے سامنے ملی، جب موقع غنیمت جان کر آیت نے اسے جالیا، شجر نے مڑ کر خاموشی سے اسے دیکھا۔

''تمہارے پیچھے اس گھر پر جو قیامتیں گزری ہیں وہ ہم ہی جانتے ہیں، گھر کے آدھے سے زیادہ لوگ بیمار پڑ گئے اور باقیوں کا حال بھی ان سے کم برا نہیں تھا، تین وقت کا کھانا پکتا تو ضرور تھا مگر میز ویسی کی ویسی رہ جاتی کہ ایک آدھ لقمے سے زیادہ کسی کے حلق سے اترتا ہی کچھ نہیں تھا۔'' شجر نے اس تمہید کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی۔

''تمہیں اس وقت بتانے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا جانا اس خاندان کے لیے ایک عذاب تھا تو تمہارا واپس آنا بھی کسی مصیبت سے کم نہیں۔'' اس کا لہجہ زہر خند تھا، شجر کی آنکھوں میں ناگواری اتر آئی۔

''کتنے دن بعد تائی اماں بستر سے اٹھ کر ناشتے کی میز پر آئی ہیں۔ تایا جان پوری آمادگی کے ساتھ ناشتے کے لیے آئے...... ورنہ وہ صرف ایک چائے کے کپ پر گزارا کر رہے تھے، موحد نے تو کتنے دن ہو گئے ناشتا، کھانا، کھانا تو دور دیکھا تک نہیں تھا، آج اپنی اماں کی خاطر ناشتے کے لیے آیا ہے تو تمہاری یہ شکل جواب عمر بھر اس خاندان کو ایک اذیت میں مبتلا رکھنے والی ہے، جب تک تمہاری شادی نہ ہو جائے اور تم یہ گھر چھوڑ کر نہ چلی جاؤ...... اس لیے کوشش کیا کرو کہ اپنے کمرے یا اماں جی کے کمرے تک ہی محدود رہو، امید ہے تمہیں یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو گی۔'' اس نے دانت پیس کر کہا، شجر کی آنکھیں اس بے عزتی پر بے ساختہ بھر آئیں۔

''آیت...... مجھے تم سے اور اس گھر کے مکینوں سے شکوہ ہونا چاہیے، جنہوں نے میری ہنستی بستی زندگی کو اپنے فیصلے کی بھینٹ چڑھا دیا۔ میں قسمت کا لکھا سمجھ کر اس پر چپ رہی تو اب اس گھر میں میری زندگی تنگ کر دینا چاہتی ہو، یہ میرا بھی گھر ہے۔'' میرا گھر کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ ''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ مجھے چھپ کر بیٹھنا پڑے نہ ہی میں اتنی کم ظرف ہوں کہ تمہارے شوہر پر نظر رکھوں۔'' آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کہا اور دروازہ کھول کر اندر چلی گئی مگر کمرے میں بند ہوتے ہی اس سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔

غیروں کا دیا بڑے سے بڑا دکھ بھی انسان سہہ جاتا ہے مگر اپنوں کا صرف تلخ لہجہ ہی انہیں توڑنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

''شجر پ کیا ہوا میری بچی، کسی نے کچھ کہا ہے کیا، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟'' اماں جی کی پریشانی دیکھ کر اس نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں صاف کیں۔

''کچھ نہیں اماں جی، بس وہ حادثہ یاد آ گیا تھا جس نے میری زندگی میں سب کچھ بدل دیا۔'' اس کی بات نے اماں جی کا کلیجہ مسل دیا۔

''میں نے کہا ناں تم اس ناخوشگوار بات کو اپنے دماغ سے ہمیشہ کے لیے کھرچ ڈالو۔ تم تو بہت بہادر ہو ناں، میری بھی ایک بات یاد رکھو کہ یہ دنیا صرف ہنسنے والوں کی ہمراہی پسند کرتی ہے، دکھے دل والوں کے آنسو پونچھنے کے لیے ان کے پاس ایک پل بھی نہیں ہوتا۔''

''جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنی آنکھیں اور چہرہ صاف کیا۔

''شاباش...... چلو ناشتہ کرتے ہیں، مومنہ دو بار بلا کر گئی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولیں، شجر نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

''آپ جائیں اماں جی، میں اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی اور......'' وہ کہتے ہوئے رکی۔

''میں نہیں چاہتی میری وجہ سے موحد اور آیت کی زندگی میں کوئی خلل پڑے۔'' اس نے سر جھکا کر کہا۔

''ٹھیک ہے مگر صرف آج کا دن...... تم کوئی چور یا گناہ گار نہیں ہو جو چھپ کر بیٹھو، جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے ان کو نبھانے کا خیال ہونا چاہیے نہ کہ تمہیں جس کی زندگی سے خوشیاں چھیننے کی اتنی جلدی تھی سب کو۔'' وہ رنجیدگی سے بولیں۔

''چلو، میں مومنہ یا فجر کو بھیجتی ہوں تمہارے پاس۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر چلی گئیں، شجر نے بے ساختہ ایک طویل سانس خارج کی تھی۔

"میرے مالک...... مجھے ان حالات میں ثابت قدم رکھنا اور حوصلہ دینا۔" اس نے دل سے دعا کی تھی۔

کافی دن بعد ناشتے کی میز پر معمول کی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ تقریباً سب لوگ ہی وہاں پہنچ کر اپنی اپنی کرسیاں سنبھال چکے تھے۔ اماں جی کا ہی انتظار تھا۔ آج ناشتہ بنانے کی باری مومنہ اور فجر کی تھی مگر بنی سنوری آیت وہاں پر اپنی چہکاروں سے سب پر حاوی نظر آ رہی تھی، اس کی توجہ کا مرکز بڑے تایا، صفیہ تائی اور موحد تھے، وہ مختلف ڈشز اٹھا اٹھا کر ان کے سامنے رکھ رہی تھی۔

"شجر نہیں آئی اماں جی؟" یشعرہ کے سوال پر ناشتہ کرتے موحد کا ہاتھ تھم گیا تھا، اس کے اس عمل اور یشعرہ کے سوال پر آیت کے خوب صورت چہرے پر ناگواری چھائی تھی۔

"نہیں...... وہ کمرے میں ناشتہ کرے گی، فجر ناشتہ کر کے بہن کو بھی ناشتا دے دینا بیٹا، شروع کریں سب۔" اماں جی نے بات ختم کی۔

"جی اماں جی، ایسا کرتی ہوں میں بھی شجر کے ساتھ ناشتہ کر لیتی ہوں۔" فجر ایک ٹرے میں سارے لوازمات رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ لیں ناں......" آیت نے موحد کو ٹوکا شجر کا نام سنتے ہی اس کی ناشتہ میں دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

"نہیں بس چائے دے دو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اللہ کرے تم مر جاؤ شجر۔" آیت نے دل سے دعا کی، کچھ دیر پہلے والا کھلکھلاتا چہرہ اب ناگواری لیے ہوئے تھا۔

"کیسی ہیں آپا، طبیعت کیسی ہے اب [illegible]؟" وہ فون پہ گفتگو کر رہی تھیں۔

"بس زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں مریم، لگتا ہے موت سرہانے قدم جمائے کھڑی ہے اب اچک لے کہ تب اچک لے۔"

"ایسا مت کہیں آپا، اللہ پاک آپ کو لمبی عمر دے، آپ کو پوتوں، پوتیوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب فرمائے۔" ان کی تھکی تھکی آواز پر اماں جی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"لمبی عمر جی کر کیا کرنا ہے مریم جب سکون ہی پاس نہ ہو...... بس اب تو ہر پل یہ دعا ہے کہ آسان زندگی نہ سہی آسان موت ہی نصیب کر دے مولا تو میں سمجھوں گی کہ سب گناہ معاف ہوئے۔" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے آپا؟ آپ تو بالکل ہی ہمت ہار بیٹھیں، آپ تو بڑی سے بڑی مشکل میں بھی کبھی نہیں گھبرائیں، معمولی سی بیماری کو ہی دل پر لے لیا۔ ان شاء اللہ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔" اماں جی نے پورے خلوص سے کہا۔

"اچھا ہم نے جس مقصد کے لیے فون کیا تھا بتاؤں، اصل بات تو کہیں بھول کر اپنی باتوں میں لگ گئیں۔" انہوں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"جی کہیے آپا۔" اماں جی نے مودبانہ ہو کر کہا۔

"منتہا اپنی شادی کے دن اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئی......" ان کی آواز میں نمی چھلکی۔

"وریشہ اور مومنہ کی شادیاں ہوئیں تو حالات ایسے تھے کہ ہم انہیں اپنی دعاؤں کے سائے تلے رخصت

کر سکے نہ فرائض کی ادائیگی کے تشکرانہ احساس کو محسوس کر سکے، اب آمنہ میرے آنگن کی آخری چڑیا بھی اڑنے کو ہے تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی سب بچیوں کو ہمارے ہاں بھیجیں، کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گی، ہنس بولیں گی تو ہمیں خوشی ہوگی، ہماری منتہا کو بہت ہی شوق ہوتا تھا کہ گھر میں تقریب ہوا اور آپ کے گھر کی لڑکیاں آئیں، ایسے ہی وہ آپ کے گھر جانے کے بہانے ڈھونڈا کرتی تھی، کبھی کوئی بہانہ کر کے تو کبھی جھوٹی سچی سنا کے ساری لڑکیوں آپ کے گھر لے آیا کرتی تھی۔" وہ رنجیدہ سی ہو کے بول رہی تھیں۔ "بچیاں بھی خوش ہو جائیں گی، ہمارا بھی دل بہل جائے گا۔"

"جی بہتر آپا، ٹھیک کہا آپ نے...... یہی مواقع ہوتے ہیں بچیوں کے مل بیٹھنے کے، شجر کو تو یشعرہ نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی تیار کیا ہوا تھا وہاں آنے کے لیے، میں کوشش کروں گی کہ سب بچیوں کو بھیج سکوں، آپ اپنا خیال رکھیے گا۔" اماں جی نے ایک دو اور باتوں کے بعد موبائل بند کر کے میز پر رکھ دیا تھا۔

"کاش آپا آپ منتہا کے ساتھ وہ سب کچھ نہ کرتیں...... میں جانتی ہوں یہ جو حالت ہے آج کل آپ کی یہ محض ایک بیماری نہیں ہے بلکہ ہنستی کھیلتی ایک زندگی کو زبردستی موت سے ہمکنار کرانے کا پچھتاوا ہے جو آپ کو اب نہ سکون سے جینے دے رہا ہے نہ ہی مرنے، بے شک اللہ پاک بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔" انہوں نے سوچا اور تسبیح اٹھا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟" لیپ ٹاپ سے نظریں اٹھا کر ایان نے مومنہ کو مگن سے انداز میں بیگ میں کپڑے رکھتے دیکھا تو چونک کر پوچھا۔

"کیا مطلب کیا ہو رہا ہے...... بتایا تو تھا آپ کو کہ آمنہ کی شادی کے دنوں میں رہنے کے لیے گھر جاؤں گی...... ویسے بھی شادی کے بعد میں گئی کب ہوں رہنے وہاں بلکہ شاید میں دنیا کی وہ واحد لڑکی ہوں گی جو اپنی شادی سے بھی کچھ عرصے پہلے رخصت ہو کر اپنے گھر آ گئی تھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے...... بیگم یہ کیا ظلم ڈھانے لگی ہو تم مجھ غریب پر۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے میز پر رکھا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"اس میں ظلم والی کون سی بات نظر آ گئی آپ کو...... کتنا عرصہ ہو گیا ہماری شادی کو، اس دوران بھی یہاں کے تو وہاں کے حالات ایسے رہے کہ جانا ہی نہ ہو سکا، مریم اور عبدالحنان بھائی اور اماں جان کی طبیعت کی خرابی کے مواقع پر بھی کھڑے کھڑے ہسپتال کا چکر لگا میرا...... یا ذرا کی ذرا اور ریشہ کی رخصتی والے دن تھوڑی دیر کو...... اب تو کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے اور موقع بھی ہے۔" وہ ہنوز کپڑے چیک کرنے میں مصروف تھی۔

"یار...... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" بے بسی سے کہتا وہ اس کے قریب ہوا، اس کے ہاتھ سے سوٹ لے کر بیڈ پر رکھا اور اس کے کندھوں سے پکڑ کر اسے بیڈ پر لا کر بٹھایا اور خود بھی بالکل برابر میں بیٹھ گیا۔

"چوبیس گھنٹوں کے ایک دن میں تمہارا سارا وقت گھر والوں کے آگے پیچھے خدمتیں کرتے گزر جاتا ہے چند پل کے لیے مجھے دستیاب ہوتی بھی ہو تو ایسے کہ چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں نیند سے بے حال ہو رہی ہوتی ہیں، اب کم از کم مجھے اس تھوڑے سے وقت سے محروم نہ کرو، میں تمہیں منع نہیں کر رہا جانے سے لیکن تم ایسا کرو کہ میں آفس جاتے ہوئے تمہیں چھوڑ دیا کروں گا اور واپسی پر لے آیا کروں گا، تم بھی خوش میں بھی راضی۔" وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی ایان...... سب کی شادیاں ایسے افراتفری کی نذر ہوگئیں، اب آمنہ کی شادی پر ایک عرصہ بعد ہم سب اکٹھی ہوں گی۔'' وہ روٹھی روٹھی سی بولی۔

''چلو پھر جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ فوراً اس کے پاس سے اٹھ کر دوبارہ صوفہ پر بیٹھ گیا اور میز سے لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنی ٹانگوں پر رکھ لیا۔

''اچھا بابا...... آپ کو پتا ہے کہ آپ کا یہ موڈ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، چلیں جلدی موڈ ٹھیک کریں، ویسے ہی ہوگا جیسے آپ کہیں گے، ان بلیوں کو میں جھیل لوں گی۔'' کچھ دیر وہ اس کا موڈ دیکھتی رہی پھر ہار مان کر بولی۔

''یہ ہوئی ناں بات...... چھوڑو یہ کپڑے میں واپس رکھ دیتا ہوں، تم اس خوشی میں اپنے خوب صورت ہاتھوں کی مزے دار سی چائے لے کر آؤ۔'' وہ چہک کر بولا تو بیگ سے کپڑے واپس نکالتی مومنہ سر جھٹک کر مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

✿......✿......✿

''کیا کہہ رہی ہیں اماں آپ؟ آپ ایسا کس طرح کر سکتی ہیں، جب سب کچھ میں آپ کو بتا بھی چکا ہوں۔'' کچھ دیر سلطانہ تائی کو حیرت سے دیکھنے کے بعد اجمل بولا، تاہم لہجہ مودبانہ ہی تھا۔

''میں بھی تمہیں قبل از وقت ہی بتا رہی ہوں کہ کل میں جب بھائی کو دیکھنے گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی ایسی حالت بیماری نے نہیں کی بلکہ بیٹیوں کے بڑھتے قد نے ان کی کمر جھکا دی ہے، کیسے ان کی آس توڑ دیتی جب انہوں نے بہت امید سے کہا کہ آپا کوئی مناسب رشتے ہوں تو بتانا...... اس فرض کی ادائیگی کا بوجھ نہ مجھے مرنے دے رہا ہے نہ جینے، وہ بھی اس صورت جب ان بچیوں کی ماں کا سایہ بھی سر پر نہیں، میں کیسے ان کو نامراد کر دیتی، جب کہ ایک بار پہلے میں ان کو اس بات کا حوالہ دے چکی تھی کہ میں ان کی بچیوں میں سے ایک کو اپنی بہو بناؤں گی، اماں جان بھی واقف ہیں، اس بات سے اور ان کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا، اپنے ذہن کو اس بات پر آمادہ کر لو جتنا جلدی ہو سکے، میں تین چار ماہ تک تمہاری شادی کا ارادہ رکھتی ہوں۔'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔ وہ کچھ بولے بغیر کھڑا ہوگیا۔

''تم نے جواب نہیں دیا؟'' انہوں نے اس کے جانے کا ارادہ بھانپ کر کہا۔

''کیا جواب دوں اماں، جب میں اس سارے سلسلے میں کہیں ہوں ہی نہیں۔'' وہ طویل سانس لے کر بولا۔

''کہیں پر خونی رشتے آپ کے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں، تو کہیں والدین کی خواہشات آڑے آجاتی ہیں، ایسے میں وہ دو فریق جو ساری زندگی کے لیے ایک دوسرے سے بندھنے جا رہے ہوتے ہیں، ان کی پسند اور مرضی کو رد نہیں کرنا چاہیے جس کی اجازت ہمارا مذہب بھی دیتا ہے، وہ ضروری کام جو سب سے پہلے اور اہم ہونا چاہیے اس کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ تو وہی کام ہوا کہ گردن کے گرد پھندا کسنے کے بعد مرنے والے سے پوچھا جائے کہ تمہیں ایک جھٹکے میں ہی زندگی سے چھٹکارا دے دیا جائے یا آہستہ آہستہ اذیت کے پل صراط سے گزارتے ہوئے پھندا کسا جائے۔'' وہ افسردگی سے بولا۔

''میرے سامنے یہ کتابی باتیں مت کرو بیٹا...... میں نے زندگی سے ایسے ایسے سبق سیکھے ہیں جن کی الف، ب بھی ابھی تمہیں نہیں پتا، مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کا کبھی برا نہیں سوچتے، یہ اور بات ہے کہ اس حقیقت کو قبل از وقت نہیں سمجھا جا سکتا صرف وقت ہی ہے جو والدین کے فیصلوں کی اچھائی اور مثبت نتائج کو سامنے لاتا ہے۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اب تمہیں اجازت نہیں دوں گی کہ بستر مرگ پر

پڑے اپنے بھائی کو دکھ پہنچاؤ۔''
''ماں باپ کا حق تو اولاد ادا کر ہی نہیں سکتی اماں، لاکھ کوشش کرے لیکن اس فیصلے کو قبول کرنے کے لیے مجھے وقت درکار ہوگا، کتنا...... یہ میں نہیں جانتا، جس دن میرے دل و دماغ راضی ہو گئے آپ کو بتا دوں گا، لیکن اس فیصلے کے بعد آپ اور کوئی فیصلہ نہیں لیں گی، جب تک میرا دل اس بات کو قبول نہ کرلے۔''
''پر منگنی تو......''
''نہیں۔'' اجمل نے ان کی بات کاٹی۔
''منگنی کی نہ کوئی شرعی حیثیت ہے نہ سماجی...... آپ ابھی ایسا کچھ بھی نہیں کریں گی، ایسا نہ ہو کہ عبدالحنان جیسا ماضی میں کر چکا ہے، ویسا ہی ایک فیصلہ مجھے بھی لینا پڑے۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔
''یا میرے مولا، کب اس گھر پر مشکلات کی کڑی دھوپ آسودگی کی ٹھنڈی چھاؤں میں بدلے گی؟'' سلطانہ تائی نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام کر سوچا، اپنی دانست میں وہ اپنے بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے قریب تھیں مگر کاتب تقدیر نے اس حوالے سے کیا لکھا تھا، اس امر سے ناواقف تھیں۔

''آیئے آیئے...... تشریف لایئے، بس آپ ہی رہ گئے تھے۔'' غیر متوقع طور پر اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ گڑبڑایا۔
''جی......!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
''اب آپ کہیں گے کہ آپ کے سر میں درد ہے۔'' فجر نے فخریہ انداز سے پیشن گوئی کی۔
''جی ہے تو ہلکا ہلکا...... مگر آپ کو کیسے پتا؟'' اس نے ہونق پن سے پوچھا، فجر نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ لگایا۔
''ارے ہم...... میرا مطلب ہے کہ میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں، یہ چائے کم بخت چیز ہی ایسی ہے، میں خود دوسروں کو اسی بہانے سے بے وقوف بناتی ہوں۔''
''جی کون سا بہانہ اور اس کا چائے سے کیا تعلق؟'' اس کی بے سروپا باتیں سلطانہ تائی سے ہونے والی گفتگو کا اثر زائل کر رہی تھیں۔
''وہ یہ کہ میں جیسے ہی چائے بنانے کا ارادہ لے کر اٹھی اور کچن میں آنے کا ارادہ کیا...... شجر، آمنہ اور ریشہ کو یاد آیا کہ وہ کام کر کر کے بہت تھک گئی ہیں اور ان کو چائے کی کتنی سخت ضرورت ہے، ابھی کمرے سے باہر ہی نکلی تھی کہ یشعرہ نے قدموں کا رخ جانچ لیا کہ کچن میں جا رہی ہوں اور چہرے سے بھانپ لیا کہ چائے کا ارادہ ہے، ان کو یاد آیا کہ ان کا سر دکھ رہا ہے، ان کو بھی چائے چاہیے، ابھی چائے کا پانی چولہے پر رکھا ہے کہ غمزدہ تاثرات کے ساتھ آپ کچن میں داخل ہوئے صاف ظاہر تھا کہ چائے کی طلب میں ہی آئے ہیں۔'' اس نے فرضی کالر جھاڑا۔
''جی...... جی بالکل صحیح جانچ فرمائی آپ نے۔'' وہ مسکرایا۔
''مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کیسے بے وقوف بناتی ہیں اور کس کو بناتی ہیں۔'' کم گو اجمل کو اس پل اس گھر کے افراد میں سے کوئی دیکھ لیتا تو حیرت سے بے ہوش ہو جاتا کہ دن میں گنتی کے چند الفاظ بولنے والا اجمل اس لڑکی کے سامنے خود کو بولنے سے باز نہیں رکھ پا رہا تھا۔
''ارے اجمل بھائی، آپ بھی کند ذہن ہیں...... بتایا ہے ناں چائے چیز ہی ایسی ہے کہ ابھی پی کے بیٹھے ہو،

ابھی کوئی دوسرا پیئے تو آپ کا خوامخواہ دل دوبارہ پینے کو کرتا ہے، میں فوراً سر کو دبانے لگتی ہوں، کوئی چائے بنانے جارہا ہو تو اگلا خود ہی سمجھ جاتا ہے۔" اس نے ابلتے قہوے میں دودھ ڈالتے ہوئے مزے سے کہا۔

"ویسے یہ تو زیادتی ہے...... آپ مہمان ہیں اور آپ کو ہی کچن میں بھیج دیا آمنہ کہاں ہے؟ وہ بنالیتی۔"

"ویسے افسوس کی بات ہے کہ آپ ہمیں مہمان سمجھتے ہیں ورنہ ہم نے کبھی اس گھر کو کسی غیر کا گھر نہیں سمجھا اور آمنہ کی تین دن بعد شادی ہے تو آپ کو نہیں پتا کہ دلہنوں سے کام نہیں کرایا جاتا۔" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔

"تم کیا کررہے ہو اجمل یہاں؟" سلطانہ تائی اچانک کچن میں آئیں، اجمل کو خوشگوار موڈ میں اس سے باتیں کرتا دیکھ کرنا گواری سے بولیں۔

"ان کے سر میں درد ہورہا تھا، چائے بنانے آئے تھے شاید، میں سب کے لیے بنارہی تھی تو کہا کہ آپ کے لیے بھی بنادیتی ہوں، آپ بھی پئیں گی تو بنادوں آپ کے لیے بھی؟" فجر کے دل میں کوئی چور نہیں تھا تو وہ معمول کے انداز میں بولی۔

"نہیں شکریہ، تم چلو اپنے کمرے میں، میں وہیں تمہاری چائے بھجوادیتی ہوں اور کام والی لڑکی سے کہہ دیا ہوتا، وہ بنادیتی تم نے خوامخواہ تکلیف کی۔" انہوں نے جتاتی ہوئی نظر فجر پر ڈالی۔

"ارے نہیں سلطانہ تائی، یہ بھلا کون سا مشکل کام ہے پھر اماں جی نے ہمیشہ یہی بتایا ہے کہ باقی کام بھلے ملازماؤں سے کرالو مگر کھانا پکانا عورت کو خود کرنا چاہیے کہ جس محنت، شوق اور محبت سے ایک عورت یہ سب کرتی ہے وہ ملازمہ کبھی نہیں کرسکتی، تو ہمیں عادت ہی نہیں ہے کسی کے ہاتھ کا کچھ کھانا کھانے کی یا چائے وغیرہ کی...... یہ لیں اجمل بھائی آپ کی چائے۔" سادگی سے کہتے ہوئے اس نے کپ بھر کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو اجمل کو وہاں سے غائب پایا۔

"لاؤ دو مجھے، میں دے کر آتی ہوں اور...... تمہارے گھر کا اور یہاں کے ماحول میں ذرا فرق ہے، اس لیے ذرا احتیاط سے سنبھل کر، اماں جہاں نے کچھ اصول وضع کیے ہیں یہاں جن سے انحراف ان کو سخت ناپسند ہے اور وہ اصول اب اس گھر کا لازمی حصہ ہیں۔" جاتے ہوئے انہوں نے کہا، فجر جی کہہ کر رہ گئی۔

"توبہ اتنی مشکل باتیں کرتی ہیں خاتون...... مجال ہے جو ایک لفظ بھی پلے پڑا ہو کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ ٹرے میں کپ رکھ رہی تھی۔

٭٭٭

"اتنا عرصہ نہیں گزرا لیکن سب کچھ کتنا عجیب اور اجنبی اجنبی لگ رہا ہے، یہ کمرہ جس میں ہم نے اپنی زندگی کے انیس بیس سال گزار دیئے، کتنا پرایا لگ رہا ہے ناں وریشہ؟" مومنہ نے چاروں اطراف میں نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تبدیلی کائنات کا اصول ہے مومنہ، آج سے تین سال پیچھے دیکھیں تو اس وقت ہمیں کوئی کہتا کہ تم سب کی زندگی میں یہ، یہ تبدیلیاں آنے والی ہیں تو ہم شاید یقین ہی نہ کرتیں، یہ زندگی ہے اور یہی اس کا چلن...... عقل مند وہ ہے جو وقت کے دھارے پر خود کو بہتا چھوڑ دے، وقت اسے خود ہی اپنے تئیں تو کبھی سبک رواں بہاؤ کے ساتھ منزل تک لے جاتا ہے، اگر اس کے ساتھ مقابلہ لگا کر بیٹھ جاؤ پھر اس کی تند وتیز لہریں آپ کو پٹخ پٹخ کر زندگی کے تلخ ترین حقائق سے خود ہی روشناس کرادیتی ہیں۔" وریشہ اسے بدتر حقائق بتارہی تھیں۔

"آج منتہا ہوتی تو کتنی خوش ہوتی ناں وریشہ، یہ ہلا گلا یہ رونق دیکھ کر۔" مومنہ کی آواز بھرائی۔

''کون جانے کہ وہ خوش بھی ہوتی کہ نہیں...... قدرت کی مصلحتوں کے بھید جاننا ہم انسانوں کے بس کی بات کہاں۔'' اس نے طویل سانس لے کر کہا۔

''چلو بھئی اب اس اداس ماحول سے باہر آؤ اور اچھی اچھی باتیں کرو، میں نے تو اکثر دیکھا ہے کہ شادی شدہ خواتین جب میکے آتی ہیں تو اپنی سسرال والوں کی غیبتوں کے گٹھڑ باندھ کر ساتھ لاتی ہیں۔ یہاں تو ایسا کوئی سین ہی نہیں ہے کیوں شجر......؟'' فجر نے ان دونوں کو کہا اور خاموش بیٹھی شجر کو ٹہوکا دیا جو اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی، چونک کر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''جی نہیں محترمہ، نہ تو ہر سسرال بری ہوتی ہے نہ ہر لڑکی کی سوچ اپنے سسرال کے بارے میں بری ہوتی ہے اور ہمارے یہاں تو توبہ کرو جو اس بات کا تصور بھی ہو، اماں جہاں کا قول ہے سسرال کی برائیاں میکے بیان کرنے والی لڑکیاں اپنی اور اپنے سسرال دونوں کو میکے میں ہلکا کر دیتی ہیں اور پروردگار کا لاکھ شکر ہے کہ میرے سسرال میں ایسے کوئی مسائل نہیں ہیں کہ جن کو میکے لا کر میں اپنے گھر والوں کو خوامخواہ کی پریشانی دوں۔''

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ، اللہ نظر بد سے بچائے۔'' وریشہ کی بات پر فجر نے سر دھنا۔

''یہ شجر کیوں اتنی چپ چپ ہے؟ بھئی تم دونوں کی جوڑی تو ہنستے مسکراتے ہی اچھی لگتی ہے۔'' وریشہ کا انداز ٹوہ لینے والا ہرگز نہیں تھا بلکہ اسے ہنسنے اور بولنے پر اکسانے والا تھا کہ مومنہ اور آمنہ اسے بتا چکی تھیں کہ کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر شجر کے بجائے موحد کی شادی آیت سے کر دی گئی ہے، اس حوالے سے نہ کوئی ذکر چھیڑا جائے نہ کوئی سوال کیا جائے۔ شجر وریشہ کی بات پر زبردستی مسکرائی۔

''آپ سب کی شادیاں اتفاق سے اتنی جلدی اور اچانک ہوئیں کہ ہم شادی میں کوئی چاؤ پورے ہی نہ کر سکے، لیکن ہماری آمنہ کی شادی میں ہم اگلے پچھلے سارے ارمان پورے کرنے والی ہیں اور یہ ہماری شجر اتنی خوب صورت مہندی لگاتی ہے کہ کیا ہی کوئی ماہر بیوٹیشن لگاتی ہوگی۔'' فجر نے کہا۔

وہ ساری ایک دم شجر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ فجر نے ایسے فرضی کالر کھڑے کیے جیسے اس نے کوئی کارنامہ سر انجام دیا ہو۔ ابھی شجر نے مہندی لگانا شروع ہی کی تھی کہ یشعرہ کا سہارا لیے نحیف ونڈھال سی اماں جہاں کمرے میں داخل ہوئیں، وہ سب حیران رہ گئیں، وریشہ نے فوراً اٹھ کر یشعرہ کی مدد سے ان کو بیڈ پر تکیوں کے سہارے بٹھایا جب کہ وہ سب نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی تھیں۔

''تم لوگ پریشان مت ہو...... اپنے کام اور باتیں کرتی رہو، ہم اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے گھبرا گئے تھے تو اس بچی سے کہا کہ ہمیں بھی ذرا بچیوں کے کمرے تک لے جائے شاید ایسے دل کچھ بہل جائے۔'' اتنی سی بات میں ان کی سانس بری طرح پھول گئی تھی۔

''ارے ایسی ویسی...... بڑی دادی آپ دیکھیے گا کہ اپنے اس فیصلے کی وجہ سے آپ کیسے بھاگنے دوڑنے لگیں گی، یہ میں ایسے ہی نہیں کہہ رہی، میرے سامنے ہماری اماں جی کی مثال ہے، ماشاء اللہ کتنی چاق وچوبند اور فریش ہیں تو یہ سارا ہماری کمپنی کا کمال ہے، جوان اور تازہ دم لوگوں کے ساتھ انسان خود بھی ویسے محسوس کرتا ہے اور......''

''فجر......'' یشعرہ نے گھبرا کر اسے ٹوکا کہ یہاں آ کر وہ یہاں کے رنگ میں رنگی تو نہیں تھی مگر سب کے مزاج وعادات سے وہ بخوبی واقف تھی، مزید یہ کہ اس کو پتا تھا اماں جہاں کو غیر ضروری باتیں نہ سننے کی اجازت تھی نہ کرنے کی مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے اماں جہاں کے زرد چہرے پہ پھیلتی مسکراہٹ دیکھی۔

''پتا ہے بڑی دادی، اماں جی ہماری بہت اچھی دوست ہیں، اتنی قریب کہ ہماری ہر بات ابھی منہ سے بھی نہیں نکلی ہوتی، ان کو پتا چل جاتی ہے۔ خود ڈانٹ لیتی ہیں مگر ہماری اماؤں سے ہمیں بچا لیتی ہیں اور اپنی زندگی کے جو مزے مزے کے واقعات سناتی ہیں، ان کی تو کیا ہی بات ہے۔ دادا ابا کے ساتھ پورا ملک گھومی تھیں وہ، ہر شہر کے قصے انہوں نے ہمیں سنا رکھے ہیں۔'' اماں جہاں کا موڈ دیکھ کر فجر پھیلی جب کہ اماں جہاں کے گھر کی لڑکیاں فجر کی اس بے سروپا گفتگو اور جواباً اماں جہاں کے خاموش رہنے پر حیران بیٹھی تھیں۔

''اماں جی بتاتی ہیں کہ آپ شروع سے ہی سنجیدہ اور سمجھدار تھیں، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ آپ جیسا بننے کی خواہش کی مگر ان کی فطرت میں جو لاابالی پن تھا وہ انہیں نچلا نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور...... اور بہت پہلے جب دونوں گھروں میں آنا جانا نہیں تھا تو اماں جی بتاتی تھیں کہ ان کی بڑی بہن بہت خوب صورت، بارعب اور سنجیدہ ہیں، ہم سب کو خوب اشتیاق تھا آپ کو دیکھنے کا۔'' شجر کی اگلی بات پر ایک آہ اماں جہاں کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔

''اچھا بڑی دادی، ایک بات تو بتائیں...... آپ کی پوتیوں میں سے کس کی دوستی زیادہ ہے آپ کے ساتھ، ہم سب کی دوستی ہے اماں جی کے ساتھ...... ہمارے لاڈ اور فرمائش بھی پوری کرتی ہیں مگر جو اہمیت شجر بی بی کی ہے وہ کسی کی نہیں، اس بات پر مجھے جیلسی بھی بڑی ہوتی ہے شجر سے۔'' وہ مزے سے بولی۔

''منتہا......'' ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ مومنہ نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا' آمنہ اور وریشہ کی نظروں میں حیرت جب کہ شجر اور یشعرہ کے چہروں پر اشتیاق تھا۔

''منتہا کچھ ایسے ہی لاڈ اور فرمائش کیا کرتی تھی وہ...... ہاں...... جب اس کے لاڈ پورے کرنے کے دن آئے وہ ہمیں چھوڑ کر اپنے ابدی سفر پر چلی گئی۔'' ان کی آواز بھرائی۔

''اور یہ باقی بچیاں...... یہ شروع سے میری صابر اور قانع بچیاں رہی ہیں، نہ شرارتیں، نہ شوخی، نہ لاڈ...... میں ان سے خوش ہوں، راضی ہوں۔'' اور بچیاں ان کی زبانی اپنی تعریف سن کر یقیناً بے ہوش ہونے کو تھیں۔

''اور تم......'' انہوں نے فجر کی طرف مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔

''تمہیں اپنی اماں جی کی جوانی دیکھنی ہو تو خود کو آئینے میں دیکھ لیا کرو...... ویسی شوخی، ویسی شرارت، وہی چلبلاپن، وہی حاضر جوابی۔'' فجر نے شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے دوپٹے کا کونا منہ میں دبا لیا۔ اماں جہاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی تھی وہاں ان سب کی دبی دبی ہنسی کی آواز بھی ابھری تھی۔

❋ ...... ✿ ...... ✿ ...... ❋

''وریشہ...... ماں کے بعد میں نے جس کا سب سے زیادہ دل دکھایا ہے وہ تم ہو...... ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' دلہن بنی آمنہ نے وریشہ کے دونوں ہاتھ تھام کر بے قراری سے کہا، جب وہ اس کا دوپٹا ٹھیک کرنے لگی، وہ دونوں اس وقت کمرے میں اکیلی تھیں اور وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔

''دکھایا تھا...... بہت ہی دکھایا تھا اور یقیناً میں اب تک ناراض بھی ہوتی اور تمہیں کبھی بھی معاف نہ کرتی، اگر جو پروردگار نے میرے حصے میں اچھے لوگ نہ لکھ دیئے ہوتے، میں اپنے دل میں تمہارے لیے بہت سا غصہ، بہت سی ناراضی لیے رخصت ہوئی تھی، میں نے سوچا تھا کہ منتہا نے جان کی بازی ہار کر اور تم نے گھر سے بھاگ کر اپنی جان چھڑا لی اور مفت کی مصیبت میرے سر منڈھ دی، مجھے ان دنوں ایک فرماں بردار بیٹی ہونے پر بھی غصہ تھا، میں نے بھی ہر بار سوچا کہ کیا ہوتا جو میں منتہا کی طرح بہادر اور خودسر ہوتی، کیا ہوتا جو میں بھی تھوڑی سی

بغاوت دکھادیتی، میں اس گھر پر کبھی قدم نہ رکھنے کا عہد لے کر اس آنگن میں اتری تھی...... اماں جہاں، اماں، بابا سب مجھے اپنی غرض کے غلام لگنے لگے تھے جنہوں نے منتہا کی جگہ تمہیں دار پر لٹکانا چاہا اور جب تم نے اپنی چالاکی سے اپنی پسند کی راہ چن لی تو ایک ان چاہا ڈھول میرے گلے میں لٹکا دیا گیا۔ صرف اپنی عزت بچانے کے لیے میرے جذبات، احساسات سب کو قربان کر دیا تھا۔'' اس نے ایک طویل سانس لی، آمنہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''لیکن میرا رب...... وہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا، کسی کو اس کے ظرف سے زیادہ نہیں آزماتا، وہ جو بھی کرتا ہے، بے شک بہترین کرتا ہے، میری ساس نے مجھے بے پناہ محبت دی، شاید یہ سوچ کر کہ میں کبھی یہ محسوس نہ کر سکوں کہ میں یہاں کسی اور کی جگہ پر آئی ہوں، میرے خاوند نے ہر پل مجھے یہ احساس دلایا کہ اس کی زندگی میں مجھے ہی آنا تھا، چاہے کسی طریقے سے بھی سہی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی محبت اور میرا اعتماد بڑھتا گیا، ویسے ویسے تم پر غصہ بھی غائب ہوتا گیا، جس روز میں نے اپنی پوری آمادگی اور آسودگی کے ساتھ اس گھر میں دوبارہ قدم رکھا میرے دل میں کسی کے لیے ذرا برابر بھی ناراضی نہیں تھی، میں نے پروردگار کی حکمت کو مان لیا تھا، جان لیا تھا، اب تم سکون سے اپنے گھر جاؤ اس خیال کو اپنے دل سے نکال کر کہ میں تم سے ناراض ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہا اور آمنہ کو گلے سے لگا لیا تھا۔

......✿......✿......

''عبدالحنان...... کس سوچ میں گم ہیں، دیکھیے تو میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' یشرہ نے سوچ میں ڈوبے ہوئے عبدالحنان کو متوجہ کیا۔

''ہمم...... ٹھیک لگ رہی ہو...... بارات آ گئی کیا؟'' وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔ یشرہ کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ کتنے دنوں بعد ایک اچھا دن آیا تھا جب دل و دماغ کسی بوجھ سے آزاد تھے اور آج کتنے عرصہ بعد وہ پورے دل سے تیار ہوئی تھی اور یقینی طور پر عبدالحنان کے منہ سے اپنی تعریف سننے کی متمنی تھی مگر کیا کرتی کہ اس کی پوری کوششوں کے باوجود وہ زندگی کے معمولات کی طرف لوٹ نہ پا رہا تھا۔ اگر اس نے شادی سے پہلے والا وہ زندہ دل عبدالحنان نہ دیکھا ہوا ہوتا جو زندگی کے رنگوں سے بھرپور تھا اور اس کو اپنے ہر راستے پر کھڑا ملتا تھا تو وہ کبھی بھی یقین نہ کرتی کہ بستر پر بیزاری سے صبح کو شام اور شام کو صبح کرتا یہ شخص کبھی زندگی سے بھرپور بھی شخص تھا۔

''اجمل سے کہو، مجھے اماں جہاں کے کمرے میں لے چلے، میں کسی کا سامنا کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔'' وہ خشک لہجے میں بولا۔

''آپ نے کوئی جرم نہیں کیا عبدالحنان جو چھپ کر بیٹھیں گے، آج آپ کی بہن کی شادی ہے، آپ کو شادی میں بھرپور طریقے سے نہ سہی کم از کم رخصتی میں شامل ہونا چاہیے، اس طرح کب تک چھپ کر بیٹھیں گے؟ آپ دنیا کو کیا دکھائیں گے جب حقیقت کو آپ خود تسلیم کرنے اور اس کا سامنا کرنے سے انکاری ہیں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''ابھی چند دن پہلے ہی تم مجھ سے وعدہ کر چکی ہو کہ تم میرے فیصلوں پر چاہے وہ جو بھی ہوں ان پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کرو گی۔'' اس کا لہجہ ہنوز بے گانگی لیے ہوئے تھا۔ یشرہ تیزی سے اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

''بخدا میں آپ کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی ہرگز کوشش نہیں کر رہی نہ ہی میں اپنا وعدہ بھولی ہوں، میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ہر انسان کے اندر ایک مضبوط اور بہادر انسان چھپا ہوتا ہے جس کا انسان کو خود ادراک

"پتا ہے بڑی دادی، اماں جی ہماری بہت اچھی دوست ہیں، اتنی قریب کہ ہماری ہر بات ابھی منہ سے بھی نہیں نکلی ہوتی، ان کو پتا چل جاتی ہے۔ خود ڈانٹ لیتی ہیں مگر ہماری اماؤں سے ہمیں بچا لیتی ہیں اور اپنی زندگی کے جو مزے مزے کے واقعات سناتی ہیں، ان کی تو کیا ہی بات ہے۔ دادا ابا کے ساتھ پورا ملک گھومی تھیں وہ، ہر شہر کے قصے انہوں نے ہمیں سنا رکھے ہیں۔" اماں جہاں کا موڈ دیکھ کر فجر پھیلی جب کہ اماں جہاں کے گھر کی لڑکیاں فجر کی اس بے سروپا گفتگو اور جواباً اماں جہاں کے خاموش رہنے پر حیران بیٹھی تھیں۔

"اماں جی بتاتی ہیں کہ آپ شروع سے ہی سنجیدہ اور سمجھدار تھیں، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ آپ جیسا بننے کی خواہش کی مگر ان کی فطرت میں جو لاابالی پن تھا وہ انہیں نچلا نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور...... اور بہت پہلے جب دونوں گھروں میں آنا جانا نہیں تھا تو اماں جی بتاتی تھیں کہ ان کی بڑی بہن بہت خوب صورت، بارعب اور سنجیدہ ہیں، ہم سب کو خوب اشتیاق تھا آپ کو دیکھنے کا۔" شجر کی اگلی بات پر ایک آہ اماں جہاں کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔

"اچھا بڑی دادی، ایک بات تو بتائیں...... آپ کی پوتیوں میں سے کس کی دوستی زیادہ ہے آپ کے ساتھ، ہم سب کی دوستی ہے اماں جی کے ساتھ...... ہمارے لاڈ اور فرمائش بھی پوری کرتی ہیں مگر جو اہمیت شجر بی بی کی ہے وہ کسی کی نہیں، اس بات پر مجھے جیلسی بھی بڑی ہوتی ہے شجر سے۔" وہ مزے سے بولی۔

"منتہا......" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ مومنہ نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا' آمنہ اور وریشہ کی نظروں میں حیرت جب کہ شجر اور یشعرہ کے چہروں پر اشتیاق تھا۔

"منتہا کچھ ایسے ہی لاڈ اور فرمائش کیا کرتی تھی وہ...... ہاں...... جب اس کے لاڈ پورے کرنے کے دن آئے وہ ہمیں چھوڑ کر اپنے ابدی سفر پر چلی گئی۔" ان کی آواز بھرائی۔

"اور یہ باقی بچیاں...... یہ شروع سے میری صابر اور قانع بچیاں رہی ہیں، نہ شرارتیں، نہ شوخی نہ لاڈ...... میں ان سے خوش ہوں، راضی ہوں۔" اور بچیاں ان کی زبانی اپنی تعریف سن کر یقیناً بے ہوش ہونے کو تھیں۔

"اور تم......" انہوں نے فجر کی طرف مسکراتے ہوئے اشارہ کیا۔

"تمہیں اپنی اماں جی کی جوانی دیکھنی ہو تو خود کو آئینے میں دیکھ لیا کرو...... ویسی شوخی، ویسی شرارت، وہی چلبلا پن، وہی حاضر جوابی۔" فجر نے شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے دوپٹے کا کونا منہ میں دبالیا۔ اماں جہاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی تھی وہاں ان سب کی دبی دبی ہنسی کی آواز بھی ابھری تھی۔

"وریشہ...... ماں کے بعد میں نے جس کا سب سے زیادہ دل دکھایا ہے وہ تم ہو...... ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" دلہن بنی آمنہ نے وریشہ کے دونوں ہاتھ تھام کر بے قراری سے کہا، جب وہ اس کا دوپٹا ٹھیک کرنے لگی، وہ دونوں اس وقت کمرے میں اکیلی تھیں اور وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔

"دکھایا تھا...... بہت ہی دکھایا تھا اور یقیناً میں اب تک ناراض بھی ہوتی اور تمہیں کبھی بھی معاف نہ کرتی، اگر جو پروردگار نے میرے حصے میں اچھے لوگ نہ لکھ دیئے ہوتے، میں اپنے دل میں تمہارے لیے بہت سا غصہ، بہت سی ناراضی لیے رخصت ہوئی تھی، میں نے سوچا تھا کہ منتہا نے جان کی بازی ہار کر اور تم نے گھر سے بھاگ کر اپنی جان چھڑالی اور مفت کی مصیبت میرے سر منڈھ دی، مجھے ان دنوں ایک فرماں بردار بیٹی ہونے پر بھی غصہ تھا، میں نے بھی ہر بار سوچا کہ کیا ہوتا جو میں منتہا کی طرح بہادر اور خود سر ہوتی، کیا ہوتا جو میں بھی تھوڑی سی

بغاوت دکھادیتی، میں اس گھر پر کبھی قدم نہ رکھنے کا عہد لے کر اس آنگن میں اتری تھی...... اماں جہاں، اماں، بابا سب مجھے اپنی غرض کے غلام لگنے لگے تھے جنہوں نے منتہا کی جگہ تمہیں دار پر لٹکانا چاہا اور جب تم نے اپنی چالا کی سے اپنی پسند کی راہ چن لی تو ایک ان چاہا ڈھول میرے گلے میں لٹکا دیا گیا۔ صرف اپنی عزت بچانے کے لیے میرے جذبات، احساسات سب کو قربان کر دیا تھا۔'' اس نے ایک طویل سانس لی، آمنہ آنکھوں میں آنسو لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''لیکن میرا رب...... وہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا، کسی کو اس کے ظرف سے زیادہ نہیں آزماتا، وہ جو بھی کرتا ہے، بے شک بہترین کرتا ہے، میری ساس نے مجھے بے پناہ محبت دی، شاید یہ سوچ کر کہ میں کبھی یہ محسوس نہ کر سکوں کہ میں یہاں کسی اور کی جگہ پر آئی ہوں، میرے خاوند نے ہر پل مجھے یہ احساس دلایا کہ اس کی زندگی میں مجھے ہی آنا تھا، چاہے کسی طریقے سے بھی سہی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی محبت اور میرا اعتماد بڑھتا گیا، ویسے ویسے تم پر غصہ بھی غائب ہوتا گیا، جس روز میں نے اپنی پوری آمادگی اور آسودگی کے ساتھ اس گھر میں دوبارہ قدم رکھا میرے دل میں کسی کے لیے ذرا برابر بھی ناراضی نہیں تھی، میں نے پروردگار کی حکمت کو مان لیا تھا، جان لیا تھا، اب تم سکون سے اپنے گھر جاؤ اس خیال کو اپنے دل سے نکال کر کہ میں تم سے ناراض ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہا اور آمنہ کو گلے سے لگا لیا تھا۔

***

''عبدالحنان...... کس سوچ میں گم ہیں، دیکھیے تو میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' یشعرہ نے سوچ میں ڈوبے ہوئے عبدالحنان کو متوجہ کیا۔

''ہمم...... ٹھیک لگ رہی ہو...... بارات آ گئی کیا؟'' وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔ یشعرہ کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ کتنے دنوں بعد ایک اچھا دن آیا تھا جب دل و دماغ کسی بوجھ سے آزاد تھے اور آج کتنے عرصہ بعد وہ پورے دل سے تیار ہوئی تھی اور یقینی طور پر عبدالحنان کے منہ سے اپنی تعریف سننے کی متمنی تھی مگر کیا کرتی کہ اس کی پوری کوششوں کے باوجود وہ زندگی کے معمولات کی طرف لوٹ نہ پا رہا تھا۔ اگر اس نے شادی سے پہلے والا وہ زندہ دل عبدالحنان نہ دیکھا ہوا ہوتا جو زندگی کے رنگوں سے بھرپور تھا اور اس کو اپنے ہر راستے پر کھڑا ملتا تھا تو وہ کبھی بھی یقین نہ کرتی کہ بستر پر بیزاری سے صبح کو شام اور شام کو صبح کرتا یہ شخص کبھی زندگی سے بھرپور بھی شخص تھا۔

''اجمل سے کہو، مجھے اماں جہاں کے کمرے میں لے چلے، میں کسی کا سامنا کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔'' وہ خشک لہجے میں بولا۔

''آپ نے کوئی جرم نہیں کیا عبدالحنان جو چھپ کر بیٹھیں گے، آج آپ کی بہن کی شادی ہے، آپ کو شادی میں بھرپور طریقے سے نہ سہی کم از کم رخصتی میں شامل ہونا چاہیے، اس طرح کب تک چھپ کر بیٹھیں گے؟ آپ دنیا کو کیا دکھائیں گے جب حقیقت کو آپ خود تسلیم کرنے اور اس کا سامنا کرنے سے انکاری ہیں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''ابھی چند دن پہلے ہی تم مجھ سے وعدہ کر چکی ہو کہ تم میرے فیصلوں پر چاہے وہ جو بھی ہوں ان پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کرو گی۔'' اس کا لہجہ ہنوز بے گانگی لیے ہوئے تھا۔ یشعرہ تیزی سے اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

''بخدا میں آپ کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی ہرگز کوشش نہیں کر رہی نہ ہی میں اپنا وعدہ بھولی ہوں، میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ ہر انسان کے اندر ایک مضبوط اور بہادر انسان چھپا ہوتا ہے جس کا انسان کو خود ادراک

نہیں ہوتا، اب وقت ہے کہ اپنے اندر کے مضبوط انسان کو باہر لائیں۔ جو اس مسئلے کا جواں مردی سے مقابلہ کرے، آپ کیا سمجھتے ہیں اماں جہاں کے پاس اس حالت میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے تو ان کو خوشی ہوگی، نہیں وہ اور زیادہ بیمار ہو جائیں گی، ان کے دل میں اپنا مقام بھی پتا ہے آپ کو اور یہ بھی جانتے ہیں آپ کہ وہ آپ کو جلد از جلد صحت یاب دیکھنے اور دوبارہ زندگی کی طرف لوٹتے دیکھنے کی متمنی ہیں......وہ کیسے برداشت کریں گی یہ سب؟" وہ اسے نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

"یہ دکھ اب انہیں برداشت کرنا ہی ہوگا......اپنے کمرے میں چھپ کر بیٹھے دیکھ کر نہیں تو مہمانوں کے سامنے لاٹھی کے سہارے چلتے معذور شخص کا دکھ۔" اس نے جیسے اپنا ہی مذاق اڑایا، یشعرہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"ایسا کرو بہو......آج ذرا اماں جہاں کی خیر خیریت لے آؤ، کتنے دن ہو گئے مجھے اپنی مرشد کی زیارت کیے ہوئے، شاید اسی لیے ایک کے بعد ایک مسئلے نے میرے گھر کا رخ کر لیا ہے۔" وہ طویل سانس لے کر بولیں تو ناعمہ اور وہ حیرت کے مارے گنگ ہی رہ گئی کہ کہنے کو تو وہ دیور سے رخصتی میں شرکت کا وعدہ کر چکی تھی مگر صبح سے سوچ میں تھی کہ کیا بہانہ کر کے باہر جائے۔ اب موقع اسے خود ہی مل رہا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم میری ان سے عقیدت کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی......حالانکہ میں تو چاہتی تھی کہ نسلوں سے چلتا ہوا یہ عقیدت مندی کا سلسلہ جاری رہتا میرے ہوتے بھی اور میرے بعد بھی مگر......" انہوں نے فقرہ ادھورا چھوڑا اور ناعمہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

"سلمٰی کے گھر چلی جانا......وہ تمہیں لے جائے گی ان کے پاس، ویسے تو وہ ہر جمعرات کے جمعرات مرید خواتین کے درس و طعام کا اہتمام کیا کرتی تھیں مگر اب کچھ عرصہ سے بوجہ بیماری یہ سلسلہ کم کر کے صرف مہینے کی پہلی جمعرات تک کر دیا گیا ہے، میرا بتاؤ گی تو خصوصی توجہ سے نوازیں گی ان شاء اللہ۔ ان کا دم کیا ہوا پانی جب تک استعمال ہوتا رہا، اس کی برکت سے میرے آنگن کے ہر کام میں برکت رہی، پانی بھی لیتی آنا اور مجھے پر بھی دم کراتی آنا۔"

"جی جی اماں ٹھیک ہے، میں آپ کی لاٹھی، پانی وغیرہ آپ کے بالکل پاس ہی رکھ کے جاتی ہوں تا کہ کوئی مشکل نہ ہو، پڑوس سے بلقیس کے ذمہ لگاتی جاتی ہوں کہ مجھے دیر ہو جانے کی صورت میں آپ کو کھانا کھلا جائے گی۔" ناعمہ نے بھی موقع غنیمت جان کر جلدی جلدی ان کا مطلوبہ سامان ان کے پاس رکھا، اس کا ارادہ پہلی فرصت میں رخصتی میں جانے کا تھا۔ باقی عنایت بی سے وہ کوئی بھی بہانا کر سکتی تھی مگر اس کا کام زیادہ آسان ہو گیا جب سلمٰی جس کے ساتھ وہ اماں جہاں کے گھر جانے والی تھی، اس نے بتایا کہ اماں جہاں کی طبیعت کی خرابی کے سبب آج درس کی نشست کو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ ناعمہ نے اس کو غنیمت جان کر آمنہ کے گھر کی راہ لی جہاں کا پتا اجلال اسے سمجھا چکا تھا۔

"سنیں اٹھیں، آج باہر چلتے ہیں۔ موسم کتنا پیارا ہو رہا ہے اور آپ ہیں کہ گھر سے آفس اور آفس سے بس کمرے تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔" اس نے کھڑکیاں کھول کر پردے ہٹائے اور موحد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر لاڈ سے کہا جو لیپ ٹاپ کھولے آفس کے کسی کام میں الجھا ہوا تھا۔

''تنگ مت کرو شجر، بہت ضروری کام کر رہا ہوں۔'' اس نے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''شجر...... شجر...... تھک گئی ہوں میں اس نام کی گردان سے، میں اس نام کو آپ کے دل سے کھرچ دینا چاہتی ہوں اور یہاں آپ کا دل چھوڑ زبان تک اس آوارہ لڑکی کے نام کی حصار میں ہے۔'' وہ چیخ اٹھی، موحد نے ناراضی سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟ بات کیسے اور کس انداز میں کر رہی ہو تم اور شجر کا یہاں اس وقت کیا ذکر؟'' اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ بے خیالی میں شجر کا نام لے گیا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے غصہ سے کہا۔

''واہ واہ واہ...... موحد صاحب، میں آپ کی بیوی ہو کر آپ کی توجہ کو ترس رہی ہوں اور وہ آوارہ، بدکردار لڑکی اس قدر حاوی ہے آپ کے دل و دماغ پر کہ شعوری و لاشعوری طور پر اسی کا نام نکلتا ہے آپ کی زبان سے جب بھی نکلے......'' وہ پہلے سے زیادہ تیز لہجے میں بولی، وہ بھی انسان تھی اپنی فطرت کے خلاف کب تک چلتی، ویسے بھی اپنا ادھار رکھنا اس نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا۔ جب تک مقابل سے بدلہ نہ لے لیتی چین سے نہیں بیٹھتی تھی، ناپسندیدہ شخص کو کبھی زبانی تو کبھی عملی زک پہنچا کر اپنے نفس کی تسکین کر لیا کرتی تھی اور اب اتنے دن سے نیک بیوی کا روپ اپنا کر کون سا وہ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا پائی تھی جو مزید اس اداکاری کو جاری رکھتی سو آج لاشعوری طور پر اس کے منہ سے نکلنے والے شجر کے نام نے اس کی برداشت کی حد ختم کر دی تھی۔

''کیا ہوا آیت...... کیوں اونچا بول رہی ہو، خیریت تو ہے ناں، موحد تم نے کچھ کہا؟'' افتاں و خیزاں سی صفیہ تائی دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئیں، ان کے گھر کے کچھ اصول و ضوابط تھے جن کی پاسداری گھر کا ہر فرد کرتا تھا۔ چھوٹے موٹے اختلافات ایک طرف اس طرح کا لب و لہجہ اور انداز کبھی کسی نے نہ اپنایا تھا۔

''اپنی لاڈلی بہو سے پوچھیے، میں اوپر جا کر ضروری کام کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔'' سرد انداز میں کہتا وہ لیپ ٹاپ اور چارجر اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آیت کیا ہوا بیٹا؟ مجھے بتاؤ کیا بات ہوئی۔'' انہوں نے پیار سے پوچھا جو چپ چاپ دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میری ہر کوشش ناکام ثابت ہو رہی ہے خالہ اماں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''وہ ہم سے وعدہ کرنے کے باوجود اسے بھول نہیں رہے بلکہ بھولنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے...... نہ جانے کتنا لمبا سفر ہو زندگی کا اگر ایسے ہی رہا تو کیسے اور کس کے سہارے کاٹ پاؤں گی میں؟ زندگی صرف دن اور رات بتانے کا نام رہ جائے گی، میں نے کبھی زندگی میں سوچا تک نہیں تھا۔'' پھر اس نے آج کا واقعہ کے ساتھ سب کچھ بتا دیا کہ موحد بہت چپ ہو کر رہ گیا ہے، آفس سے گھر آنے کے بعد وہ سارا دن لیپ ٹاپ یا فائلز میں مصروف رہتا ہے، اس کو نظر بھر کر دیکھتا تک نہیں، اس کے پاس آیت سے بولنے کے لیے ایک لفظ تک نہیں، حالانکہ وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کرتی ہے، اس کا خیال رکھے گی، دھیان بٹانے کی مگر وہ ہے کہ کبھی ہوں ہاں کے سوا آگے ہی نہیں بڑھا۔

''ارے میری بے صبری بچی، اتنی جلدی ہار مان گئیں۔'' وہ اس کے سر کو تھپکتی ہوئی مسکرا کر بولیں۔

''مرد کی محبت بھی سیلاب کے چڑھتے پانی کی طرح پرزور، تیز و تند ہوتی ہے...... اپنی شوریدہ سری میں، سب کچھ بہا کر لے جانے والی، سارے حفاظتی بند توڑ کر، سارے حفاظتی اقدام کو قدموں تلے روند کر مگر پھر کیا ہوتا ہے، سیلاب کے اترتے ہی سب کچھ معمول پر آ جاتا ہے، پھر سارا سال سمندر کا سینہ ہوتا ہے اور اس پر رواں پر

سکون لہریں جو موسموں کے تغیر و تبدل سے بغاوت پر تو اترتی ہیں مگر کناروں سے اپنا سر پٹخ پٹخ کر پھر واپس سمندر میں لوٹ جاتی ہیں...... وہ بھی انسان ہے، اس کو اپنے جذبات و احساسات جو پہلے ایک غلط سمت میں بہہ رہے تھے کا رخ تبدیل کرنے میں تھوڑا وقت لگے گا، وہ چابی کا گڈا نہیں ہے، نہ ہی کمپیوٹر جیسی کوئی مشین کہ جس میں ہم اپنی مرضی کا وقت دیں اور چابی بھر کر اسے چلائیں یا روکیں پھر اپنی مرضی کے مطابق اس کو مٹا بھی دیں، عورت کو اپنا گھر بنانے اور شوہر کا دل جیتنے کے لیے بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں، من مارنا پڑتا ہے، پھر جا کر وہ ان دو جاگیروں کی حکمران بنتی ہے، صبر اور محبت، ان دو ہتھیاروں کو بھی کند مت پڑنے دینا پھر دیکھنا وقت بھی تمہارا ہوگا اور شوہر بھی...... ٹھیک ہے ناں؟'' انہوں نے اس کے ستے چہرے اور متورم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بغور سوال کیا، آیت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور ہاں...... اپنے مزاج کے خلاف بھی بات کیوں نہ سن لو اس کے منہ سے آئندہ کبھی ایسا ردعمل مت دینا جیسا آج دیا ہے، میں جانتی ہوں تمہارا دل دکھا ہے اور تمہیں غصہ بھی آتا ہے مگر اس معاملے میں وہ بھی بے قصور ہے وہ جان بوجھ کر یہ سب نہیں کر رہا، بس تھوڑا سا وقت اور ذرا سی سمجھ داری سے وہ جلد تمہارا ہوگا۔ میرا یقین کرو، اٹھو منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو جاؤ اور اس کے لیے اوپر چائے لے کر جاؤ، اب یہ تم پر ہے کہ اس کا موڈ کیسے ٹھیک کرتی ہو۔ ہم لوگ آمنہ کی رخصتی پر جا رہے ہیں، تمہارا جانا میں نے خود ہی مناسب نہیں سمجھا کہ تمہیں اور شجر کو ساتھ دیکھ کر لوگوں کو گڑے مردے پھر سے یاد آ جائیں گے۔'' وہ اسے تسلی دیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی ٹھیک کہا آپ نے۔''

''جیتی رہو۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر نکل گئیں۔ گہری گہری سانسیں لے کر اس نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی تھی۔

''عبدالحنان...... میرے بچے۔''

''جی جی اماں جہاں...... میں یہیں ہوں، آپ کے پاس۔'' وہ ان کا کمزور ہاتھ تھامتے ہوئے ان کی طرف جھکا۔ اماں جہاں بستر پر دراز تھیں جب کہ وہ پاس ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''ہمیں معاف کر دو، ہمیں لگتا ہے، تمہاری اس حالت کے ذمہ دار ہم ہیں۔'' وہ بے حد خفیف آواز میں بولیں۔

''کیسی باتیں کرتی ہیں اماں آپ؟ ہماری قسمت کا لکھا ہمیں ہر صورت مل کر رہتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا کیا دخل؟'' اس نے ان کا ہاتھ لبوں سے لگاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''یہی بات تو ہم انسان نہیں سمجھتے کہ زندگی دینے والا مالک ہے تو اس کو اسی نہج پر خوشی خوشی گزاریں جو اس نے وضع کی ہے، مگر ہم انسان کیا کرتے ہیں کہ اپنی اور دوسروں کی قسمت کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں...... یہیں سے انسان کا زوال شروع ہوتا ہے اور بگاڑ بھی اور اللہ کی ناراضی تو سب سے بڑھ کر ہوتی ہے، جس ذاتی عناد کو ایک قیمتی خزانہ سمجھ کر ہم اس کی پرورش شروع کرتے ہیں، پال پوس کر تنومند بنا دیتے ہیں...... درحقیقت وقت آنے پر اس کا سب سے زیادہ خسارہ اس کی پرورش کرنے والے کو ملتا ہے۔'' وہ اتنی آہستہ بول رہی تھیں کہ عبدالحنان تک ان کی آواز بمشکل پہنچ رہی تھی۔ آنسو ان کی کنپٹیوں سے ہوتے ہوئے تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ عبدالحنان نے بہت پیار سے ان کے آنسو صاف کیے۔

''کیا کیا سوچ کر خود کو پریشان کرتی رہتی ہیں، دیکھیں ناں میں بالکل زندہ سلامت آپ کے سامنے ہوں، باقی رہی میری یہ معذوری تو یہ میرے حصے کی تھی سو مجھے مل کر ہی رہتی، چاہے میں یہاں آپ کے پاس ہوتا یا دنیا کے کسی بھی کونے میں، مجھے کہتی ہیں کہ تم میرے وہی عبدالحنان بن جاؤ پہلے والے...... آج میں آپ کا عبدالحنان کہتا ہوں کہ مجھے اپنے اس مشکل وقت میں اپنی وہی اماں جہاں چاہیے جو عبدالحنان سے زیادہ مضبوط تھیں، جن کا حوصلہ پہاڑوں کا سا تھا، جن کی ہمت دیکھ کر دوسروں کو ہمت ملتی تھی۔''

''پھر بھی عبدالحنان، ہماری تسلی کے لیے کہہ دو کہ تم نے ہمیں معاف کیا۔'' انہوں نے آنکھیں کھول کر ایک امید سے کہا۔

''آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی آپ معافی مانگیں، لیکن اگر آپ کو میرے کہنے سے تسلی ملتی ہے تو میں نے آپ کو معاف کیا۔'' اس نے مسکرا کر ان کا ہاتھ تھپتھپایا اور ایک آہ اماں جہاں کے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔

❊ ...... ❊ ...... ❊
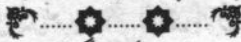
اجلال کا دل آج بیک وقت خوش اور اداس تھا کہ اس کی زندگی کے سب سے اہم دن پر اس کی خوشی میں بہت سے لوگ شریک تھے مگر اس کے پاس اس کا اپنا کوئی بھی نہیں تھا اور تو اور بھابی ناعمہ بھی اپنے وعدے اور یقین دہانی کے باوجود رخصتی پر نہیں آسکی تھیں۔ شکر ہوا کہ اماں کے پیروں کا مسئلہ اس کے کام آ گیا اور بھائی کا اس نے یہ بتایا تھا کہ صبح سویرے ہی ان کو اپنے سسرال میں ایک قریبی رشتہ دار کی فوتگی میں جانا پڑا تھا اور ایمرجنسی میں وہ رخصتی بھی ملتوی نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں ناعمہ کی طرف سے اس کا ذہن ضرور ادھیڑ بن میں تھا۔

''دوسری طرح ناعمہ جیسے ہی یہاں آنے کے ارادے سے نکلی تھی محلے کے ایک بچے نے بڑی تیزی سے اسے آلیا تھا کہ عنایت بی اسے فوراً واپس آنے کا کہہ رہی ہیں۔'' وہ یہ سوچ کر واپس ہولی کہ بڑی بی کہیں کوئی ضرورت کی چیز اٹھانے یا اٹھنے کے سلسلے میں دوبارہ نہ گر گئی ہوں مگر گھر پہنچ کر ان کو صحیح سلامت دیکھ کر کلس کر رہ گئی۔

''تمہارے جانے کے بعد میں نے اماں جہاں کا فون ملایا تو کئی دن سے بند فون آج آن تھا، ان سے تو بات نہیں ہو پائی مگر ان کے پوتے نے بتایا کہ ان کی طبیعت بھی پہلے سے اب کافی بہتر ہے لیکن آج کا درس ملتوی کر دیا گیا ہے کیونکہ ان کی پوتی کی رخصتی ہے آج...... ہمسایوں کا بچہ بھی اسی وقت کسی کام سے آ گیا تو سوچا تمہیں واپس بلوالوں ایسے ہی ننھے بچے کے ساتھ خوامخواہ کا چکر پڑ جاتا تمہیں۔''

''ہم...... اچھا کیا آپ نے لیکن مجھے اماں جہاں کے بارے میں پتا چل چکا تھا، بس ذرا نسیم کی طرف جانا چاہ رہی تھی، بچپن کی سہیلی ہے میری بیاہ کر دوسرے محلے میں آئے پانچ سال ہو گئے اسے، میں ایک بار بھی نہ جا سکی، اب اگر آپ اجازت دیں تو وہاں ہو آؤں، تیار تو ویسے بھی ہوں، وہ تو میں آپ کی طبیعت خراب نہ ہو، سوچ کر بھاگی آئی۔'' اس نے محتاط ہو کر ان سے اجازت لی مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

''نہیں بس اب کسی اور دن ہو آنا۔'' اب منا بھی سو گیا تھا اور وہ اسے نہ لے جانے دینے کے حق میں تھیں نہ گھر چھوڑ دینے کے، دل ہی دل میں اجلال سے معافی مانگتے ہوئے ناعمہ نے منے کو عنایت بی کے پاس سلایا اور خود روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔

❊ ...... ❊ ...... ❊

''میں...... آج اسے رخصت کرا لایا ہوں۔'' ان کے پاس بیٹھ کر اس نے سر جھکا کر کہا۔ عنایت بی بے یقینی

سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ جو بھی تھا انہیں یقین تھا کہ جلد یا بدیر وہ ان کی بات مان کر اس ان جان لڑکی کو چھوڑ دے گا جوان کو شیطان کا دوسرا روپ لگی تھی اور جس نے ان کے بیٹے کے کسی کمزور لمحے کا فائدہ اٹھا کر اس پر غلبہ پالیا تھا۔ اس کے لیے وہ ہر وقت دعاؤں میں مصروف تھیں۔ انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ اس حد تک ان کے خلاف چلا جائے گا کہ ان کی اجازت کے بغیر اسے گھر کی دہلیز تک لے آئے گا۔

''میں تو اسی بدذات کو ماں باپ کی آزمائش سمجھی تھی جس نے تمہیں بہکایا مگر اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ کس نیچ خاندان سے تعلق ہے اس کا جب ہی تو ماں باپ نے خاندان کا اتا پتا جانے بغیر لڑکی کو کسی ان چاہے بوجھ کی طرح اتار پھینکا۔'' وہ نفرت سے بولیں۔

''اللہ کے واسطے اماں، ایسا مت کہیں، جو ہو گیا اس کو بھول جائیں، معاف بھی کر دیں میری غلطی اور میرا یقین کریں کہ وہ ایک شریف، باکردار لڑکی ہے اور ایک عزت دار گھرانے سے اس کا تعلق ہے۔''

''ہم...... شریف، باکردار لڑکی کی ایسی تعریف ہم نے پہلی بار سنی ہے کہ جو گھر سے بھاگ کر نکاح کرتی ہے اور عزت دار گھرانہ ایک اجنبی کے ساتھ اس کو رخصت بھی کر دیتا ہے۔'' انہوں نے طنز سے کہا۔

''آپ جو کہیں گی میں ماننے کو تیار ہوں، اپنی غلطی کی ہر سزا بھگتنے کے لیے بھی راضی ہوں بس اسے میری پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں۔'' اس نے منت کے انداز میں کہا۔

''اسے طلاق دو پھر میں سمجھوں گی کہ ایسا کچھ ہماری زندگی میں ہوا ہی نہیں تھا۔ یہی تمہاری غلطی کی سزا بھی ہے اور معافی کی صورت بھی۔'' وہ پتھریلے لہجے میں بولیں۔

''اماں آپ اتنی ظالم تو کبھی بھی نہیں تھیں یا شاید آپ کی بیٹی نہیں ہے اس لیے آپ کے دل میں وہ بیٹیوں کی ماؤں والے احساسات ہی نہیں ہیں۔''

''ایسی بیٹی سے تو بے اولاد ہونا اچھا اور تم ان جذباتی ہتھکنڈوں سے مجھے رام نہیں کر سکتے نہ ہی غلط کو صحیح ثابت کر سکتے ہو...... میری زندگی میں میرے گھر میں وہی لڑکی تمہاری بیوی بن کر رہے گی جسے میں خود بیاہ کر لاؤں گی، دوسری صورت میں تم بھی یہاں سے جا سکتے ہو میں سمجھوں گی، میرا صرف ایک ہی بیٹا ہے۔'' اتنی بڑی بات پر بھی ان کی زبان کانپی نہ دل لرزا۔ اجلال کچھ دیر بے یقینی سے ان کو دیکھتا رہا پھر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

* * *

''آمنہ بس کرو پلیز...... تمہارا رونا مجھے تکلیف ہی نہیں دے رہا، پریشان بھی کر رہا ہے اور تم اس بات کا شکر ادا کرو کہ کتنی کٹھنائیوں کے بعد ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے ورنہ کچھ دن پہلے جس قسم کے حالات سے ہم گزرے مجھے لگنے لگا تھا کہ میں نے تمہیں پا کر کھو دیا ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا۔

''اور مجھے لگ رہا ہے کہ میں نے آپ کو پا کر باقی سب کھو دیا۔ اپنے خونی رشتوں سے لے کر ان کی محبت، اعتماد، اعتبار سب کچھ...... مجھے تو یہ سوچ خوف زدہ کر رہی ہے کہ گھر تو وہی پھلتے پھولتے ہیں جن کی بنیادوں میں ہمارے اپنوں کی دعائیں ہوں جب کہ یہاں نہ تو آپ کے گھر والے راضی تھے اور میرے گھر والوں نے بھی بدنامی کے ڈر سے کسی بوجھ کی طرح مجھے اتار پھینکنے کی غلطی کی...... ہم جیسی لڑکیاں جو ایسے ماں باپ کی عزت روند کر شادی کرتی ہیں خوشیاں ان کے در پر کبھی دستک نہیں دیتیں، افسوس کہ یہ بات مجھے بہت بعد میں سمجھ آئی۔'' وہ

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پر گروپس و پیجز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آنچل وحجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، پیجز اور گروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، پیجز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کاپی رائٹس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد وضوابط سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

81 نیپیئر بیرکس، ہاکی اسٹیڈیم کراچی

رابطہ: 03008264242

روتے ہوئے بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے آمنہ، ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا، ہمارے گھر والے مان جاتے تو ہمیں ایسا کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور ماں باپ کی ناراضی بھی بھلا کوئی ناراضی ہوتی ہے، دیکھنا کچھ عرصہ کی بات ہے سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کس کا گھر ہے؟" آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ اس نے نظریں دوڑا کر چھوٹے سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا وہ ایک مختصر سا گھر تھا، ایک کمرے، چھوٹے سے برآمدے اور برآمدے کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے کچن اور باہر صحن میں بیرونی دروازے کے ساتھ بنے ایک باتھ روم پر مشتمل صحن بھی بہ مشکل دو چارپائیوں کی جگہ رکھتا تھا۔

"ایک دوست کے کزن کا ہے، کرائے پر لیا ہے مگر فکر مت کرو، ہمارا اپنا گھر بہت اچھا ہوادار اور کھلا ہے، جیسے ہی اماں کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوتا ہے، ہم اپنے گھر چلے جائیں گے۔"

"کون جانے......" آمنہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھا سوچو آمنہ، اب تو تمہیں میرا یقین آجانا چاہیے کہ میں زندگی کے ہر دکھ سکھ میں تمہارے ساتھ ہوں، میں یقین دلاتا ہوں کہ جلد ہمیں بہت سارے رشتے بھی واپس ملیں گے اور تمہارا مقام بھی، بس تھوڑا سا انتظار۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہماری شادی چاہے جیسے بھی حالات میں ہوئی ہے مگر شادی تو ہوئی ہے ناں اور زندگی کے ان جھمیلوں سے نبٹنے کو ایک عمر پڑی ہے، تمہیں نہیں لگتا کہ اپنی زندگی کا ایک اہم اور خوب صورت وقت ہمیں ایسے گزارنا چاہیے کہ جو عمر بھر کا زادِ راہ بن کر رہے ہم دونوں کے لیے۔" اس نے آمنہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ آمنہ نے بے ساختہ اپنا سر جھکا لیا تھا، اجلال اب اسے بتا رہا تھا کہ کیسے اور کب اس نے اس کو پہلی بار دیکھا تھا۔

شادی سے واپس آئے لڑکیوں کو کافی دن گزر چکے تھے مگر شجرا سے نظر نہیں آئی تھی، دو تین دن بعد اس سے ضبط نہ ہوسکا تو وہ اماں جی کے پاس چلا آیا۔

"وہ اماں جی کافی دن سے شجر نظر نہیں آئی گھر پر......اب چونکہ ایسا کوئی حوالہ بھی نہیں رہا ہمارے درمیان کہ میں کسی سے اس کے بارے میں پوچھ سکتا لیکن مجھے تشویش ہورہی تھی، وہ ٹھیک تو ہے ناں اور کہاں ہے؟ اگر گھر پر نہیں ہے تو؟" اماں جی سے دعا لینے کے بعد اس نے پوچھا، اماں جی نے اس کی پریشانی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

"وہ یشعرہ کے گھر ہے اور کچھ دن وہاں رہے گی۔"

"کیوں اماں جی؟ جہاں تک میں سمجھ رہا ہوں، یہ اسے اپنے گھر سے دور رکھنے کی شعوری کوشش ہے جب کہ آپ سمیت ہم سب جانتے ہیں کہ اسے اپنے گھر کے علاوہ اور کہیں رہنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ وہ کبھی اتنے دن، یاد ہے یشعرہ کی شادی پر وہ ایک رات بھی نہ رک سکی تھی وہاں اور ایک ہنگامہ مچا کر گھر واپس آگئی تھی۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا لیکن کبھی کبھی وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ان کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔ یشعرہ بھی اکیلی ہے، آمنہ کی شادی کے بعد ذرا دل بہلا رہے گا اس کا پھر وہ گھر ہی آئے گی واپس اور تم بیٹا......"

وہ کہتے ہوئے تھوڑا اسار کیں۔

"اپنی اس تشویش کا اظہار اور کسی کے سامنے مت کر بیٹھنا...... آیت کے سامنے تو بالکل بھی نہیں، عورت اپنے مرد کی توجہ کے حوالے سے بہت حساس ہوتی ہے، اب وہ تمہاری بیوی کی حیثیت سے بھی ہمیں عزیز ہے، کوشش کرو کہ اسے تمہارے رویے میں شجر کے لیے کوئی گزشتہ حوالہ نہ ملے۔"

"جی اماں جی...... میں سمجھتا ہوں۔" شکستگی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"دیکھو شجر اللہ گواہ ہے کہ تم ہم سب کے دل کے بہت قریب ہو، تمہارے ساتھ ہونے والے حادثے نے ہمیں مار ہی دیا تھا جیسے لیکن وہ مالک مہربان مایوسی کے گھپ اندھیرے میں بھی امید کی ایسی کرن نکال دیتا ہے کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس حادثے نے تم تینوں کی زندگیوں کو متاثر کیا، موحد، آیت اور تمہاری لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اب صرف تم ہی ہو جو تھوڑی سی سمجھداری کا مظاہرہ کر کے ان تین لوگوں کی زندگی کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دے سکتی ہو۔" یشعرہ اس کو سمجھا رہی تھی۔ شجر نے ناسمجھی سے یشعرہ کو دیکھا۔

"ہاں میری بہن تم...... سب سے پہلے تو پاک پروردگار کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں اس حادثے کی ہولناکی سے محفوظ رکھا پھر تم اس سب کو بھلا کر ایک نئی زندگی جینا شروع کرو، دیکھو جتنا تم اس دکھ کو اپنے اوپر سوار کرو گی یہ تم میں سرایت کر کے تم پر پوری طرح اپنا قبضہ جما لے گا، یہ سب بھولنا اور دوبارہ پہلے والی زندگی کی طرف لوٹنا بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں ہے...... تمہیں پریشان اور دکھی دیکھ کر اماں جی گھل رہی ہیں، موحد اظہار نہیں کر رہا لیکن وہ نہ تو خود خوش ہے نہ ہی آیت کو توجہ دے پا رہا ہے۔" اس کے ذکر پر اس کا دل جیسے مسل سا گیا تھا۔

"جب تم خود اس طرف توجہ نہیں دو گی تو باقی لوگ بھی بھول جائیں گے، اپنے لیے کوئی مصروفیت ڈھونڈو، کوئی کورس کرو، آگے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو یا کچھ بھی مگر کچھ ایسا جس سے تم خوش رہو، مصروف رہو، پرسکون رہو...... یقین کرو سب پرسکون ہو جائیں گے اور دیکھنا وقت ایک دن خود ظاہر کر دے گا کہ ایسا ہونا ہی تمہارے لیے بہتر تھا، سمجھ میں آ گئی ناں میری بات۔" یشعرہ نے مسکرا کر پوچھا، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"شاباش...... یہ ہوئی ناں بات، آج ولیمہ کی تقریب تھی مگر ابھی فون آیا تھا آمنہ کے شوہر کا کہ ان کے قریبی کسی رشتہ دار کی وفات کے باعث تقریب ملتوی ہو گئی ہے، وہ سب وہیں جا رہے ہیں، سو تم یہ سب کپڑے اٹھا کر سمیٹو جو ہم نے ولیمے پر پہننے کے لیے نکالے تھے، اس کے بعد میرے ساتھ کچن میں آؤ، آج ہم دونوں کافی دنوں بعد مل کر کچھ نیا ٹرائی کر کے تمہارے عبدالحنان بھائی کو سرپرائز دیتے ہیں۔" یشعرہ اٹھ کھڑی ہوئی تو شجر نے مسکرا کر اثبات سے سر ہلایا تھا۔

فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ آیت تیزی سے کمرے میں آئی اور اپنے موبائل اسکرین پر فیصل کا نام دیکھ کر فون ریسیو کرنا ہی چاہتی تھی کہ موحد کمرے میں داخل ہوا اور آیت کا رنگ ایک دم ہی زرد ہو گیا تھا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

ایسا تو ہونا تھا

ہما عامر

تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ
لوگ کیا سادہ ہیں، سورج کو دکھاتے ہیں چراغ
اپنی محرومی کے احساس سے شرمندہ ہیں
خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ

شاہراہ فیصل کے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی موڑتے ہوئے بے اختیار اس کے پیر بریک پر جا پڑے تھے۔ سڑک کے کنارے بلیو جینز اور سیاہ چکن کے کرتے میں ملبوس کنزیٰ کھڑی تھی۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس مصروف علاقے میں کنزیٰ کو دیکھ کر اسے حیرت ہرگز نہیں ہوئی البتہ برا ضرور لگا تھا۔ اس نے گاڑی کنزیٰ کے نزدیک روک کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔

”ہیلو...... وصی بھائی۔“ کنزیٰ کو خوش گوار حیرت ہوئی وصی احسان کو دیکھ کر۔

”السلام علیکم!“ وصی نے اس کے سراپے پر تنقیدی نظر ڈالی۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ لشکارے مار رہا تھا۔ سیاہ لمبے بالوں کو اس نے کیچر میں جکڑ رکھا تھا۔

”وعلیکم السلام۔“ وہ عادتاً شرمندہ ہوتے ہوئے نشست سنبھال چکی تھی۔

”ڈرائیور کیا چھٹی پر ہے؟“ وصی نے استفسار کیا۔ گاڑی ٹریفک کے ہجوم میں داخل ہو چکی تھی۔

”نہیں، ایسی بات نہیں ہے، مجھے ڈرائیور ہی ڈراپ کر کے گیا ہے۔ اسے مما کے کام سے کہیں جانا تھا۔ میں یہاں آواری ہوٹل آئی تھی۔ میری ایک فرینڈ نے منگنی کی خوشی میں سب فرینڈز کو ٹریٹ دی تھی۔ مما نے کہا تھا کہ فارغ ہو کر ڈرائیور کو کال کر لینا لیکن آج صبح سے اتنی مصروفیت رہی کہ مجھے سیل فون چیک کرنے کا موقع ہی کہا ملا۔ جیسے ہی فارغ ہو کر میں نے بیگ سے موبائل نکالا تو سر پیٹ کر رہ گئی۔ فون کی بیٹری ڈاؤن ہو چکی تھی۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ٹیکسی سے گھر چلی جاؤں۔“ وہ حسب عادت شروع ہو گئی تھی اور وضاحت کر رہی تھی۔ وصی کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری، جب وہ بولتے ہوئے رکی تو وصی نے پوچھا۔

”گھر میں اتنے نوکروں کے ہوتے ہوئے انہیں ایسی کیا مصروفیت آن پڑی تھی؟“

”مما نے مینا پھوپو کو ان کی فیملی سمیت لنچ پر انوائیٹ کیا تھا۔“ کنزیٰ نے بتایا۔

”مینا پھوپو......! وہ کب آئیں دوبئی سے؟“ اب کے وصی حیران ہوا۔

”آپ نہیں جانتے؟ حیرت ہے حالانکہ آج کل ہمارے خاندان کے ہر گھر میں مینا پھوپو کی فیملی پہ زور و شور سے تبصرہ کیا جا رہا ہے۔ ایکچولی وہ عبدالاحد اور عبدالصمد کے رشتے طے کرنا چاہ رہی ہیں۔ وہ بھی اپنے خاندان کی لڑکیوں سے۔ مینا پھوپو کی پاکستان آمد کا مقصد بھی یہی ہے۔“ اس

نے سادگی سے بتایا۔

"پھر...... ان کی نظر انتخاب کس پر ٹھہری؟" گاڑی 'رحمان لاج' کی جانب رواں تھی۔

?"جاتے جاتے وہ اکزا کے لیے عبدالاحد کا کہہ گئی ہیں۔" کنزیٰ نے بتایا تو وصی نے ایک طویل سانس خارج کی۔ کنزیٰ رحمان اور وصی احسان کے والد آپس میں چچازاد بھائی تھے۔ مینا، رحمان علی کی بہن تھیں جو کہ دبئی میں مقیم تھیں۔

"مینا پھوپو کی آمد سے میری بے خبری کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ میں کافی دنوں سے گاؤں نہیں گیا۔ پھر ہمارے گھر میں تو مینا پھوپو کے مطلب کی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔" وہ دلکشی سے ہنس دیا۔ احسان عظیم کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی مومنہ، وہ بیٹوں سے بڑی تھی کم عمری میں ہی احسان عظیم نے اسے بیاہ دیا تھا۔ وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ کراچی میں ہی مقیم تھیں۔ مومنہ کے بعد وصی احسان کا نمبر تھا۔ وہ گریڈ اٹھارہ کا افسر تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے والد کی گلاس فیکٹری کے انتظامات بھی دیکھتا تھا۔ احسان عظیم کو شروع سے ہی گاؤں کی آب وہوا پسند تھی سو وہ گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔ جبکہ وصی کو شہر کے ہنگامے بھاتے تھے پھر نوکری کا بھی تقاضا تھا اس لیے وہ کراچی میں سکونت پذیر تھا۔ سب سے چھوٹا صفی احسان زراعت میں ماسٹرز کرنے کے بعد گاؤں میں اپنی اراضی کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

"آپ کی پہلی بات درست ہے۔ ورنہ مینا پھوپو تو گاؤں میں دو دن رہ کر آئی ہیں۔ آپ جانتے تو ہیں صفی بھیا اور عبدالاحد آپس میں بیسٹ فرینڈ ہیں۔ عبدالاحد پاکستان آئے اور صفی بھیا سے نہ ملے، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔"

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔" وصی نے رحمان ولا سے کچھ فاصلے پر گاڑی روک دی۔

"اندر نہیں چلیں گے؟" کنزیٰ گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، اس وقت جلدی میں ہوں، ایک جگہ کام سے جا رہا تھا۔" اس نے کنزیٰ کی چمکتی براؤن آنکھوں میں

جھانکا۔
"ہاں بھئی، آپ بھی بڑے مصروف ہوگئے ہیں۔ مما سے ذکر سنا تھا۔" اس نے گاڑی کا دروازہ بند کر کے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا اور پھر اللہ حافظ کہتے ہوئے مڑ کر گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ وصی احسان گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچنے لگا۔
"رخسانہ رحمان جیسی خود پسند خاتون اس کی مصروفیات پر نظر رکھنے لگی ہیں، مگر کیوں؟"

"ہاں بھئی صاحبزادے اس مرتبہ بڑے دنوں بعد گاؤں کا چکر لگایا ہے آپ نے؟" احسان عظیم اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئے۔
"بابا...... ان دنوں مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ آذر یاد ہے آپ کو، وہی جو میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ وہ لیدر کا نیا بزنس شروع کر رہا ہے۔ اب اس کی ضد ہے کہ تمام سرمایہ وہ لگائے گا اور سارا کام میں دیکھوں، پرافٹ دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ ابھی تو کام ابتدائی مراحل میں ہے۔" اس نے نئی مصروفیت بتائی۔
"تمہیں کیا کمی ہے جو اب یہ نیا بکھیڑا پال رہے ہو۔" اماں جان جو اس کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔ چونک کر درمیان میں بول اٹھیں۔
"اماں جان، میں کب کہہ رہا ہوں کہ کمی ہے، میں آذر کے اصرار کے آگے مجبور ہوگیا ہوں۔ آپ جانتی تو ہیں اس کی اور میری دوستی کتنی پرانی ہے۔" اس نے پلٹ کر ماں کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"بیٹا اس طرح تو تمہیں اپنے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہے گا۔ پھر وہاں گھر میں بھی تو کوئی نہیں ہے جو تمہارا خیال رکھے۔" وہ متفکر ہوئیں۔
"بیگم...... ایسا کرو کہ وصی کا خیال رکھنے والی کا انتظام کرلو یوں بھی عرصہ ہوا گھر میں رونق میلہ لگے، ہم بھی پوتے پوتیاں کھلائیں۔" احسان عظیم نے تجویز دینے کے ساتھ ہی اپنے ارمانوں سے پردہ بھی اٹھایا۔

"ہاں میں تو خود یہ ہی چاہتی ہوں کہ اب وصی کی بھی شادی ہوجانی چاہیے۔ خیر سے برسرروزگار ہے کوئی لڑکی بھی تو بتائیں آپ۔" انہوں نے شوہر کی مشاورت چاہی جبکہ وصی سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ کہاں کی بات کدھر نکل گئی تھی۔
"اب یہ تو آپ مومنہ سے ہی مشورہ کیجیے گا۔ اکلوتی بہن ہیں وہ وصی کی، ان کی بھی کچھ پسند ہوگی۔" احسان عظیم نے کہا۔
"بابا پلیز...... میری بات بھی تو سنیے۔" وہ بولا۔
"کہیے...... کیا اپنی پسند سے شادی کا ارادہ ہے؟" انہوں نے تولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تو اس کے ذہن کے پردے پر چھم سے وہ دلکش سراپا پوری معصومیت کے ساتھ لہرایا۔
"نن...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ فوراً بولا۔ احسان عظیم ایک روایت پسند شخص تھے وہ ہرگز یہ پسند نہ کرتے کہ ان کی اولاد اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے۔
"میں یہ کہنے چاہ رہا تھا کہ ابھی تو میرے پاس خود اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے۔ آنے والی کی ذمہ داری بھلا کیسے لے سکتا ہوں، بس کچھ عرصہ رک جائیے پھر جہاں مومو کہیں وہاں آپ میری شادی کر سکتے ہیں۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔" انہوں نے ہچکچاتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔
"لو جی صاحب زادے تو ذمہ داری اٹھانے سے ہی انکاری ہیں۔" بابا کا لہجہ کچھ تلخ آمیز ہوگیا۔
"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔" اماں نے وصی کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "نیا کاروبار شروع کر رہا ہے۔ خیر سے جب سیٹ ہوجائے گا تو مومو جسے پسند کریں گی اسے وصی کی دلہن بنا کے لے آئیں گے۔ وصی کے لیے یوں بھی لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔ اتنا ہونہار ہے میرا بیٹا۔" اماں جان نے فوراً اس کی سائیڈ لی۔ ان کی تعریف پر دونوں باپ بیٹا ہی مسکرا دیئے۔ بات تھی بھی سچ، خاندان بھر کی ماؤں کی نظریں اپنی بیٹیوں کے لیے اس وقت احسان عظیم کے گھر پر لگی ہوئی تھیں۔ وصی جس طرح ترقی کے منازل طے کر رہا تھا۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ شہر میں رہائش تھی

پھر سسرال کا جھنجھٹ بھی نہیں تھا۔ مہینوں میں کبھی احسان عظیم شہر کا رخ کرتے تھے۔ ایک دو روز سے زیادہ کبھی قیام نہیں رہتا تھا۔ یہی حال بقیہ لوگوں کا تھا۔ البتہ وصی گھر والوں کی آمد پر کھل سا جاتا تھا۔ بعض اوقات تنہائی اسے بھی گراں گزرتی تھی لیکن شادی سے پہلے وہ اپنے بل بوتے پر کچھ کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آذر کے ساتھ ایگریمنٹ سائن کرلیا تھا، باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ صفی رائفل تھامے تھکا تھکا سا چلا آیا۔

"کہاں مصروف تھے یار؟" وصی نے رائفل دیکھ کر استفسار کیا۔

"ولاور اور دوسرے دوستوں کے ساتھ شکار پر گیا تھا۔ فصل کی کٹائی کے بعد یوں بھی فرصت ہی فرصت تھی۔" صفی نے جواب دیا۔ اماں جان تیل کی شیشی اٹھا کر اندر چلی گئیں جبکہ بابا کا کوئی ملنے والا آگیا تو انہوں نے بیٹھک کا رخ کیا۔ صفی بابا کی خالی کی ہوئی جگہ پر لیٹ گیا۔

"کچھ دنوں سے میں سوچ رہا تھا کہ شہر کا چکر لگاؤں، تمہاری بہت یاد آرہی تھی۔" صفی نے بڑے بھائی کو پیار سے دیکھا جو لائیٹ بلیو جینز اور ڈارک بلیو شرٹ میں بہت منفرد لگ رہا تھا۔

"خیریت تو ہے ناں تم مجھے یاد کررہے تھے، کیا کوئی بات پریشان کررہی ہے؟" وصی نے راز دارانہ لہجے میں دریافت کیا۔ صفی ہر اہم اور غیر اہم بات اس سے شیئر کرنے کا عادی تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، بس ایک پینٹنگ بنائی ہے وہ تمہیں دکھانی تھی۔" وصی کو لگا جیسے وہ کچھ چھپا رہا ہے۔

"یہی بات ہے ناں؟" وصی نے اس کا جائزہ لیا۔

"ہاں، آؤ تمہیں تصویر دکھاؤں۔" وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا شاید اسے یہ ڈر تھا کہ وصی اس کے چہرے سے دل کا راز پالے گا۔ صفی شوقیہ پینٹنگ کرتا تھا۔ وصی اس کے اس شوق سے بہت متاثر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ صفی کو اپنی تصویروں کی ضرور نمائش کروانی چاہیے۔

رات کے کھانے کے بعد دونوں بھائیوں کا چہل قدمی کا موڈ بن گیا تو وہ اماں جان کو بتا کر جانے لگے۔ اماں جان نے آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کردیا کتنے سجیلے تھے ان کے دونوں بیٹے، بعض اوقات وہ خود بھی بیٹوں کو نظر بھر کر نہیں دیکھتی تھیں کہیں ان کی اپنی ہی نظر ان کے بیٹوں کو نہ لگ جائے۔ پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے باتوں کے دوران دونوں کافی آگے تک نکل آئے تھے۔ گفتگو کا رخ مینا پھوپو کی سمت مڑ گیا تھا۔

"کچھ پتا چلا تمہیں؟ مینا پھوپو نے عبدالاحد کے لیے رکزا کا پرپوزل دیا ہے۔" وصی نے بتایا۔

"آئی ڈونٹ بلیو دس، مینا پھوپو اتنی آسانی سے رخسانہ آنٹی کے جھانسے میں کیسے آگئیں۔" صفی بے حد حیران ہوا یہ خبر سن کر۔

"دل کی تسلی کے لیے یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی بیٹیاں اچھے نصیب لکھوا کر آئی ہیں۔" بلا ارادہ ہی وصی کی زبان پھسل گئی۔ جس پر صفی ٹھٹھک گیا۔

"کیا کہا تم نے، دونوں بیٹیاں؟ کیا کنزیٰ کا بر بھی ڈھونڈ لیا انہوں نے؟" اب کہ وہ وصی کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔

"انہوں نے تو نہیں۔ البتہ بر نے خود ہی کنزیٰ کو ڈھونڈ لیا ہے۔" اب کے وہ مسکرا کر بولا۔

"کون ہے وہ...... کہیں تم...... تم تو نہیں ہو؟" صفی چلتے ہوئے رکا۔

"اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس لڑکی کو رخسانہ آنٹی کے گھر کے بجائے وصی احسان کے آنگن میں ہونا چاہیے۔" وصی نے اپنے خیالات بتائے تو صفی ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

"اماں جان سے کب بات کروگے؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے میں موموکو بتادوں گا۔ وہ خود ہی سمجھ جائیں گی۔" وصی بے نیازی سے بولا۔ بہن پر مان جو تھا آگے موڑ پر شیر دل مل گیا۔ جو دونوں کا مشترکہ دوست تھا اور خود بخود ہی گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔

وہ اپنے سامنے فائلیں رکھے سر کھپا رہا تھا کہ سیل فون نے جلترنگ بجایا۔ اس نے فائل سے نظر ہٹائی اور سیل فون اٹھایا۔ اسکرین پر اجنبی نمبر روشن ہو رہا تھا۔ اس نے 'یس' کا بٹن دباتے ہوئے سیل فون کان سے لگالیا۔

''السلام علیکم! وصی احسان اسپیکنگ۔'' پتا نہیں کون ہے۔ اس نے سوچا۔

''وعلیکم السلام وصی بھائی۔'' وہ ایک لمحے میں پہچان گیا۔ دوسری جانب کنزیٰ تھی۔

''کنزیٰ یہ تم ہو؟''

''جی وصی بھائی، بہت دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی تو میں نے سوچا کہ موبائل سروس کا فائدہ اٹھایا جائے۔'' اس کی چہکتی ہوئی آواز وصی کی سماعت سے ٹکرائی۔

''تمہیں میرا نمبر کہاں سے ملا؟'' اس کے لبوں پر کنزیٰ کی بات سن کر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''سوری بھائی وہ میں کل موموآنی کے گھر گئی تھی، آپ وہاں بھی کتنے دنوں سے نہیں آئے تو کل جب آنی کچن میں تھیں، اس وقت ان کا موبائل لاؤنج میں ٹیبل پر رکھا تھا جہاں میں، پنکی اور بنٹی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ لازمی آپ کا نمبر میموری میں سیف ہوگا۔ میں نے چپکے سے آپ کا نمبر لے لیا تھا۔ میں آنی سے پوچھ کر آپ کا نمبر لیتی تو شاید وہ سوچتیں کہ کنزیٰ اچھی لڑکی نہیں ہے، آپ نے برا تو نہیں مانا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔ اس کی زبانی تفصیل سن کر وصی کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''نہیں میں نے بالکل بھی برا نہیں مانا۔''

''پھر کل آپ آرہے ہیں موموآنی کے گھر؟'' اس نے پوچھا۔

''تم آؤ گی؟'' جواب میں اس نے سوال کیا۔

''میرا تو آج کل روزانہ ہی چکر لگتا ہے ان کے گھر کے نزدیک ہی اکیڈمی جوائن کی ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر میں کچھ دیر کے لیے موموآنی کے گھر چلی جاتی ہوں۔'' کنزیٰ نے بتایا۔

''ٹھیک ہے پھر کل ملتے ہیں۔'' وصی نے کہا تو کنزیٰ نے بائے کہہ کر رابطہ منقطع کردیا۔ کنزیٰ سے بات کر کے وصی کا موڈ ایک دم خوش گوار ہوگیا تھا۔ مومنہ کے شوہر حیدر رضا رشتے میں رخسانہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ وحید رضا بے حد نفیس شخصیت کے مالک تھے اور 'لیدر گڈز' کا کاروبار کرتے تھے۔ کنزیٰ اور رکزا انہیں ماموں کہتی تھیں۔ اسی حوالے سے مومنہ ان کی آنی تھیں۔ کنزیٰ اور کزا کا ان کے گھر بہت آنا جانا تھا۔ وصی کی ملاقات کنزیٰ سے مومنہ کے گھر پر ہی ہوئی تھی۔ مومنہ کے دونوں بچے پنکی اور بنٹی میٹرک میں زیر تعلیم تھے۔ پنکی سے کنزیٰ کی بہت دوستی تھی۔ دوسرے دن شام کے ساڑھے سات بجے تھے جب وہ مومنہ کے خوب صورت سے گھر پہنچا۔ جس کا نام ''وحید منزل'' تھا۔ کنزیٰ وہاں پہلے ہی موجود تھی۔ سیاہ کرتا اور سیاہ بیل باٹم جینز میں ملبوس تھی۔ اسٹیپس میں کٹے ہوئے بال کیچر میں جکڑے ہوئے تھے، ہمیشہ کی طرح چہرہ کھلا ہوا تھا۔

''مومو کہاں ہیں؟'' وصی نے پنکی سے پوچھا۔

''مما تو پاپا کے ساتھ ان کے فرینڈ کے گھر گئی ہیں، آپ کے لیے چائے لاؤں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں...... ٹھیک ہے لے آؤ۔'' پنکی کے جانے کے بعد وہ کنزیٰ کی جانب متوجہ ہوا۔

''تم کب آئیں؟'' اس نے کنزیٰ کے کھلے کھلے چہرے کا جائزہ لیا۔

''کافی دیر سے آپ کا انتظار کررہی ہوں۔ کل میں نے رکزا کو بتایا کہ آپ میرے بلانے پر موموآنی کے گھر آئیں گے تو اس نے مجھے کہا کہ آپ نے یونہی کہہ دیا ہوگا اور آپ نہیں آئیں گے کیونکہ آپ بہت مصروف رہتے ہیں۔'' وہ بولنا شروع ہوئی۔

''ہاں مصروف تو رہتا ہوں، آج بھی آذر پر کام ڈال کر آیا ہوں۔ آذر میرا بزنس پارٹنر ہے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں؟'' وصی نے تنقیدی نظر سے اس کے لباس کا جائزہ لیا۔

''یہ اچھے نہیں ہیں کیا؟'' کنزیٰ نے معصومیت سے پوچھا۔

''تو ارسوٹ نہیں ہیں تمہارے پاس؟''

''نہیں تو، بس ایسے ہی کپڑے ہیں، ایکچولی میری شاپنگ مما کرتی ہیں تو جو وہ لا دیتی ہیں۔ میں پہن لیتی ہوں، کیوں بری لگ رہی ہوں کیا؟'' اس کے چہرے کے رنگ ایک دم پھیکے پڑ گئے۔

''لڑکیاں مشرقی لباس میں ہی اچھی لگتی ہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''میرے پاس ایسے ڈریسز ہیں ہی نہیں۔'' وہ مردہ لہجے میں بولی۔

''چلو چھوڑو، یہ بتاؤ پیپرز کب ہو رہے ہیں؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''ابھی ڈیٹ آنے میں کچھ دن ہیں، مما چاہ رہی تھیں کہ پیپرز کے بعد رکزا کی شادی کردی جائے مگر بینا پھوپو کا کہنا ہے کہ عبدالاحد ابھی شادی کے لیے راضی نہیں، وہ کسی کورس کے سلسلے میں سڈنی جا رہا ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔

''روحیل کی کیا مصروفیات ہیں؟'' وصی نے کنزیٰ کے بڑے بھائی کے متعلق پوچھا۔

''وہ آج کل مما کے ساتھ بزنس سنبھال رہے ہیں۔'' کنزیٰ نے بتایا، تب ہی پنکی چائے لے آئی، چائے پینے کے کچھ دیر بعد کنزیٰ چلی گئی۔ مومو کے انتظار میں بوریت سے بچنے کے لیے وہ ٹی وی دیکھنے لگا۔ اتنے دنوں بعد وحید منزل آیا تھا۔ مومو سے ملے بغیر چلا جاتا تو وہ خفا ہوتیں۔ پہلے ہی انہیں وصی کا الگ گھر میں رہنا برا لگتا تھا۔ تقریباً نو بجے مومو اور وحید بھائی آئے۔ وصی صوفے پر ٹانگیں پھیلائے نیوز دیکھ رہا تھا۔ نزدیک ہی بنٹی موبائل پر اسنیک ایکس ٹو نامی گیم کھیل رہا تھا۔ پنکی کچھ فاصلے پر بیٹھی فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔

''ینگ مین بڑے دنوں بعد صورت دکھائی، تمہاری حسین صورت دیکھنے کے لیے لوگ ترس گئے تھے۔'' وحید بھائی خوش دلی سے بولے۔ ان کا اشارا مومنہ کی طرف تھا۔

وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''کچھ کھایا پیا بھی یا ایسے ہی بیٹھے ہو؟'' مومو نے پنکی کی جانب رخ کیا تو وہ صفائی دینے لگی۔

''مما...... چائے کے ساتھ اسنیکس سرو کئے تھے۔''

''اچھا جاؤ خادم سے کہو کھانا لگائے ورنہ یہ موصوف بنا کھانا کھائے ہی کھسک جائیں گے۔'' پنکی کو کہہ کر وہ صوفے پر بالکل وصی کے سامنے بیٹھ گئیں جبکہ وحید بھائی کپڑے بدلنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

''کتنے دن بعد آئے ہو تم، ایک شہر میں رہتے ہوئے میں تمہاری صورت دیکھنے کے لیے ترس جاتی ہوں۔'' انہوں نے گلہ کیا۔

''بلیوی مومو روز سوچتا ہوں کہ آج کام ختم کرکے آپ کی طرف چکر لگاؤں گا مگر جب فارغ ہوتا ہوں تو اس قدر تھک چکا ہوتا ہوں کہ گھر جانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا۔'' اب تو اسے خود شرمندگی ہوتی تھی وضاحت کرتے ہوئے۔

''بس اب بہت ہو چکا۔ کل اماں جان کا فون بھی آیا تھا کہ وصی سے بات کرلو، بابا بھی یہی چاہ رہے ہیں کہ اب تمہاری گھر واپسی آجائے، تو وہ خود ہی تم سے نمٹتی رہے، کوئی پسند ہے تو بتا دو بعد میں گلہ مت کرنا۔'' مومو نے کہا۔

''بھئی مومنہ، پہلے اسے کھانا کھا لینے دو پھر پسند بھی بتا دے گا، آجاؤ دونوں۔'' وحید بھائی نے دونوں کو ڈائننگ ہال کی جانب چلنے کا کہا۔ جہاں خادم کھانا لگا رہا تھا۔ ہلکی پھلکی باتوں کے دوران کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد مومو خود سب کے لیے کافی بنا کر لائیں، کافی پینے کے بعد بچے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے جبکہ وحید بھائی کے موبائل پر کسی کی کال آ گئی تو وہ اپنا سیل کان سے لگائے لان میں نکل گئے تھے۔

''اب بتاؤ...... کوئی لڑکی نظر میں ہے؟'' مومنہ پھر سے موضوع پر آ گئیں۔

''مومو...... اتنی جلدی کیا ہے؟'' اس نے بچنا چاہا۔

''ماشاءاللہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو، شہر میں اپنا گھر بھی ہے پھر بھی اگر تم کچھ وقت لینا چاہتے ہو تو فی الحال نکاح

کردیتے ہیں۔ رخصتی کچھ عرصے بعد کریں گے۔ ہماری بھی تسلی ہوجائے گی۔"

"ٹھیک ہے جو آپ بہتر سمجھیں۔" اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"میں ڈھونڈلوں لڑکی یا تمہاری نظر میں کوئی ہے؟" مومو مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اگر آپ کو پسند آئے تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

"ہوں......شہر کی آب وہوا نے تمہیں بھی چھولیا، کون ہے، بھئی وہ خوش بخت۔" مومو خوشدلی سے بولیں۔

"کنزیٰ، مجھے اچھی لگتی ہے اپنی فیملی سے الگ ہے۔" اس نے مومو کے سامنے دل کھول دیا۔

"رخسانہ آنٹی کو بابا کچھ خاص پسند نہیں کرتے یہ بات تم جانتے ہو، ہاں کنزیٰ واقعی بہت پیاری ہے، ویسے بھی تمہاری بیوی کو گاؤں میں تو رہنا نہیں ہے۔ شہر میں ہی رہے گی۔ بس بابا مان جائیں۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔

"آپ منائیں گی تو مان ہی جائیں گے۔" اس نے گرہ لگائی تو وہ ہنس دیں۔

"تو ٹھیک ہے، میں اسی ویک اینڈ پر گاؤں کا چکر لگاتی ہوں۔" اور ایک ہفتہ اتنی تیزی سے گزرا کہ پتا ہی نہیں چلا مومو نے پروگرام بنایا اور پھر مومنہ بچوں اور وحید بھائی کے ساتھ گاؤں پہنچ گئیں۔ پنکی اور بنٹی کے مزے آ گئے۔ دونوں صفی کے ساتھ گاؤں کی سیر کو نکل گئے جبکہ وہ دونوں بابا اور اماں جان سے باتیں کرنے لگے۔ رات کے کھانے کے بعد مومنہ نے وصی کی شادی کا تذکرہ چھیڑا۔ رخسانہ آنٹی کا نام سن کر بابا کو تو گویا جھٹکا لگا۔

"مومنہ کہیں تم غلطی تو نہیں کر رہیں؟" بابا نے ابرو چڑھا کر کہا۔

"کنزیٰ بہت اچھی لڑکی ہے، بہت سادہ اور معصوم بھی، وصی اس کے ساتھ خوش رہے گا۔ آپ جانتے تو ہیں وصی کے مزاج میں لچک نام کو نہیں، کتنا ضدی ہے وہ۔ اس کے ساتھ کنزیٰ جیسی لڑکی ہی چلے گی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے نیک بخت؟" اب کہ بابا نے اماں جان سے رائے مانگی۔

"مومو اگر اس لڑکی کی تعریف کر رہی ہے تو وہ اس قابل ہوگی، مومو کی فہم وفراست سے آپ انکار نہیں کرسکتے۔ میری بھی چند مرتبہ کنزیٰ سے ملاقات ہوئی ہے۔ رخسانہ سے بالکل مختلف ہے وہ۔" اماں جان نے کہا۔ وحید بھائی نے بھی ان کی تائید کی تو بابا راضی ہوگئے۔

رخسانہ رحمان سے کنزیٰ کا رشتہ مانگنے کے لیے جمعرات کا دن طے کیا گیا تھا، رخسانہ کے گھر رحمان لاج جانے کے لیے یہ گھر رحمان علی نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا۔ وحید بھائی نے رخسانہ کو بتادیا تھا کہ وصی کی والدہ کنزیٰ کے رشتے کے سلسلے میں آ رہی ہیں۔ رخسانہ کے تو مانو دل کی مراد برآئی تھی۔ وصی کا شاندار مستقبل انہیں سامنے نظر آ رہا تھا۔ ان کی بیٹی عیش کرتی وصی کی بیوی بن کر۔ اماں جان، صفی کے ساتھ آئی تھیں۔ وہی انہیں اور مومو کو رحمان لاج لایا تھا۔ اس وقت رخسانہ، رکزا اور کنزیٰ کے علاوہ روحیل بھی موجود تھا۔ سب نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کنزیٰ کچھ دیر بیٹھی اور پھر اندرونی حصے میں چلی گئی۔ اماں جان نے کہا۔

"ہم فی الحال نکاح کی رسم ادا کرنا چاہتے ہیں۔ رخصتی کچھ عرصے بعد ہوگی۔" رخسانہ کو اعتراض تو ہوا کہ وہ کنزیٰ کی منگنی کی تقریب دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھیں مگر وہ کچھ سوچ کر خاموش رہیں۔ اماں جان نے ایک مشہور کمپنی کا وائٹ سوٹ زیب تن کر رکھا تھا جبکہ مومو اور رخسانہ نے ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ صفی اور روحیل ایک سائیڈ پر بیٹھے اپنی مخصوص سرگرمیوں پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ اماں جان نے نکاح کے لیے ایک ہفتہ بعد کا دن مقرر کیا کیونکہ انہیں تیاری کے لیے ایک ہفتہ درکار تھا۔

"ملتان سے نکاح کا جوڑا منگواؤں گی۔" انہوں نے رخسانہ سے کہا۔

"جی بھابی، جیسی آپ کی خوشی، ہاں اگر احسان بھائی بھی آجاتے تو خوشی ہوتی۔" رخسانہ آج خوش اخلاقی کے سارے ریکارڈ توڑ رہی تھیں۔

"وہ آنا چاہ رہے تھے لیکن ادھر زمینوں کے کچھ معاملات دیکھنے تھے، اس لیے نہیں آسکے۔ ان شاءاللہ نکاح میں تو آنا ہی ہے۔" اماں جان نے کہا، رخسانہ نے کھانے پر کافی اہتمام کررکھا تھا۔ واپسی میں مومو کو اس کے گھر ڈراپ کر کے صفی، اماں جان کو وصی کے گھر لے آیا۔ جہاں وصی سونے کی تیاری کررہا تھا۔ اماں جان اسے ملاقات کی تفصیل بتا کر سونے چلی گئیں۔ وہ نارمل تاثرات کے ساتھ سنتا رہا۔ اماں جان کے جانے کے بعد صفی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"اندر تو لڈو پھوٹ رہے ہیں اور چہرہ تو دیکھو ایسا بنا رکھا ہے جیسے ہم زبردستی باندھ رہے ہیں۔"

"تو کیا ناچوں؟ کہ کنزیٰ رحمان نام کی سویٹ سی لڑکی، وصی احسان کی ہونے جارہی ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔" وہ بے نیازی سے بولا تو صفی اسے دیکھتا رہ گیا عجیب شخص ہے۔ خوشی کا اظہار بھی کھل کر نہیں کرے گا۔ دوسرے دن اماں جان، وحید بھائی اور مومو کے ساتھ کنزیٰ کے لیے زیورات لینے چلی گئیں۔ شام میں انہیں گاؤں کے لیے نکلنا تھا۔ وصی آفس سے آیا تو صفی بوریت سے سٹنگ روم کے صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ سینے پر ایک میگزین دھرا تھا۔ ٹیبل پر چائے کا خالی مگ رکھا ہوا تھا۔ جو شاید اس نے خود ہی بنائی تھی کیونکہ اس وقت گھر پر اس کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ صبح ایک ملازمہ آتی تھی۔ اپنی بیٹی کو لے کر جو دو گھنٹے میں تمام کام نمٹا کر چلی جاتی تھیں۔ کھانا بھی وہی پکاتی تھی۔ صفی کو اس کا پکایا ہوا کھانا سخت بدمزہ لگا تھا۔ پتا نہیں وصی کیسے کھاتا تھا۔ کھاتا بھی تھا یا دوسرے دن ملازمہ خود ہی ساتھ لے جاتی تھی۔

"اتنی بوریت کیوں پھیلائی ہوئی ہے؟" وصی اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ بیگ اس نے نزدیک رکھ لیا تھا۔

"گاؤں یاد آرہا ہے۔" اس نے جمائی روکتے ہوئے جواب دیا۔

"ایسا کیا خزانہ گاؤں میں چھوڑ کر آئے ہو تم، جو تمہیں گاؤں کی یاد آرہی ہے، پہلی مرتبہ تو تم بابا کو چھوڑ کر نہیں آئے کہ میں کہوں کہ بابا کی وجہ سے گاؤں کی یاد ستا رہی ہے ماسٹرز کرنے بھی تو گاؤں چھوڑ کر شہر آئے تھے ناں۔" وصی نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"خزانہ تو وہاں ہے پر ابھی میں اس پر اپنے نام کی اسٹیمپ نہیں لگاپایا۔" صفی کچھ شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

"وہاٹ......! کون ہے وہ، کہیں چوہدری فرحت اللہ کی بیٹی رشنا تو نہیں؟" وصی کی آنکھیں بدستور پوری کھلی ہوئی تھیں۔ جیب سے نکالا موبائل جوں کا توں ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا، اتنا خراب ٹیسٹ نہیں ہے میرا۔ اس کا دل بہلانے کے لیے، کیا یونیورسٹی کے لڑکے کم پڑ گئے ہیں جواب میں بھی اسی لائن میں لگ جاؤں۔" صفی منہ بنا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میگھا کا نام سنا ہے۔" اس کی نظریں قالین پر جمی ہوئی تھیں۔

"میگھا...... یہ تو ہندوؤں والا نام ہے۔"

"ہاں یار...... جب ہی تو میں اتنا پریشان ہوں، کس سے شیئر کروں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تمہارے علاوہ کسی اور کو بتا کر بن موت مرنے سے تو رہا۔"

"تم سے کہاں ٹکرائی؟" وصی بے حد سنجیدہ ہوا۔

"گاؤں کے ہاسپٹل میں جاب کرتی ہے۔ تقریباً چھ ماہ پہلے جوائن کیا ہے اس نے۔ میں تمہاری طرح خوش قسمت نہیں ہوں کہ مومو کو بتاؤں اور سب کچھ ٹھیک ہوجائے میرے ساتھ تو کئی مسائل ہیں، وہ ہندو ہے، برہمن ذات کی پھر بیوہ بھی ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں ودھوا۔ عین شادی کے دن ان کے منڈپ میں پھیروں کے بعد کسی نے اس کے شوہر کو گولی مار کر ہلاک کردیا تھا۔ وہ کلکتہ سے آئی ہے۔ اس کے شوہر کے مرنے کے بعد سب نے کہا کہ وہ منحوس ہے اور اسے اس کے شوہر کے ساتھ جلا کر ستی کردینا چاہیے۔ ان لوگوں نے اس کے بال تک کاٹ دیے تھے۔ کچھ لوگوں کی مدد سے وہ ستی ہونے سے بچ گئی لیکن اس واقعے کے بعد وہ سب سے بدگمان ہوگئی تھی۔ اپنے مذہب سے بھی؛ جس میں

ایک بے گناہ لڑکی کو ستی کے نام پر خوفناک موت دی جاتی ہے۔ سو اس نے سب رشتوں کو چھوڑ دیا اور پاکستان آ کر یہاں کی قومیت حاصل کر لی مگر بدگمان ہونے کے باوجود بھی اسی مذہب پر قائم ہے۔'' صفی خاموش ہو کر وصی کو دیکھنے لگا۔ جس کے چہرے پر سنجیدگی کی دبیز تہہ جمی ہوئی تھی۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ صفی کی زبانی یہ داستان سننے کو ملے گی۔

''اس نے رہائش کے لیے پاکستان کو کیوں چنا؟'' وصی نے سوال کیا۔

''دوران تعلیم ایک مرتبہ یہاں آئی تھی تو اسے یہاں کا ماحول پسند آ گیا تھا پھر کراچی میں اس کی کچھ لوگوں سے دوستی ہو گئی تھی۔ ان دوستوں کے سہارے ہی وہ یہاں آئی ہے۔ اسے جاب بھی ان دوستوں نے ہی دلوائی ہے۔'' صفی نے وضاحت سے بتاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے اور اس کے ریلیشنز کی نوعیت کیا ہے؟'' وصی نے سوال داغا۔

''ہم صرف دوست ہیں، میں نے اسے یہ نہیں بتایا ہے کہ میں اسے کسی اور نظر سے دیکھنے لگا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے یہ گمان ہو کہ اس نے میری وجہ سے اسلام قبول کیا ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ جلد یا بدیر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے گی۔ اس وقت میں اسے بتاؤں گا کہ میں اسے اپنانا چاہتا ہوں مگر یہ بھی ڈر ہے کہ اگر بابا نہیں مانے تو کیا ہوگا؟'' آخر میں اس کے لہجے میں مایوسی در آئی تھی۔

''مجھے کب ملواؤ گے؟'' وصی نے اس کے آخری جملے کو نظر انداز کر دیا کیونکہ یہی ڈر اسے بھی تھا۔ کچھ کہہ کر وہ صفی کے جذبوں کا مذاق اڑانا نہیں چاہتا تھا۔

''جب تم گاؤں آ ؤ گے۔''

''اب تو جلد ہی آنا پڑے گا میگھا سے ملنے کے لیے۔'' وصی نے کہا۔ اسی وقت کال بیل کی آواز گونجی۔

''اماں جان اور موموہوں گی۔'' صفی بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا جب کہ وصی اٹھ کر کپڑے بدلنے چلا گیا تھا۔

رخسانہ آنٹی کے گھر پر نکاح کی تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔ گاؤں سے گھر والوں کے علاوہ چند نزدیکی رشتہ دار بھی شرکت کرنے آئے ہوئے تھے۔ وصی نے فان کلر کا کرتا شلوار زیب تن کر رکھا تھا۔ جس کے کرتے پر بے حد نفیس دھاگے کا کام تھا۔ جو دور سے دیکھنے پر پرنٹ ہی معلوم ہو رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں وہ بابا کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ بے حد پر اعتماد انداز تھا۔ وجیہہ چہرے پر کامیابی کی چمک تھی۔ کچھ دیر بعد نکاح کی کارروائی مکمل ہو گئی تو اسے خواتین میں لے جایا گیا۔ جہاں کنزیٰ اماں جان کا لایا ہوا جوڑا پہنے بیٹھی تھی۔ گولڈ کی جیولری اور کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں جھلمل کر رہی تھیں، گھبرائی گھبرائی سی وہ وصی کے دل میں اتر رہی تھی۔ وصی کو لگا کہ آج رات کی نیند ہاتھوں سے گئی۔ ڈنر کے بعد وہ لوگ واپس لوٹے۔ دوسرے دن گاؤں کے باسی گاؤں لوٹ گئے۔ وصی کی زندگی اپنی ڈگر پر چلنے لگی، رخسانہ آنٹی اسے بذریعہ ٹیلیفون دو مرتبہ ڈنر پر انوائٹ کر چکی تھیں اور وہ مصروفیت کی وجہ سے انکار کر چکا تھا۔ آج تو انہوں نے روحیل کو اس کے آفس بھیج دیا تھا کہ جیسے ہی وصی فارغ ہو اسے گھر لے آئے۔ اب تو وصی کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ویسے بھی چند دنوں سے اس کومل سی لڑکی کو دیکھنے کے لیے من بے چین تھا جو اس کے نام کر دی گئی تھی۔ سو وہ آفس سے سیدھا رحمان لاج چلا آیا۔ رخسانہ آنٹی اور رکزا سٹنگ روم میں ان کی منتظر تھیں جبکہ کنزیٰ ندارد تھی۔ شاید رخسانہ آنٹی کی خواہش ہو کہ وصی احسان خود کنزیٰ کے بارے میں پوچھے مگر وہ وصی احسان تھا جو کسی کے سامنے کمزور پڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ رخسانہ آنٹی اس سے اس کی جاب اور بزنس کی تفصیل پوچھتی رہیں وہ کولڈ ڈرنک کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے انہیں مطمئن کرتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ رکزا سے مخاطب ہوئیں۔

''کنزیٰ کو کھانے کے لیے بلا لو، امتحان کے دنوں میں تو یہ لڑکی بالکل باؤلی ہو جاتی ہے۔'' وصی ان کی بات پر مسکرا کر رہ گیا۔ کنزیٰ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی جبکہ وصی اس کا

حلیہ دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ٹخنوں سے اوپر کیپری اور بلیک سلیولیس شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے سلام کر کے اپنی جگہ سنبھال لی، وصی اس کے بالکل سامنے ہی بیٹھا تھا۔

"کنزیٰ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" رخسانہ رحمان اس کے بے ترتیب بالوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"مما مجھے کل کے پیپر کی ٹینشن ہے۔ بالوں کا کیا ہے صبح کالج جاتے ہوئے بنالوں گی۔" وہ اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔

"وصی یہ کباب لو، میں نے خاص تمہارے لیے بنوائے ہیں۔ میرا کک کھانے بہت اچھے پکاتا ہے۔" رخسانہ رحمان اصرار کر کے وصی کو کھلاتی رہیں۔ کھانے کے بعد وہ سب ان دونوں کو دانستہ تنہا چھوڑ گئے تھے۔ ملازم کافی دے کر جا چکا تھا۔

"یہ کیا ڈریسنگ ہے کنزیٰ؟" وہ قدرے بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ انداز میں استحقاق نمایاں تھا۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ مشرقی لباس..." گھبرا کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ۔

"تمہارے اس نام نہاد مشرقی لباس سے تو وہ مغربی لباس ہی بہتر تھا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں چینج کر کے آتی ہوں وصی بھا......"

اس نے 'وصی بھائی' کہتے ہوئے لب دانتوں میں دبائے وصی بھی سمجھ گیا تھا۔ تب ہی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

"اس وقت رہنے دو، ویسے بھی میں کچھ دیر میں جانے والا ہوں۔" وصی نے کہا تو وہ واپس صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد وہ جانے کے لیے اٹھ گیا۔ کنزیٰ اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی تھی۔

دوسرے دن آفس سے واپسی پر ایک شاپنگ مال کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اسے کنزیٰ کا خیال آیا تو وہ گاڑی پارکنگ میں روک کر شاپنگ مال کے اندر چلا آیا۔ اس نے ایک بوتیک کا رخ کیا۔ جہاں کئی خواتین شاپنگ کر رہی تھیں۔ وہ بھی کنزیٰ کے لیے اپنی پسند کے شلوار سوٹ دیکھنے لگا۔ سوچا کہ جب دوبارہ رحمان لاج جائے گا تو کنزیٰ کو دے آئے گا۔ پہلی مرتبہ اس نے کنزیٰ کے لیے کچھ خریدا تھا اور اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

دو دن سے اسے بخار تھا اور وہ سخت جان بنا اپنی مصروفیات میں ہی الجھا ہوا تھا مگر آج صبح سے بخار نے اس قدر زور پکڑا کہ اسے بالکل آفس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ملازمہ کے آنے کے بعد وہ بستر پر بے سدھ لیٹ گیا، اسے پتا بھی نہ چلا کب صفی آیا اور ملازمہ سے اس کی حالت کا سن کر پریشان ہوگیا۔ ملازمہ سلمیٰ کو وصی کا ناشتہ لانے کی ہدایت کر کے وہ اس کے کمرے میں آ گیا۔ بخار کی شدت سے وصی کی سفید رنگت سرخی مائل ہو رہی تھی۔ پورا وجود بری طرح تپ رہا تھا۔ وہ اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔

"وصی یار...... آنکھیں کھولو یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔" مانوس لہجے پر وصی نے آنکھیں کھول دیں۔

"تم کب آئے؟" قدرے دھیمی آواز میں وصی نے دریافت کیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں اور تمہاری حالت دیکھ کر پریشان ہوگیا ہوں، اٹھو ناشتہ کرلو۔" اس نے سہارا دے کر وصی کو بٹھایا کیونکہ سلمیٰ ناشتہ لے آئی تھی۔ شاید وہ صفی کے آنے سے پہلے ہی وصی کا ناشتہ تیار کر چکی تھی۔ ایک سلائس چائے کے ساتھ لے کر وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ صفی درازیں کھول کر ٹیبلیٹ ڈھونڈنے لگا۔ ساتھ ہی اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔

"اسی لیے اماں جان چاہتی ہیں کہ اب تمہاری بیوی کو اس گھر میں آ جانا چاہیے آج اگر وہ یہاں ہوتی تو مجھے تمہاری بیوی کا رول پلے نہ کرنا پڑتا۔" اس نے دو پیناڈول پانی کے ساتھ اسے کھانے کے لیے دیں۔ وصی نے بدقت مسکراتے ہوئے پانی کا گلاس اور ٹیبلیٹ تھام لی جبکہ صفی وارڈروب کی جانب بڑھ گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" وصی نے اسے کپڑوں سے مغز

ماری کرتے دیکھ کر پوچھا۔
"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں، اس حالت میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر گیا تو اماں جان گھر میں نہیں گھسنے دیں گی۔" وہ ایک سفری بیگ میں وصی کے کچھ کپڑے رکھنے لگا۔
"میں اتنا لمبا سفر نہیں کرسکتا۔" وصی نے اعتراض کیا۔
"تم پچھلی سیٹ پر لیٹ جانا، میگھا سے علاج کراؤں گا۔ دیکھنا ایک دن میں بھلے چنگے ہوجاؤ گے۔" صفی کچھ سننے پر راضی نہیں تھا۔ مجبوراً وصی کو اس کی بات ماننا پڑی۔ گاؤں کی حدود میں داخل ہوکر صفی نے اسے مخاطب کیا۔
"پہلے تمہیں میگھا سے چیک کرواتا ہوں پھر گھر چلیں گے۔" صفی نے جیپ ہاسپٹل کے راستے پر ڈال دی۔ ہسپتال پہنچ کر صفی، وصی کو ڈاکٹر کے مخصوص کمرے میں لے آیا۔ میگھا نے سفید ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ صفی کو دیکھ کر مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کرلیا۔
"یہ وصی ہے، اسے بخار ہورہا ہے، اسی وجہ سے تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، کوئی اچھی دوائی دو۔" صفی نے میگھا سے کہا جبکہ وصی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کی سانولی رنگت میں نمک گھلا ہوا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں جیسے اداسی کا موسم ٹھہر سا گیا تھا۔
"السلام علیکم۔" میگھا نے وصی کو مخاطب کیا۔ صفی اکثر اس سے وصی کی باتیں کرتا تھا۔ وہ وصی کا چیک اپ کرنے لگی۔ "محنت بہت کرتے ہیں، آپ کچھ ریسٹ بھی کیا کیجیے بی پی لو ہورہا ہے یہ دوائیاں دے رہی ہوں ان شاء اللہ جلد افاقہ ہوگا۔" وہ اسے حیران کررہی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ میگھا ہے ورنہ وہ اسے شفائے مرہم ہی سمجھتا۔
"آج کل کہاں مصروف رہتے ہوتم؟" وصی کی دوا کا پرچہ صفی کو پکڑانے کے بعد اب میگھا نے صفی سے سوال کیا۔
"چاول کی فصل کا ٹائم ہے۔ سارا دن زمینوں پر نگرانی میں ہی گزر جاتا ہے۔" صفی نے بتایا جبکہ وصی سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لڑکی اسلام قبول کرلیتی ہے تو اس کی اور صفی کی جوڑی خوب جچے گی۔ صفی جب اسے لے کر گھر پہنچا تو اماں جان بھی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں مگر وہ جو صفی نے کہا تھا کہ ایک دن میں بھلے چنگے ہوجاؤ گے۔ سو دوسرے دن وہ بالکل ٹھیک تھا لیکن اماں جان راضی نہیں تھیں کہ وہ شہر جائے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک دن مزید وہ آرام کرلے۔ سو اسے رکنا پڑا۔ بابا کو موقع مل گیا تھا اور اب کہ صفی اور اماں جان بھی ان کے ہمنوا تھے۔
"نیک بخت، کنزیٰ کے امتحانات ہوچکے ہیں، اب اسے رخصت کروالاؤ، ستائیس کا ہوگیا ہے وصی اب کب تک اسے تنہا رہنا ہے۔"
"ٹھیک کہا آپ نے میں کچھ دن بعد رخصتی کی تاریخ لے آتی ہوں رخسانہ سے۔" اماں جان نے پروگرام بنایا۔ وہ چپ بیٹھا رہا۔ اندر دل کے موسم میں آرزوؤں کی دھیمی دھیمی پھوار ہورہی تھی۔ دوسرے دن صفی اسے شہر چھوڑ آیا تھا۔
آذر نے نیا گھر بنوایا تھا۔ اس خوشی میں اس نے پارٹی دی تھی۔ وہ جانے کی تیاری کررہا تھا کہ ٹیلی فون کی بیل بجی۔ وہ تولیے سے سر رگڑتا ہوا ریسیور اٹھا کر بولا۔
"یس وصی احسان۔"
"ہیلو میں کنزیٰ بول رہی ہوں، اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ مومو آنی بتا رہی تھیں کہ آپ بیمار ہوگئے تھے۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔
"ٹھیک سنا تم نے، تمہیں تو عیادت کے لیے گھر آنا چاہیے تھا۔ تمہارا تو اب حق بھی بنتا ہے۔" کنزیٰ کی آواز سن کر وصی کا موڈ شوخ ہوا۔
"گھر پر کیسے آسکتی ہوں؟ آپ اکیلے جو رہتے ہیں۔" اس کی پریشان سی آواز وصی کی سماعت سے ٹکرائی۔
"اکیلا ہوتا ہوں تو کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے؟" اسے مزا آرہا تھا کنزیٰ کو تنگ کرنے میں۔
"نہیں ڈر کیوں لگے گا۔ آپ اتنے اچھے جو ہیں پر اس طرح سے میرا آنا کیا آپ کو اچھا لگے گا؟" اس نے سنجیدہ سی آواز میں پوچھا تو وصی بھی سنجیدہ ہوگیا۔
"نہیں یار...... میں تو یوں ہی تمہیں تنگ کررہا تھا، تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اماں جان کچھ دنوں

میں آ رہی ہیں رخصتی کی تاریخ لینے تاکہ اگر میں دوبارہ بیمار پڑوں تو میری بیوی میری تیمارداری کے لیے میرے پاس ہو۔“ وہ پھر سے شوخ ہوا۔

”میں فون بند کر رہی ہوں۔“ کنزیٰ دوسری جانب پریشان ہوئی۔

”ابھی تو فون بند کرکے جان چھڑا لوگی، جب میرے پاس آ جاؤ گی تب کہاں جاؤ گی۔“ وصی کی شرارت پر کنزیٰ نے سٹپٹا کر بنا کچھ کہے فون بند کر دیا اور وصی مسکراتا ہوا آذر کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

❁ ❁

اماں جان اب کی دفعہ بابا کے ساتھ آئی تھیں کیونکہ صفی کے لیے بیج بونے کے موسم میں گاؤں چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔ سو بکھیڑے ہوتے تھے۔ ہاریوں کی نگرانی، پانی کے الگ مسئلے، اماں جان اور بابا نے ایک مہینے بعد کی تاریخ طے کردی تھی۔ دو دن اماں جان نے شاپنگ کرکے گزارے۔ موموان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ گاڑی چلانے کی ذمہ داری ایک دن وصی نے نبھائی پھر ہاتھ جوڑ دیئے تھے، سو بنٹی کو جانا پڑا تھا۔ بنٹی سولہ سال کا تھا مگر ڈرائیونگ میں بڑی مہارت رکھتا تھی۔ اماں جان سارا وقت ہولتی رہتیں کہ بچہ گاڑی کہیں ٹھونک نہ دے۔ رخسانہ بھی رکزا کو ساتھ لے کر زور و شور سے تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ان کے گھر کی پہلی شادی تھی۔ وہ خوب دھوم دھڑکا کرنا چاہتی تھیں تاکہ ان کے سرکل کے لوگوں کو مدتوں یاد رہے کہ رخسانہ رحمان کی بیٹی کی شادی کس قدر شاندار ہوئی تھی۔ رکزا چاہتی تھی کہ ایک دن ورائٹی پروگرام ہو جس میں شوبز کی مختلف شخصیات کو مدعو کیا جائے۔ رخصتی سے دو دن پہلے مایوں کی رسم کرنے کا ارادہ تھا۔ رسم کی جگہ کی سجاوٹ کے لیے روحیل نے کسی ماہر کو بک کیا تھا۔ مہندی کی رسم ایک دن پہلے کرنے کا ارادہ تھا۔ وصی کو سلامی میں وہ نئے ماڈل کی کار دینے والی تھیں۔ ساس کے لیے انہوں نے کنگن بنوائے تھے مگر وہ ناپ لینا بھول گئی تھیں۔ اسی بہانے انہوں نے سوچا کہ گاؤں کا ایک چکر بھی لگ جائے گا۔ وہ روحیل کو لے کر گاؤں پہنچ گئیں۔ جب انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا تو احسان عظیم بول پڑے۔

”معاف کیجئے گا بھابی، ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں پھر میں بے جا نمود و نمائش کو پسند بھی نہیں کرتا۔ آپ اپنی بیٹی کو جو چاہیں دیں۔ آپ کی مرضی پر ہمیں یا وصی کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے بھائی صاحب یہ تو صدیوں سے چلے آنے والی رسمیں اور روایات ہیں، آپ کے یا میرے بنائے ہوئے تو نہیں ہیں کہ ہم انہیں ترک کردیں۔“ رخسانہ رحمان نے مسکراہٹ کو لبوں سے ہٹنے نہ دیا۔

”آپ کی بات ٹھیک ہے مگر ہمارے اردگرد بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہ سب نہیں کرسکتے۔ بلکہ اس سے کئی گنا کم بھی نہیں کرسکتے۔ ہمارا دھوم دھڑکا انہیں احساس کمتری میں مبتلا کردے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے کی خوشی کے موقع پر کسی کے دل سے یہ صدا آئے کہ آہ کاش ہم بھی ایسی شادی کرسکتے۔“ انہوں نے اپنا مافی الضمیر بیان کیا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ بھائی صاحب، یہ میرے گھر کی پہلی خوشی ہے، میں چار دن مسلسل اپنے گھر پر فنکشن کرنا چاہتی ہوں۔“ مسکراہٹ اب رخسانہ رحمان کے لبوں سے جدا ہوگئی تھی۔

”اپنے گھر پر آپ جو چاہے کیجئے۔ اس سے میں آپ کو منع نہیں کرسکتا۔“ ان کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

”آپ سب کی شرکت ان تقریبات میں اہمیت کی حامل ہے۔“ رخسانہ رحمان نے کہا۔

”یہ ممکن نہیں ہے بھابی، جن رسومات کو میرا مذہب پسند نہیں کرتا میں ان میں شرکت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ نہ ہی میرے بیوی بچے ایسی تقریبات میں جانا پسند کریں گے۔ آپ براہ مہربانی ہمیں مجبور مت کیجئے۔“ احسان عظیم نے کہا۔ اماں جان اور صفی خاموشی سے سن رہے تھے۔ رخسانہ اور روحیل کے چہرے کے تیور بگڑ رہے تھے۔

”انکل...... آپ لوگوں کو آنا ہی پڑے گا۔ ورنہ سوسائٹی کیا کہے گی کہ روحیل کی بہن کی شادی کیسی کنزرویٹو فیملی میں

ہوئی ہے۔" اب کہ روحیل بولا۔
"بیٹا...... میں نے کہا ناں کہ یہ نہیں ہوسکتا۔"
"بس تو پھر میں بھی کنزیٰ کو وصی کے ساتھ رخصت نہیں کرسکتی، مجھے کیا معلوم تھا آپ لوگ اتنے تنگ ذہن کے مالک ہیں، میں نے تو وصی کو دیکھ کر رشتہ طے کیا تھا۔ کیا معلوم وہ بھی اندر سے ایسا ہی ہو۔ میں یہ رشتہ ہی ختم کرتی ہوں، وصی سے کہیے کنزیٰ کو طلاق بھجوا دے۔" رخسانہ رحمان نے پل بھر میں فیصلہ کرلیا۔ اماں جان کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ کیا کہہ رہی تھی رخسانہ، صفی بھی بوکھلا گیا۔ صورت حال اتنی سنگین ہوجائے گی۔ یہ کسی کے بھی گمان میں نہیں تھا۔ بابا نے اپنے حواس کو کنٹرول رکھا ہوا تھا۔
"ہمارے خاندان میں طلاق نہیں ہوتی، ہاں تم جب تک اپنی بیٹی کو اپنے گھر بٹھانا چاہو بٹھا سکتی ہو۔" بابا نے مضبوط لہجے میں کہا تو دونوں ماں بیٹا بکتے جھکتے چلے گئے ان کے جانے کے بعد بابا سر تھام کر بیٹھ گئے۔ اماں جان کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔ کتنا چاؤ تھا انہیں پہلا بیٹا بیاہنے کا۔ کیا معلوم تھا یہ سب ہوجائے گا۔
"بابا پلیز پ...... آپ ذہن پر زور مت دیجیے۔ ورنہ آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہوجائے گا۔" صفی نے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر اماں جان سے مخاطب ہوا۔
"اماں جان روئیے مت، منگنی نہیں کی ہم نے جو وہ توڑ دیں گی، نکاح کا مضبوط بندھن باندھا ہے۔ ان جیسے لوگوں کو زمانے کا بھی بہت ڈر ہوتا ہے۔ یہ صرف اتنا ہی کرسکتی ہیں کہ کنزیٰ کو اپنے گھر بٹھا رکھیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور ان کے بس میں نہیں ہے۔" صفی نے تسلی دیتے ہوئے تجزیہ کیا۔ کچھ دیر بعد بابا نے اسے فون لانے کا کہا۔
"وصی کو بتایئے۔" اس نے پوچھا۔
"نہیں میں مومنہ کو خبر کردیتا ہوں وہ خود ہی اپنے طریقے سے وصی سے بات کرلے گی۔" وہ مومنہ کا نمبر ملانے لگے۔ مومنہ نے بابا کی زبانی تمام صورت حال سننے کے بعد بہ مشکل اپنے آنسوؤں پر بند باندھا کیونکہ جانتی تھیں کہ بابا ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں، بیٹی کے آنسو انہیں ڈسٹرب کردیں گے۔ فون بند کرنے کے بعد وہ صفی سے مخاطب ہوئے۔
"مجھے وہ عورت رخسانہ کبھی بھی اچھی نہیں لگی مگر جب مومو نے کہا ہے کنزیٰ مومو کی پسند ہے تو خاموش ہوگیا۔ اب کیا معلوم کہ کنزیٰ، مومو کی پسند ہے بھی یا ہمارے صاحب زادے نے بہن کو وکالت کرنے کے لیے آگے کردیا ہو۔" بابا کی بات پر صفی نظریں چرا گیا۔ پورے گھر میں ماتمی فضا چھائی ہوئی تھی، بابا اپنے کمرے میں جاکر لیٹ گئے تھے۔ اماں جان نے جاءنماز سنبھال لی تھی جبکہ صفی گہرے سانس لیتا گھر سے باہر آ گیا تھا اسے گھٹن سی محسوس ہورہی تھی۔

❁ ✿ ✿ ❁

وصی غصے سے پیچ و تاب کھاتا کمرے میں دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ سامنے ہی صوفے پر مومو بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ جیسے بہت دیر روئی ہوں۔
"ایسے الفاظ اپنی زبان سے نکالنے کی انہیں جرأت کیسے ہوئی کہ میں کنزیٰ کو......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ "میں تو پہلے بھی رخصتی کے حق میں نہیں تھا۔ گھر کی کچھ قسطیں باقی ہیں۔ ان کی ادائیگی تک میرا رخصتی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں چاہتا تھا کہ رخصتی کے بعد کنزیٰ کو پاکستان سے باہر گھمانے لے جاتا۔ گھر کی مکمل ادائیگی کے بعد ہی میری خواہش پوری ہوتی لیکن آپ لوگوں کی خاطر میں خاموش ہوگیا۔ ان ماں، بیٹے نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ وصی احسان اپنی منکوحہ کو طلاق دے دے گا وہ بھی ان کے کہنے پر۔" اس کا الفاظ آگ برسا رہے تھے، مومنہ خوف زدہ ہوئیں۔
"تم اپنا جی مت جلاؤ کچھ نہ کچھ راستہ نکل ہی آئے گا۔" مومو نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی، بہت مشکل سے وہ غصے کو کنٹرول کرپایا۔ مومو رات گئے تک اس کے پاس بیٹھی رہیں۔ بعد ازاں بنٹی انہیں آ کر لے گیا۔ انہیں وصی کے غصے سے ڈر لگتا تھا کہ وہ جذبات میں آ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھالے مگر اپنا گھر چھوڑ کر کب تک یہاں

انتقام کے جذبوں سے معمور ایک جنونی شخص کی سرگزشت
وہ اپنے جاناں کے انتظار میں صدیوں سے پلکیں بچھائے بیٹھی تھی
حسن و عشق ساتھ ساتھ سنسنی خیز محیرالعقول واقعات سے لباب، سحر انگیزی، مہم جوئی
مچلتے ارمانوں اور سلگتے جذبات کی داستان
دور افتادہ جزیرے کی تلاش، شیطانی مثلث جس کی راہ میں حائل ہے
معروف و نامور قلمکار اور ناول نگار
اعجاز احمد نواب
کی نئی سلسلے وار کہانی
شیطانی جزیرہ
نئے اُفق
کی ایک معرکتہ آرا کہانی
ایک تہلکہ خیز اور دہشت ناک کہانی
اسے اس کی تلاش تھی جو اس کے خوابوں کی ملکہ تھی
تپتے ریگستانوں، بپھرتے پانیوں کی کہانی
آدم خوروں کے جزیرے اور تلاطم موجوں کے قصے
تاریک براعظم اور صحرائے اعظم کے پس منظر میں لکھی گئی پراسرار کہانی
رابطہ:
81 چیمبرس بائی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم بوزدار آنچل پریس کراچی 75510
03008264242
بحری طوفانوں اور غلاموں کے مراکز کی داستان
www.naeyufaq.com. Email:editorufaq@naeyufaq.com
جنوری 2021 سے نئے اُفق میں ملاحظہ کیجیے

بیٹھ سکتی تھیں۔

جب سے مما اور روحیل گاؤں گئے تھے۔ اس کا دل انجانے خدشوں سے سہم رہا تھا۔ حالانکہ اب تو وہ وصی کی منکوحہ تھی بلکہ عنقریب اس کا گھر بسنے جا رہا تھا۔ پر اپنے دل کا کیا کرتی اور وہی ہوا، مما اور روحیل بھائی جس طرح غصے کی حالت میں لوٹے تھے۔ اسے پتا لگ گیا کہ اسی ہونے کے ڈر سے اس کا دل سہم رہا تھا۔ کبھی کسی سے کہا نہیں تھا۔ جانے کب سے وہ من ہی من میں وصی کو پسند کرنے لگی تھی۔ مما اور روحیل بھائی کی زبانی طلاق کا تذکرہ سن کر وہ کانپ گئی تھی۔ رکزا اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوئی تھی۔

"کنزیٰ...... تم پریشان مت ہو وصی بھائی ان دقیانوسی لوگوں کو سمجھا لیں گے۔ ایک دو فنکشنز میں آنے سے ان کی شان گھٹ نہیں جائے گی۔ مفت میں لاکھوں کا مال مل رہا ہے، بڑے ناشکرے ہیں تمہارے سسرال والے۔ لوگ تو ایسی تقریبات کے لیے ترستے ہیں۔" رکزا نے کہا تو کنزیٰ اسے دیکھتی رہ گئی۔ مما اور روحیل اپنے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ وہ بھی مرے مرے قدموں سے اس کی کمرہ میں آ گئی تھی۔

بہت دنوں بعد آج صفی کو خوشی ملی تھی۔ میگھا نے چوہدری صاحب کے گھر آ کر اسلام قبول کرلیا تھا۔ چوہدری صاحب نے پورے گاؤں میں مٹھائی بانٹی تھی۔ اس خبر کے ساتھ کہ میگھا کا اسلامی نام مریم رکھا گیا اور مریم آج سے ان کی بیٹی ہے۔ یہ نہیں تھا کہ یہ خبر صفی کے لیے غیر متوقع تھی۔ گزشتہ کچھ دنوں سے میگھا کے اندر ہونے والی کشمکش بڑھ گئی تھی۔ پرسوں ہی تو وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ صفی مجھے بہت افسوس رہے گا کہ میں نے ایک غلط جگہ پر جنم لیا۔ کاش مجھے پیدا ہونے سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا کہ مجھے کہاں پیدا ہونا ہے تو میں کسی مسلم گھرانے میں پیدا ہونا پسند کرتی اور آج صفی کو یہ خبر ملی تھی کہ وہ اسلام قبول کرچکی ہے۔ وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ ہاسپٹل میں ہی میگھا سے ملاقات ہوسکتی تھی۔ اس کے لیے اسے کل تک صبر کرنا پڑتا کیونکہ آج ہفتہ وار چھٹی تھی۔ یوں بھی آج تو وہ چوہدری صاحب کے گھر پر اپنے ناز اٹھوا رہی تھی۔ گاؤں کے چیدہ چیدہ لوگ اسے مبارک باد دینے چوہدری صاحب کی حویلی آ رہے تھے۔ اماں جان اور بابا بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

اس واقعے کے بعد وصی کی ملاقات کنزیٰ سے نہیں ہوئی، البتہ وحید بھائی کے ذریعے موموکو خبر ملی تھی کہ رخسانہ ہرگز بھی کنزیٰ کو وصی کے ساتھ رخصت نہیں کریں گی۔ یہ ابت سن کر وصی کا خون کھول گیا ان کا یہ ارشاد سن کر، وہ کنزیٰ سے ملاقات کرکے اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ اپنی مما پر دباؤ ڈالے۔ ہاں مگر اسے کنزیٰ جیسی ڈبو لڑکی سے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔

آج آذر کی بہن کی شادی تھی۔ آذر نے دوپہر میں فون کرکے اسے یاد دہانی کرائی تھی کہ وہ وقت پر میرج لان پہنچ جائے۔ وہ جب "بارہ دری" پہنچا تو مہمان کافی تعداد میں آ چکے تھے۔ آذر سے ہائے ہیلو کرکے وہ ایک جانب سگریٹ سلگا کر بیٹھ گیا۔ نئی نئی عادت ڈالی تھی خود کو جلانے کی، دھویں کے مرغولے بناتے ہوئے وہ سوچنے لگا کہ زندگی کس کروٹ بیٹھے گی۔ دو دن وہ گاؤں میں بھی گزار آیا تھا۔ بابا کی بھی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ صفی سے میگھا کے مسلمان ہونے کی خوشی سنبھالے نہیں جا رہی تھی۔ وصی کو بھی خوشی ہوئی کہ وہ کانچ سی لڑکی دائرہ اسلام میں آ گئی تھی۔ دائیں جانب سے آتی آوازیں سن کر وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ گردن گھما کر آواز کی جانب دیکھا۔

"رخسانہ بتا رہی تھی کہ لڑکے نے کنزیٰ کو پسند کیا ہے۔"

وہ کنزیٰ کی خالہ فرزانہ تھیں اور اپنی بھابی سے مخاطب تھی۔ وصی ان دونوں خواتین کو جانتا تھا۔ وہ چونکہ قدرے ہٹ کر کم روشنی والی جگہ پہ بیٹھا تھا۔ سو اس کا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔

"وہ جو پہلے نکاح کیا تھا رخسانہ نے کنزیٰ کا اس کا کیا۔" یہ مامی صاحبہ تھیں۔

"رخسانہ کہہ رہی تھی وہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ اب وہ بالکل خاموشی سے کنزیٰ کا اس لڑکے جنید سے نکاح کردے گی۔ جنید کی فیملی اسلام آباد میں ہے رخسانہ کا ارادہ ہے کہ وہ ساری رسمیں اسلام آباد جا کر کریں گی۔" فرزانہ نے بتایا۔ وصی کی پیشانی کے بل بڑھتے جارہے تھے۔ رخسانہ رحمان سے اسے اتنی گھٹیا حرکت کی امید نہیں تھی۔ کہ وہ نکاح پر نکاح جیسا گناہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں گی۔

"کیا کنزیٰ مان گئی ہے؟" مامی کو تجسس ہوا۔

"وہ تو بے زبان گائے ہے۔ جو ماں کہے کنزیٰ بلا چوں چرا مان جائے گی۔" فرزانہ نے کہا۔ اسی وقت آذر کی بڑی بہن ان دونوں خواتین کے پاس آ کر رکی تو وہ خاموش ہوگئیں۔ وصی سگریٹ پھینک کر کھڑا ہوگیا۔ اب وہ مزید یہاں نہیں رک سکتا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کچھ کر گزرے یا پھر 'رحمان لاج' کو آگ لگادے مگر وہاں وہ بھی تو تھی۔ کیسے اسے وہاں سے نکالے۔ وہ تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا ہوا موموکے گھر آیا۔ جہاں افراد خانہ کسی تقریب میں جانے کی تیاری کررہے تھے۔

"کیا ہوا وصی طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" موموکو اس کا چہرہ دیکھ کر انجانا سا احساس ہوا۔

"ہاں ٹھیک ہوں، آپ لوگ کہاں کی تیاری میں ہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال بگاڑے۔

"وحید کے تایا کے گھر شادی ہے۔ ادھر کی ہی تیاری ہے۔ تم بیٹھو میں تمہارے لیے کھانا لگواتی ہوں۔" مومو نے کہا۔

"نہیں مومو میں کھانا کھا چکا ہوں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ اندر ایک آگ جل رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ آگ کس طرح بجھے گی۔

"کنزیٰ بھی آئے گی کیا؟" اچانک وصی کو ایک خیال سوجھا۔

"ہاں آئے گی، کل مایوں میں بھی آئی تھی، کنزیٰ بہت مرجھائی مرجھائی لگ رہی تھی۔ جبکہ رخسانہ آنٹی نے تو مجھ سے کلام تک نہیں کیا۔" مومو بجھے لہجے میں بولیں۔

"کس جگہ ہے شادی؟" بجلی کے کوندے کی طرح ایک سوچ ذہن میں سمائی۔

"روپ گارڈن میں ہے، تم کس لیے پوچھ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی، بنٹی کہاں ہے؟" بنٹی کی مدد کے بغیر کام نہیں ہوسکتا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں تیار ہورہا ہے۔" مومو نے بتایا۔

"میں ذرا بنٹی سے مل لوں پھر جاتا ہوں، آپ جاکر تیار ہوجائیں۔" وہ مومو سے کہتا بنٹی کے کمرے میں آگیا۔ جہاں بنٹی، شیراز اوپل کا "ربا" سنتے ہوئے آئینے میں خود کو دیکھ رہا تھا۔ وصی کو اپنے سامنے پاکر وہ حیران ہوا، وصی اسے اپنے سامنے بٹھا کر سارا پلان سمجھانے لگا۔ بنٹی ڈرا تو وصی نے اسے تسلی دی اور اس سے وعدہ لیا کہ فی الحال وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا۔ کامیابی کی صورت میں وصی نے اسے ڈیجیٹل کیمرہ دلانے کا وعدہ کیا۔ بنٹی خوش ہوگیا۔ فوٹو گرافی اس کا شوق تھا۔ گھر آ کر اس نے کپڑے تبدیل کیے پھر ریفریجریٹر کھول کر بریڈ نکالی اور ساتھ ہی انڈے بھی، جتنی دیر میں اس نے آملیٹ بنایا اتنی دیر میں بریڈ ٹوسٹر میں گرم ہوچکی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ ایک میگزین لے کر بیٹھ گیا۔ وقت بھی تو گزارنا تھا۔ بنٹی کی کال ریسیو کرنے کے بعد وہ گھر سے نکلا۔ گاڑی کا رخ سخی حسن کی جانب تھا۔ جہاں روپ گارڈن واقع تھا۔ میرج گارڈن کے نزدیک پہنچ کر اس نے گاڑی ایک مناسب جگہ پارک کی پھر وہ اپنے سیل فون پر بنٹی کا نمبر ملانے لگا تاکہ اسے اطلاع دے سکے کہ وہ ہال کے باہر موجود ہے۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ گاڑی میں آرام سے بیٹھ گیا۔ اب آگے کا کام بنٹی کی ذمہ داری تھی۔ دس منٹ بعد اسے بنٹی اور کنزیٰ آتے ہوئے دکھائی دیئے تو وہ چوکنا ہوکر بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ سے اس نے فرنٹ ڈور بھی کھول دیا تھا۔

"ماموں...... میں نے اپنا کام کردیا۔" بنٹی اس کی سائیڈ کی کھڑکی پر جھک کر بولا۔

"کیوں بلایا ہے آپ نے مجھے؟" دوسری جانب کنزیٰ تھی جو بہت پریشان نظر آرہی تھی۔ مما اور رکز اسے چھپ کر

آئی تھی۔ بنٹی نے کچھ ایسے لہجے میں وصی کی پریشانی کا نقشہ کھینچا اور اس کے بلاوے کا کہا کہ وہ آئے بغیر نہ رہ سکی۔

"گاڑی کے اندر آ کر بیٹھو میں بتاتا ہوں۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں، پلیز جو بھی بات کرنی ہے جلدی کہیے۔" وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے کسی کے دیکھ لیے جانے کا اندیشہ ہو۔

"اس طرح کھڑے کھڑے کس طرح بات ہوگی کنزیٰ۔" اس نے لہجے کو نرم ہی رکھا، البتہ اب وہ کار سے باہر آ گیا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی کچھ دیر میں مما یا رکزا کو میری غیر موجودگی کا احساس ہوگا تو وہ مجھے ڈھونڈنے باہر تک آ جائیں گی۔" وہ کچھ ڈرے ڈرے انداز میں بولی۔

"بنٹی تم جاؤ۔" وصی نے کنزیٰ کی بات ان سنی کر کے بنٹی سے جانے کا کہا تو کنزیٰ نے بھی بنٹی کے ساتھ جانے کے لیے قدم بڑھانے چاہے۔ وصی پہلے ہی چوکنا تھا۔ کنزیٰ کی نازک کلائی اس کی گرفت میں آ چکی تھی۔

"چھوڑیئے مجھے جانا ہے۔" وہ مچل کر چیخی مگر اس وقت ہی وصی دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ چکا تھا۔ برق رفتاری سے اس نے کھینچ کر کنزیٰ کو گاڑی میں ڈالا اور خود دوسری جانب سے گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں، کہاں لے جا رہے ہیں آپ مجھے؟" کنزیٰ کے حواس کچھ بحال ہوئے تو وہ تیز لہجے میں بولی۔

"خاموش رہو...... دیکھ لینا کہاں لے جا رہا ہوں۔" اب کے وصی کا لہجہ سخت ہوا۔

"میں چیخنے لگوں گی۔" وہ رواں سڑک کو دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔

"شوق سے چیخو، مجھے کوئی اعتراض نہیں کیونکہ تم ہمارے مابین جس رشتے کو بھول چکی ہو، اس کا ثبوت میری جیب میں رکھا ہے۔" اس کا اشارہ نکاح نامے کی سمت تھا۔ اتفاق تھا کہ وہ گاؤں سے لوٹتے ہوئے اماں جان کے پاس سے اپنا نکاح نامہ ساتھ لے آیا تھا۔ وصی کی بات سن کر کنزیٰ ایک دم خاموش ہوگئی مگر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تھے۔ گھر نزدیک آ گیا تھا۔ وصی نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اب کنزیٰ کا تفصیلی جائزہ لیا۔ دھانی قمیص جس پر ڈارک میرون کام بنا ہوا تھا، ڈارک میرون پلازو اور دوپٹہ زیب تن کر رکھا تھا۔ میچنگ جیولری اور لائٹ میک اپ میں بالوں کو آزاد چھوڑے وہ وصی کے دل میں جذب ہو رہی تھی۔ کار پورچ میں روک کر وصی اترا اور کنزیٰ کی جانب کا دروازہ کھول کر بولا۔

"باہر آ جاؤ۔"

"نہیں میں یہاں نہیں اتروں گی، مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"شرافت سے باہر آ جاؤ یا پھر اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔" وصی کا لہجہ بتا رہا تھا کہ جو وہ کہہ رہا ہے کر گزرے گا۔ کنزیٰ اس کے انداز پر گھبرا کر فوراً گاڑی سے اتری۔ اس کے انداز پر وصی کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا، جسے اس نے منہ دوسری طرف کر کے چھپایا۔

"آ جاؤ۔" وہ اندر کی جانب بڑھنے لگا۔ مرے مرے قدموں سے کنزیٰ اس کی پیروی کرنے لگی سٹنگ روم میں راؤنڈ اسٹائل میں صوفے رکھے تھے۔ فرنیچر کم مگر قیمتی اور صاف ستھرا تھا۔ وصی وہاں سے گزرتا ہوا اسے لاؤنج میں لے آیا۔ جہاں دائیں دیوار میں ایک سے ڈی فکس تھا۔ بائیں کونے میں چار کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل رکھی تھی۔ جس کا ٹاپ شیشے کا تھا۔ ٹی وی والے حصے میں ایک کاؤچ رکھا تھا۔ فرش پر قالین اور گاؤ تکیے فرشی نشست کا اعلان کر رہے تھے۔ درمیان میں کچن کا راستہ تھا۔ جدید اسٹائل کا کچن صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ وصی کاؤچ پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا جبکہ وہ ایک طرف کھڑی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوگیا ہے آنسو اب رک چکے تھے مگر رخساروں پر نشان ثبت تھے۔

"بیٹھ جاؤ کنزیٰ، کیا رات کھڑے کھڑے گزارنے کا ارادہ ہے۔" اس نے نظر اٹھا کر کنزیٰ کو دیکھا

اور کاؤچ پر بیٹھنے کو کہا مگر وہ اس کے برابر میں بیٹھنے کا رسک نہیں لے سکتی۔ جس دیدہ دلیری سے وہ اسے لے آیا تھا۔ اس سے کچھ بعید نہ تھا۔ کنزیٰ سوچتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھی اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ وصی نے اس کے اس عمل کو قدرے حیرت بھری نظر سے دیکھا پھر اٹھ کر جینز کے اندر دبی ہوئی شرٹ باہر نکالی اور اپنے جوگرز اٹھائے۔

''میں سونے جا رہا ہوں کیونکہ مجھے صبح آفس جانا ہے۔ تمہیں اگر بھوک لگی ہے تو فرج چیک کرلو کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا، سونے کے لیے پورا گھر ہے۔ جہاں مرضی ہو سو جانا...... ہاں مگر باہر جانے کی کوشش مت کرنا۔ میں نے گورنمنٹ سیکورٹی طلب کرلی ہے، کچھ دیر بعد گھر کے باہر سیکورٹی گارڈ آجائیں گے۔ جو میری اجازت کے بغیر کسی کو بھی گھر میں داخل نہیں ہونے دیں گے نہ ہی کسی کو باہر جانے دیا جائے گا۔'' وہ جاتے ہوئے رکا۔

''براہ مہربانی کسی کو کال کرنے کی کوشش مت کرنا۔ تمہارے پاس سیل فون ہے تو مجھے دے دو، یہاں کا فون تو ڈیڈ ہے۔'' اس نے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ بائیں ہاتھ میں جوگرز تھام رکھے تھے۔

''میرا سیل فون تو ادھر میرج لان میں ہی رہ گیا ہے۔'' وہ روئی ہوئی سی آواز میں بولی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں کو ہر چیز سے زیادہ زمانے کا خیال رہتا ہے۔ وہ ہرگز بھی اس کی گمشدگی کی خبر اچھالے گی نہیں کہ کہیں لوگ باتیں نہ بنائیں۔ ویسے بھی نجانے کیوں مما نے اس کے نکاح کی خبر کو اپنے سوشل سرکل میں عام نہیں کیا تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ کچھ دنوں پہلے اس کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا تھا اور وہ اس رشتے کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ روتی رہی اور سوچتی رہی۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی راہ داری نظر آ رہی تھی۔ جس میں دو دروازے تھے۔ ایک میں وصی غائب ہوا تھا اور دروازہ بند تھا۔ اس کے آنسو پھر رواں ہو چکے تھے۔ پورے گھر پر سناٹا طاری تھا۔ وہ ٹیبل کی سطح پر سر ٹکا کر آنسو بہانے لگی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

صبح جب وہ سو کر اٹھا تو سات بج رہے تھے۔ شاور لینے کے دوران اسے کنزیٰ کا خیال آیا کہ رات وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ تولیے سے سر رگڑتے ہوئے وہ لاؤنج میں آیا۔ جہاں رات کو اس نے کنزیٰ کو چھوڑا تھا وہ وہیں کاؤچ پر بے ترتیبی سو رہی تھی۔ چادر کی جگہ اس نے اپنا میرون دوپٹہ خود پر پھیلایا ہوا تھا۔ وصی کو تھوڑا افسوس ہوا پھر سر جھٹک کر ناشتہ بنانے لگا۔ برتنوں کی کھٹ پٹ سے کنزیٰ کی آنکھ کھلی۔ کچھ دیر تک تو وہ سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ کہاں ہے سر بری طرح دکھ رہا تھا۔ جیسے ہی حواس جاگے وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وصی کی پشت نظر آ رہی تھی۔ بلیو ٹراؤزر پر بلیک بنیان پہن رکھا تھا۔ کندھے پر تولیہ ڈالے وہ اوون کے آگے کھڑا مصروف تھا۔

''کتنا اچھا شخص تھا مگر کتنے غلط طریقے سے کل اسے لایا تھا۔'' وصی کو اپنی پشت پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ پلٹا کنزیٰ کو اپنی جانب دیکھتا پایا۔ وہ ایک دم مسکرا دیا جبکہ کنزیٰ خجل سی ہوگئی۔

''السلام علیکم! واش روم ادھر کا استعمال کرلو۔'' اس نے راہ داری کی جانب اشارہ کیا، کنزیٰ سلام کا جواب دیتی ہوئی اس طرف بڑھ گئی۔ وہ ایک بیڈ روم تھا۔ جس کے اٹیچ باتھ روم میں جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا اور بال ہاتھ سے ٹھیک کرتی ہوئی باہر آ گئی۔ جہاں وصی ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ سجائے اس کا منتظر تھا۔ اس کے کرسی سنبھالتے ہی وصی نے ناشتہ شروع کر دیا۔ بھوک تو اسے بھی شدید لگی تھی۔ کل دوپہر میں ہی کھانا کھایا تھا۔ اتنے گھنٹے گزر چکے تھے مگر اسے وصی کے سامنے کھانے سے جھجک ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی مما کا خیال بھی بے چین کر رہا تھا۔ وصی شاید اس کی جھجک محسوس کر چکا تھا۔ اس لیے جلد ہی اپنا ناشتہ ختم کر کے اٹھا تو وہ بول پڑی۔

''وصی...... مجھے اب گھر جانا ہے۔'' وصی نے بغور اس کا فقرہ سنا اور پھر معنی خیزی سے بولا۔

''ہاں...... بسانے ہی تو لایا ہوں۔'' وصی کی معنی خیزی کو

کنزیٰ نے نظر انداز کر دیا۔
"مجھے مما کے پاس جانا ہے۔" کنزیٰ نے کہا۔
"ننھی بچی نہیں ہو تم کہ مما کے بغیر رہ نہ سکو، پلیز اب خود کو سمجھا لو اب تمہیں یہاں ہی رہنا ہے اس طرز عمل کے لیے مجھے تمہاری مما نے مجبور کیا ہے۔" اسی وقت ہی کال بیل بجی۔ وصی اٹھ کر باہر گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے پیچھے تقریباً پینتالیس سالہ عورت اور ایک سترہ سالہ لڑکی تھی حلیے سے دونوں ملازمہ لگ رہی تھیں۔ وہ دونوں ہی کنزیٰ کو دیکھ کر ٹھٹکیں۔
"یہ اب ادھر ہی رہیں گی۔" وصی نے کنزیٰ کی جانب اشارہ کر کے ملازمہ کو اطلاع دی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ وہ دونوں آپس میں اشارے کرتی ہوئی کام سمیٹنے لگیں۔ وصی کا انداز اس کا خون جلایا گیا تھا۔ ناشتا ختم کر کے تن فن کرتی اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔ جہاں وصی کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔
"آپ نے میرا تعارف کس انداز میں کروایا ہے۔" ٹائی باندھتے ہوئے وصی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"پھر کس انداز سے تعارف کرواتا۔" اب کنزیٰ کی جان مشکل میں آ گئی، کیا بولتی۔ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے انجان بن رہا تھا۔
"پتا نہیں۔" اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ وصی کا دل چاہا زور سے ہنسے مگر کنزیٰ کے موڈ کا خیال کر کے موضوع بدل دیا۔
"آج ہفتہ ہے، میں آفس سے واپسی پر گاؤں جاؤں گا۔ کل جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔ فریج میں ضرورت کا سامان موجود ہے۔ اپنے لیے جو چاہو پکا لینا۔" کنزیٰ آنکھیں پوری کھول کر اسے دیکھنے لگی۔
"میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟"
"مجبوری ہے، فی الحال میں تمہیں ساتھ بھی نہیں لے جا سکتا۔ نہ ہی کسی کے پاس چھوڑ سکتا ہوں۔" اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا خود پر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا تیار ہو کر آہستہ آہستہ قدموں سے کنزیٰ کی جانب بڑھنے لگا۔ کنزیٰ اس کا انداز سمجھنے سے قاصر تھی۔
اب وہ اس کے بے حد نزدیک کھڑا تھا۔ شاید درمیان میں ایک سانس کا فاصلہ تھا۔ کنزیٰ کی نظریں اس کی میرون ٹائی میں الجھنے لگیں۔
"اگر کچھ اور چاہیے تو کہو۔" اس کے سانسوں کی تپش کنزیٰ اپنے رخساروں پر محسوس کر رہی تھی اور دھڑکن کس قدر شور مچانے لگی تھی۔ اس کے ملبوس کی خوشبو کنزیٰ کے گرد حصار قائم کر رہی تھی۔ وصی نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اس کے کان میں جھولتے آویزے کو چھوا، جسے رات کو وہ پریشانی میں اتارنا بھول گئی تھی۔ اس کے حلیے کی وجہ سے ہی ملازمائیں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں۔
"میرے پاس ضرورت کی کوئی چیز نہیں ہے۔" بہت سوچ کر اس نے دماغ سے یہ واحد پریشانی نکال کر اس سے شیئر کی ورنہ اس کی اس قدر قربت کنزیٰ کو سب بھلائے دے رہی تھی۔
"اوہ......" وہ چونکا پھر اس کے حلیے کا جائزہ لیا۔ اچانک خیال آنے پر وہ پلٹا اور وارڈ روب کی جانب بڑھا۔ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو شاپر تھے۔ جو اس نے بیڈ پر رکھ دیئے۔
"یہ کچھ ریڈی میڈ سوٹ ہیں، میں نے تمہارے لیے خریدے تھے، دینے کا موقع ہی نہیں ملا، اب تمہارے کام آ جائیں گے۔" پھر اس نے پینٹ کی جیب سے والٹ نکالا اور دو بڑے نوٹ گھسیٹ کر ایش ٹرے کے نیچے دبا دیئے۔ "ان پیسوں سے اپنی ضرورت کا کچھ سامان منگوا لینا۔ سلمٰی سے کہو گی تو وہ لا دے گی اور ہاں چاہو تو اپنے طریقے سے اس سے تعارف کروا دینا، ٹھیک ہے گھبرانا نہیں۔" کہتے ہوئے وہ اپنا ضروری سامان لیتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁

"دل چاہ رہا ہے ابھی اسی وقت پولیس سے اس کے گھر پر ریڈ کراؤں، اس کی ہمت کیسے ہوئی اس طرح کنزیٰ کو لے جانے کی۔" جب سے پتا چلا تھا کہ کنزیٰ کو وصی لے گیا

ہے۔روحیل بپھرا ہوا تھا۔رخسانہ بہ مشکل اسے کنٹرول کیے ہوئے تھیں۔وہ کسی کو تماشا دیکھنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھیں۔روحیل یہ معلوم ہونے پر کہ بنٹی، کنزیٰ کو وصی تک لے کر گیا تھا۔وہ بنٹی کو میرج ہال میں ہی مارنے پیٹنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔دنیا مزے لیتی ان کے جھگڑے کی وجہ سے،رخسانہ اور رکزا اسے بہ مشکل گھر لے کر آئی تھیں۔

"تم کیا چاہتے ہو روحیل کہ لوگ ہم پر ہنسیں، میں نے اس کا نکاح اپنے سرکل کے لوگوں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ ان جاہل لوگوں کی سادگی مجھے شرمندہ کر رہی تھی، میں نے سوچا تھا کہ رخصتی کے موقع پر میں اپنے گھر میں ہلا گلا کرلوں گی تو کسی کو باتیں بنانے کا موقع نہیں ملے گا مگر احسان عظیم کے فرسودہ رویّے سے مایوس ہو کر میں نے سوچا کہ کنزیٰ کو کہیں دوسری جگہ بیاہ دوں گی تو وصی اور اس کے گھر والوں کی عقل ٹھکانے آجائے گی۔ کنزیٰ کی خوش نصیبی کے دوسرا رشتہ بھی اتنا اچھا آیا تھا۔ جس این جی او کی میں ممبر ہوں اس کی سیکرٹری کے بھائی کا بیٹا ہے وہ لڑکا، میں انہیں رشتے سے انکار تو کرسکتی ہوں مگر یہ ہرگز پسند نہیں کروں گی کہ انہیں یہ پتا چلے کہ کنزیٰ کا پہلے بھی نکاح ہو چکا تھا۔ تم نہیں جانتے روحیل اگر یہ خبر پریس میں چلی گئی تو میری کتنی بدنامی ہوگی۔ میں اپنے سرکل میں یہ بات پھیلا دوں گی کہ اچانک ہی ایک بہت اچھا رشتہ آ گیا تھا کنزیٰ کا فارن سے تو ہم نے ایمرجنسی میں اس کا نکاح کردیا اور کنزیٰ اپنے شوہر کے ساتھ فارن چلی گئی ہے۔ اتنے سالوں میں بنائی اپنی نیک نامی کو میں مٹی میں نہیں ملا سکتی۔ سنا تم نے، اگر کنزیٰ نے بھی وصی کا ساتھ دے دیا تو ہم تو کہیں کے بھی نہیں رہیں گے۔" رخسانہ نے اپنے لہجے کو بے لچک رکھا تھا۔

"بھاڑ میں جائیں آپ سب۔" روحیل بدتمیزی سے کہتا ہوا اسٹرھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رخسانہ ہارے ہوئے انداز میں صوفے پر گر گئیں۔ یہ ایک بہت بڑا محاذ سر کرلیا تھا انہوں نے۔

جب اس نے کچھ ڈرے ڈرے انداز میں بابا کو اپنی گزشتہ روز کی کارروائی بتائی تو اس کا خیال تھا کہ بابا ابھی گرجیں گے مگر توقع کے برخلاف انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپایا اور بولے۔

"اچھا کیا تم نے، ورنہ رخسانہ اس کا نکاح پر نکاح کردیتی۔" ان تک بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔

"جی بابا...... اسی لیے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔" اس نے کہا۔

"بہو ہے کہاں؟" اماں جان نے چونک کر پوچھا۔

"اماں جان...... اسے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ ساتھ لانا مجھے مناسب نہیں لگا۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

"اس طرح اجنبی جگہ پر چھوٹے سے دل کی لڑکی کو چھوڑنا ٹھیک لگا۔ پیچھے سے کچھ مسئلہ ہو گیا تو؟" اماں جان کا لہجہ ناگواری لیے ہوئے تھا۔ بابا کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔

"گیٹ پر سیکورٹی گارڈ چھوڑ کر آیا ہوں۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"پھر بھی صبح ہوتے ہی واپسی کا قصد کرنا اور جب دوبارہ آؤ تو بہو کو ساتھ لے کر آنا۔" اماں جان کی بات سن کر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

گھر بے شک بہت بڑا نہیں تھا مگر اجنبی جگہ تو تھی، دن تو جیسے تیسے نکل گیا تھا۔ نو بجے کے قریب اس نے فریزر میں سے شامی کباب نکال کر گرم کیے فرج میں بریڈ بھی تھی شامی کباب اور بریڈ کھانے کے بعد اس نے میوزک سسٹم میں گانوں کی سی ڈی لگالی تیز آواز میں۔ ایک گھنٹہ میوزک سنتے ہوئے گزر گیا۔ کچھ وقت ٹی وی دیکھ کر گزار لیا۔ نیند بھی آ رہی تھی اور خالی گھر میں سوتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ کل کی رات بھی بے چین سی گزری تھی۔ نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ نیند کو بھگانے کے لیے اس نے کافی بنا کر پی، عجیب سے خیال آ رہے تھے کہ اگر سو گئی اور کوئی اسے مار کر چلا گیا تو، رات کے دو بج چکے تھے، باہر ہو کا عالم تھا۔ اندر گھر میں کنزیٰ

سارے دروازے کھڑکیاں بند کیے میگزین پڑھنے کی کوشش کررہی تھی۔ پلے کچھ نہیں پڑرہا تھا۔ دماغ وصی اور مما میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں کی وجہ سے آج وہ یہاں تھی۔ رات جانے کون سا پہر تھا۔ شاید آخری پہر تھا۔ جب وہ زوروشور سے رونے بیٹھ گئی۔ تب اس نے اللہ اکبر کی صدا سنی تھی۔ ڈرتے ہوئے اس نے باتھ روم میں جاکر وضو کیا اور نماز فجر ادا کی پھر جانے کب جائے نماز پر ہی لیٹ کر وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔ وصی ڈوپلیکیٹ چابی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تو کنزیٰ اسے لاؤنج میں جائے نماز پر سوتی نظر آئی۔ اسے صورت حال سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ کچھ شرمندہ سا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ چند روز اور آگے سرک گئے تھے۔ کنزیٰ نے اپنے لیے دوسرا بیڈروم سیٹ کرلیا تھا۔ وصی نے بالکل اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ کنزیٰ کو سنبھلنے کے لیے وقت دے رہا تھا۔ جانتا تھا کہ موجودہ صورت حال نے اس کے دماغ پر برا اثر ڈالا ہے۔ مومنہ ایک شام بچوں کے ساتھ اس سے ملنے آئی تھیں۔ ان کی ہی زبانی کنزیٰ کو پتا چلا کہ مما نے روحیل کو کسی بھی قسم کی کارروائی سے روک دیا تھا۔ مومنہ جتنا وقت رکیں اس کی دلجوئی کرتی رہیں، وہ کنزیٰ کے لیے بے حد خوبصورت سوٹ اور سونے کی بالیاں لے کر آئی تھیں جو انہوں نے زبردستی اس کے کانوں میں پہنادی تھیں۔

اس شام وصی آفس سے جلدی آگیا تھا۔ آج کل وہ گھر پر زیادہ وقت دے رہا تھا۔ اسے کنزیٰ کی تنہائی کا خیال رہتا تھا۔ ممکن ہوتا تو وہ آفس کا کام گھر لے آتا تھا۔ کنزیٰ کا دل چاہتا تھا تو وہ کھانا پکالیتی تھی۔ ورنہ ریفریجریٹر میں سے محفوظ کھانوں کے ڈبے نکال کر گرم کرلیتی تھی۔ آج وہ فراغت سے اکتا گئی تھی اس لیے اس نے کھانا پکانے کے لیے کچن کا رخ کیا۔ وصی قالین پر لیٹا ہوا تھا اور ٹی وی پر بزنس چینل دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی گردن موڑ کر گاہے بگاہے کنزیٰ کی مصروفیت کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔

''کیا پکا رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''دال چاول۔'' کنزیٰ نے بغیر مڑے جواب دیا۔

''ساتھ میں کیا ہے؟'' وصی نے دوسرا سوال کیا۔ کنزیٰ کی موجودگی سے وصی کو گھر کا ماحول خوب صورت سا لگنے لگا تھا۔ حالانکہ وہ اب خاموش رہنے لگی تھی۔

''ساتھ بھی دال چاول ہی ہیں۔'' اس نے پھر وہی کہا وہ سلاد بنارہی تھی۔ وصی نے ریموٹ سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر کچن میں آگیا۔

''ایک گرما گرم خبر ہے۔'' اس نے کھیرے کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھا، کنزیٰ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مومو...... بتارہی تھیں کہ تمہاری مما کے گھر سے یہ خبر باہر آئی ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کنزیٰ کا ایک فارن ریٹرن سے نکاح کردیا ہے اور تم یعنی کنزیٰ اپنے شوہر کے ساتھ ملک سے باہر جاچکی ہو۔'' کنزیٰ نے دیکھا کہ وصی کہ چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کنزیٰ کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔

''آپ نے اور مما نے دونوں نے مل کر میری زندگی خراب کردی ہے۔'' وہ الزام دینے والے انداز میں بولی۔

''میں نے...... میں نے کیا کیا ہے؟'' وصی کو گویا کرنٹ نے چھوا۔

''آپ جس طرح مجھے لے کر آئے ہیں، کیا یہ صحیح طریقہ ہے؟ مما نے غلط حرکت کی تھی تو کیا ضروری تھا کہ آپ بھی ایسا کرتے؟ مجھے یہاں لانا ضروری تھا تو مجھے کوئی دوسرا بھی تو لاسکتا تھا۔ آپ کی فیملی کا کوئی اور فرد ہمارے مابین جو رشتہ قائم ہوا ہے۔ وہ ہمارے بڑوں نے جوڑا ہے۔ مجھے اماں جان، مومو یا صفی بھائی لاتے تو میرا مان تو نہ ٹوٹتا۔ میں اپنی ہی نظروں میں بے مایا تو نہ ہوتی۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ وصی تو اسے بہت لاابالی لڑکی سمجھتا تھا۔ اس کی باتوں نے وصی کے لیے سوچوں کے کئی دروا کردیے۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا پھر اس رات دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ کھانا بھی خاموشی سے کھایا گیا۔ وہ کام نمٹا کر سونے کے لیے چلی گئی تو وصی نے ٹیلی فون پر گاؤں کا نمبر ملایا اور بہت دیر تک آہستہ آواز میں اماں جان سے باتیں کرتا رہا، نتیجے میں دوسرے ہی دن اماں جان، صفی کے ساتھ کنزیٰ کو لینے کے لیے آگئی تھیں۔

"جب وصی نے مجھے بتایا کہ میں کنزیٰ کو لے آیا ہوں تو میں دو روز بعد تمہیں لینے کے لیے آنے والی تھی کہ وصی کے بابا کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ ایسی حالت میں انہیں چھوڑ کر آنا اچھا نہیں لگا۔ اب جیسے ہی ان کی طبیعت بہتر ہوئی میں نے صفی سے کہا کہ مجھے شہر لے چل بہو کو گھر لے آؤں۔" اماں جان نے اسے خود سے لپٹایا۔ کنزیٰ نے شکایتی نظروں سے وصی کو دیکھا مگر وہ صفی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔

"گاؤں میں سب کو بلا کر ولیمہ کروں گی۔ سب کو پتا تو چلے کہ میرے وصی کی دلہن کتنی پیاری ہے۔ پھر تم اسے اپنے ساتھ لے آنا۔ تب تک میری بہو میرے ساتھ رہے گی۔" انہوں نے کنزیٰ کی پیشانی چوم کر وصی سے کہا تو اس نے فرماں برداری سے سر ہلایا۔ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

اسے اس کا کھویا ہوا مان لوٹانے کے لیے، بابا بھی اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ دو دن تک اماں جان کی ملنے والیاں ان کی بہو سے ملنے کے لیے آتی رہیں۔ اماں جان نے سب سے یہی کہا کہ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ انہیں بہو کو اچانک اور سادگی سے رخصت کروانا پڑا۔ جلد ہی وہ وصی کا ولیمہ کریں گی تو پورے گاؤں کو مدعو کریں گی۔ اماں جان چاہتی تھیں کہ وہ ہر وقت بنی سنوری رہے۔ انہوں نے اس کے لیے کئی نفیس اور عمدہ کام والے جوڑے بنوائے تھے۔ کافی سارا زیور بھی تھا۔ جو وہ چاہتی تھیں کہ کنزیٰ پہنی رہے۔ اس دن ایک عجیب بات ہوئی۔ چوہدری صاحب جو بابا کے پرانے دوست تھے بابا سے ملنے آئے تھے۔ بابا، اماں جان اور چوہدری صاحب بیٹھک میں بیٹھے تھے۔ ملازمہ رانو انہیں چائے دے آئی تھی۔

چوہدری صاحب اپنی بیٹی کا رشتہ صفی کے لیے لے کر آئے تھے اور بیٹی رشنا نہیں مریم تھی۔ جو ماضی قریب میں میگھا کے نام سے جانی جاتی تھی۔ بابا کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ مریم اسلامی تعلیمات سے آراستہ ہو رہی تھی۔ بابا اور چوہدری صاحب نے باہمی مشورے سے پندرہ دن بعد مریم اور صفی کی شادی طے کر دی وصی اور کنزیٰ کا ولیمہ بھی رکھا گیا تھا۔ کنزیٰ بھی کچھ نارمل ہو گئی تھی مگر اپنی مما کا دیا ہوا دکھ بھولنا اس کے لیے آسان نہیں تھا پھر بھی وہ اماں جان کے ساتھ ہنستی بولتی تھی۔ صفی کے ساتھ اس کا مذاق بھی چلتا رہتا تھا۔ صفی سے اتنی بڑی خوشی سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ اس نے فون کر کے وصی سے بھی جلد آنے کا کہا تھا۔

"صفی بھائی، آپ کا چہرہ تو خوشی سے کھلا پڑ رہا ہے کیا ارینج میرج پر بھی بندہ اتنا خوش ہوتا ہے؟" کنزیٰ کو شک ہوا۔

"کسی اور کو تو میں نہیں جانتا ہاں میرا بھائی بھی کچھ ایسا ہی خوش تھا۔" صفی نے حساب بے باق کیا۔ دن پر دن گزر رہے تھے۔ وصی نے پتا نہیں کیا بکھیڑا اڈالا تھا جو آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اماں جان بھی اٹھتے بیٹھتے اسے یاد کرتی رہتی تھیں۔ اس دن اس کا فون آ گیا۔ اس نے صفی سے جانے کیا کہا کہ وہ اسے لیے شہر کے لیے نکل کھڑا ہوا اس نے اتنی جلدی مچائی کہ وہ کچھ پوچھ بھی نہ سکی۔

"وصی خود تو آئے نہیں مجھے کیوں بلوایا ہے؟" راستے میں وہ صفی سے الجھ پڑی۔

"چل کر دیکھ لینا۔ اس نے مجھے کہا کہ کنزیٰ کو شہر لے آؤ، سو میں لے جا رہا ہوں، باقی تفصیل تم چل کر اس سے معلوم کر لینا۔" صفی نے جواب دیا۔ بقیہ راستہ خاموشی سے کٹا۔

شہر پہنچ کر جب صفی کی جیپ وصی کی رہائش گاہ پر پہنچی تو وہ ان کا ہی منتظر تھا۔ صفی کو واپس جانے کا کہہ کر وہ اسے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کا کہہ کر خود گھر کے دروازے لاک کرنے لگا۔ کنزیٰ سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ سارا چکر کیا ہے۔ صفی جیپ لے کر واپسی کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

"آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟" وصی جب اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تو کنزیٰ نے پوچھا۔

"ہاسپٹل چل رہے ہیں۔" اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔

"ہاسپٹل......! کیوں؟" اس پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔

"آپ بولتے کیوں نہیں، کیا ہوا ہے؟" وہ چیخ پڑی۔

"روحیل ہاسپٹل میں ہے، اسے بلٹس لگی ہیں۔" وصی نے بتایا۔

"کیسے.....! کیا ہوا؟" اس نے وصی کی آستین پکڑی۔

"روبی کے گھر مہندی کے فنکشن میں رکزا کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے ایک لڑکے نے کوئی بدتمیزی کی تھی، جس پر روحیل کا اس سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ وہ لڑکا کسی سیاستدان کا بیٹا ہے، جھگڑا بڑھنے پر اس لڑکے نے ریوالور نکال کر فائر کردیئے، روحیل کو دو گولیاں لگی ہیں۔" وصی نے سنجیدگی سے بتایا۔

"اوہ میرے خدایا، اب کیسا ہے وہ؟" اس کے دل کو دھکا لگا۔ وہ ان دونوں بہنوں کا ایک ہی بھائی تھا۔

"آپریشن کامیاب ہوگیا ہے مگر روحیل اب تک ہوش میں نہیں آیا۔" وصی نے اس کا جائزہ لیا۔ لیمن قمیص دوپٹہ اور ویسی ہی کام والی ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔

"آپ کو کیسے پتا چلا اس حادثے کا؟" اسے خیال آیا۔

"کل مومو کا فون آیا تھا۔ انہوں نے بتایا ہے مجھے جب میں ہاسپٹل گیا روحیل کو دیکھنے تو تمہاری مما بہت شرمندہ ہورہی تھیں، تمہارا پوچھ رہی تھیں، وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ روحیل کے ساتھ ہونے والے حادثے نے انہیں بہت بدل دیا ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں بلوایا ہے۔" وصی نے رخسانہ رحمان کی صفائی دیتے ہوئے گاڑی پارکنگ ایریا میں روکی۔ ہسپتال آچکا تھا۔

"آؤ....." وصی نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ کنزیٰ نے اپنا سرد ہاتھ اس کے مضبوط اور پرحدت ہاتھ میں دے دیا اور کار سے باہر نکل آئی۔ دونوں اندر کی جانب بڑھنے لگے۔ وصی نے استقبالیہ سے معلوم کیا تو پتا لگا کہ روحیل کو کمرے میں منتقل کردیا گیا ہے۔ وصی اسے لے کر کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔ رخسانہ رحمان انہیں کمرے کے باہر ہی مل گئیں لیکن یہ رخسانہ رحمان وہ نک سک سے تیار رہنے والی تو نہیں تھیں جن کا میک اپ کبھی مٹتا نہیں تھا۔ ملگجے کپڑوں میں میک اپ سے بے نیاز چہرہ، نماز کے انداز میں باندھا گیا دوپٹہ، وہ بالکل مختلف نظر آرہی تھیں۔ کنزیٰ کو دیکھ کر وہ جھکیں۔

"مما.....!" اس کے لب کانپے، رخسانہ نے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔

"کنزیٰ جانو..... خدارا مجھے معاف کردو۔ میں تمہارے ساتھ بہت غلط کرنے چلی تھی، میں تو معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں ہوں، میری اس غلطی کی بہت بڑی سزا ملی ہے مجھے۔" روحیل کو اس حالت میں دیکھ کر وہ گھمنڈی عورت تو کہیں مر چکی تھی۔ وہ کنزیٰ کو خود سے لگائے سسک رہی تھیں۔ کنزیٰ کا دل ایک پل میں پگھل گیا مما کی حالت دیکھ کر، وصی ان دونوں کو لے کر کمرے میں آیا۔ جہاں بیڈ پر لیٹے روحیل کو دیکھ کنزیٰ رونے لگی۔ تب وصی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے نزدیک کیا۔ رخسانہ رحمان بھی اپنے آنسو صاف کرنے لگیں۔ کنزیٰ کو وصی کے ساتھ دیکھ کر اب شدت سے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہورہا تھا، کتنا سجیلا شخص ان کی بیٹی کا مقدر تھا اور وہ کتنی بڑی نادانی کرنے چلی تھیں۔ روحیل کے زرد چہرے پر نظر جما کر وہ دل ہی دل میں پھر سے اپنے رب سے معافی مانگنے لگیں۔

رات گئے روحیل کو ہوش آ گیا تھا۔ موت کو اس قدر نزدیک سے دیکھ لینے کے بعد اب اسے زندگی کی حقیقت سمجھ میں آئی تھی۔ دو دن بعد اماں جان اور بابا بھی روحیل کی عیادت کے لیے شہر آ گئے تھے۔ اب روحیل کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ وہ بہت شرمندہ بھی تھا۔ اس نے احسان عظیم سے اپنی بدتمیزی کے لیے معافی مانگی تو وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر رہ گئے۔ رخسانہ رحمان نے بھی معافی مانگی جس پر انہوں نے کہا کہ جو ہوا اسے بھلا دو۔ جب وہ لوگ واپس جانے لگے تو کنزیٰ بھی ان کے ساتھ ہولی کیونکہ صفی کی شادی میں چند روز رہ گئے تھے۔ رخسانہ نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا مگر اس نے نظریں چرالی تھیں۔ اتنا سب ہونے کے بعد وہ وصی کے والدین کو دنیا کے سامنے تماشا نہیں بنا سکتی تھی۔ جن لوگوں نے اس کی مما کے غلط اقدام کے باوجود اس کی عزت نفس کو مجروح ہونے سے بچایا تھا۔ اماں جان نے

رخسانہ کو بھی صفی کی شادی اور وصی کے ولیمے کا دعوت نامہ بہت اصرار کے ساتھ دیا تھا۔

فضا میں لذیذ کھانوں کی خوشبو کے ساتھ ساتھ تازہ گلاب کے پھولوں کی مہک اور ساتھ ہی ملے جلے پرفیومز کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ رنگین آنچل لہراتے پھر رہے تھے۔ گاہے بگاہے چوڑیوں اور پائل کا دلفریب جلترنگ بھی سنائی دے رہا تھا۔ آج صفی کا سپنا پورا ہوا تھا۔ جو اس نے میگھا کے حوالے سے دیکھا تھا اور یہ سپنا مریم کے نام کے ساتھ پورا ہونے جارہا تھا۔ مریم چوہدری صاحب کی حویلی سے رخصت ہوکر احسان عظیم حویلی میں آنے والی تھی۔ رخصتی کے وقت مریم کے ساتھ ساتھ کنزیٰ کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ اس خواب کی پامالی پر جو ایک لڑکی کم عمری میں ہی دیکھتی ہے، میکے سے رخصت ہوکر سسرال جانے کا سپنا مگر اس کی مما کی ایک غلط سوچ نے اس کا یہ سپنا چور چور کردیا تھا۔ اب رخسانہ رحمان کو لاکھ اپنی غلطی کا احساس ہوتو سب لاحاصل تھا کیونکہ کنزیٰ کا سپنا ٹوٹ چکا تھا۔ عنابی کامدار سوٹ میں وہ اماں جان کے اصرار پر دلہنوں کی طرح سجی ہوئی تھی۔ چہرے پر سوگواری سی طاری تھی۔ جب وصی نے آکر اس کا ہاتھ تھاما اور ہولے سے دبا کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ ”تمہارا زندگی میں شامل ہونا لکھا جاچکا تھا شاید اسی طرح کہ جس طرح تم شامل ہوئی ہو۔ اب اس بات پر افسوس کرنے یا آنسو بہانے سے اس کی حقیقت بدل نہیں جائے گی۔ تمہیں وصی احسان کی زندگی میں شامل ہونا تھا کیونکہ وصی احسان نے تمہیں اپنے جذبوں کی سچائیوں کے ساتھ اپنے رب سے مانگا تھا۔“ وصی نے اس کا دامن اظہار کے پھولوں سے بھردیا۔ شاید اسی طرح اس کا ملال جاتا رہے۔ رخصتی کے بعد مریم کو صفی کے کمرے میں پہنچانے کے بعد مومو نے رخسانہ کو اشارہ کیا تو وہ کنزیٰ کا ہاتھ تھام کر اندرونی راہ داری کی جانب بڑھنے لگیں۔ موموبھی ساتھ ہی تھیں۔

”کہاں لے جارہی ہیں آپ مجھے؟“ اس نے مما سے سوال کیا۔

”تمہیں وصی کے کمرے تک رخصت کرنے۔“ موموں نے شرارت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

”لل.....لیکن.....“ وہ ٹھٹھک کر رکی سامنے ہی وصی کے کمرے کا دروازہ تھا۔

”میں جانتی تو نہیں تھی مگر مومنہ نے بتایا کہ میری بیٹی اور داماد دونوں ہی بہت روایتی سوچ کے ہیں، روایتی طریقے سے تمہاری رخصتی نہیں ہوئی تو تم دونوں نے نئی زندگی کی شروعات نہیں کیں۔ میں تمہیں اپنے گھر سے تو رخصت نہیں کرسکی پر تمہیں اپنے ہاتھوں سے وصی کے کمرے تک تو چھوڑ ہی سکتی ہوں۔“ رخسانہ رحمان نے کہا۔

”یہ دونوں تو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے، وہ تو کل آدھی رات کے وقت میں چادر لینے چھت پر گئی تو دیکھا کہ ٹھنڈ کے باوجود وصی چھت پر سورہا ہے۔ یہ دونوں تو یونہی نادانی کرتے رہیں گے۔“ موموں نے بھانڈا پھوڑا۔

”چلو شاباش اندر جاؤ، اللہ تمہیں وصی کے ساتھ سدا خوش رکھے۔“ رخسانہ رحمان نے اس کی پیشانی چومی اور دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل دیا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ باہر سے بند کردیا گیا۔ اب اس کی نظر کے سامنے ہی وصی کھڑا تھا چہرے پر بھرپور مسکراہٹ لیے۔ یہ مسکراہٹ بتارہی تھی کہ وہ اس سارے ڈرامے سے باخبر تھا۔ تب ہی اس کی راہ میں پھول بچھائے ہوئے تھے۔ وہ بھی مسکرادی یہ سوچ کر کہ یہ اسی طرح ہونا تھا۔

قسط نمبر 30

عشنا کوثر سردار

بے چین کو چاند رات بھائے کیسے
روتی ہوئی رات گنگنائے کیسے
کھد بد کھد بد جو پک رہی ہو چھاتی
آنکھوں میں نگوڑی نیند آئے کیسے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

وقار الحق فاطمہ بی بی کو جنت سے ملاقات کے بارے میں بتاتے ہیں تو وہ بہت شاکی نظروں سے ان کو دیکھتی ہیں اور وقار الحق کو ان کے بدگمان ہونے کا پتا چل جاتا ہے اور وہ اپنی بات کی وضاحت دینا چاہتے ہیں پر فاطمہ بی بی کچھ بھی سننے کو تیار نظر نہیں آتی ہیں۔ ادھر اکرام الحق جنت بی بی کو کے لیے شادی کا پیغام دیتے ہیں تو جنت بی بی تردد کا شکار ہوجاتی ہیں اور اکرام الحق کو کچھ جواب نہیں دے پاتیں۔ تاج بیگم کرم دین کے بارے میں جان کر ان کو بلواتی ہیں اور ان کو پھر سے ساری ذمہ داریاں سنبھالنے کا کہتی ہیں جسے کرم دین عاجزی کے ساتھ قبول کرکے تاج بیگم کے شکر گزار ہوتے ہیں اور تاج بیگم ان کو گھر کا ایک فرد ہونے کا احساس بھی دلاتی ہیں کہ کرم دین کی حیثیت ملازم کی نہیں ان کے بیٹے جیسی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ کرم دین کی بیٹی آیت کے بارے پوچھتی ہیں اور اس کی شادی محمد جہانگیر سے کرنے کا مشورہ بھی دیتی ہیں جس پر کرم دین محمد جہانگیر سے بات کرنے کا کہتے ہیں اور پھر وہ شادی کی بات جہانگیر سے کرتے ہیں جس کے جواب میں جہاگیر سوچنے کا وقت مانگتا ہے اور کچھ اپنے کام کی مصروفیت کا بھی بتاتا ہے پاکستان پہنچ کر جہانگیر کا کاروبار بہت اچھا چلنے لگتا ہے اور وہ کرم دین کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ وقار الحق کئی بار بار کوشش کرتے ہیں کہ ان کے اور فاطمہ بی بی کے تعلاقات ایک بار پھر سے بہتر ہوجائیں پر اللہ کی پتا نہیں کیا رضا ہے کہ جتنا ہی وہ پاس آنے کی کوشش کرتے اتنے ہی ان کے درمیان فاصلے کم ہونے کے بجائے بڑھ جاتے اور فاطمہ بی بی کی بدگمانی میں بھی اضافہ ہوجاتا تھا پھر وقار الحق کوئی حتمی فیصلہ کرنے کی ٹھان لیتے ہیں اور اس بات سے وہ فاطمہ بی بی کو بھی آگاہ کردیتے ہیں۔

اب اگلی قسط پڑھیں

نواب زادہ وقار الحق نے فاطمہ بی بی کو بغور دیکھا۔ وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت سے گزر رہی تھیں۔ وقار الحق نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں اپنے قریب کیا پر فاطمہ بی بی چونک کو حقیقت کی دنیا میں آئیں، جو انہوں نے سنا ہو سچ تھا یا ان کا وہم۔ انہوں نے پہلی بار وقار الحق کی آنکھوں میں دیکھا اور نامحسوس طریقہ سے چند قدم پیچھے ہوئیں، جو سنا تھا وہ ان کا وہم تھا اس میں کہیں یقین کا شبہ بھی

نہ تھا۔ وقار الحق کی آنکھوں میں کسی بھی بات کی تصدیق نہیں تھی پھر انہوں نے کہا اور مزید کیا کہنا چاہتے تھے اس سے اب فاطمہ بی بی کو کوئی غرض نہیں رہی تھی اس لیے وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئیں۔ وقار الحق ان کے اس انداز پر چونکے تھے۔

"کوئی آیا تھا کیا؟" اکرام الحق نے چائے کے سپ لیتے ہوئے پوچھا مگر جنت بی بی سر جھکائے خاموش رہیں۔ اکرام الحق چپ سادھ گئے۔ جنت بی بی چائے کے سپ لیتی رہیں۔ خاتون کباب بنا لائیں میز پر ان کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرائیں۔

"آپ کو شامی کباب پسند ہیں ناں ڈاکٹر صاحب؟ جنت نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں میں نے صرف تلنے کا کام کیا ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"ہماری بخت بھری کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے، پچھلی بار جب اس نے شامی کباب بنائے تھے تو میں بھوک سے زیادہ کھا کر بیمار پڑ گئی تھی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ قصور کھانے کا تھا زیادہ کھانے کا ضرور تھا۔" وہ ہنسی اور پلیٹ آگے کر دی۔ ڈاکٹر صاحب نے جنت بی بی کو ایک نگاہ دیکھا اور پلیٹ سے کباب اٹھا لیا۔

"بہت شکریہ خاتون، امید ہے اس بار ایسا نہیں ہوگا آپ آرام سے کھایئے ہاضمے کی دوا ہم بھجوا دیں گے۔" ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو خاتون مسکراتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ اکرام الحق کباب کھاتے ہوئے جنت بی بی کی سمت دیکھنے لگے۔

"کباب اچھے بنا لیتی ہیں آپ...... چلیے ایک بات تو پتا چل گئی کہ باورچی خانہ خوب سنبھال لیتی ہیں آپ، کسی باورچی پر انحصار نہیں کرنا پڑے گا ہمیں۔" وہ مسکرائے مگر جنت بی بی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور کیا کچھ اچھا پکا لیتی ہیں آپ؟"

"یہ باتیں اہم نہیں اکرام الحق۔" جنت بی بی نے ایک لمحے کے لیے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی پل

نگاہ پھیر گئی۔
"آج وقار الحق آئے تھے۔" جنت بی بی نے معصومیت سے کہا۔
"تعلقات کبھی کبھی الجھ جاتے ہیں جیسے کسی ریشم کی ڈور میں بہت سی گرہیں پڑ گئی ہوں اور رشتوں سے جڑی توقعات اور احساسات جیسے برف ہونے لگتے ہیں۔ جیسے کوئی وجہ نہ بچی ہو یا جیسے پہلے جیسی کوئی بات نہ رہی ہو، یہ تجل ایسی محسوسات اپنے ہمراہ لاتے ہیں یا پھر کوئی اور بات ہے؟" وہ عجیب الجھن بھرے لہجے میں بولیں۔ اکرام الحق نے گہری سانس بھر کر سر انکار میں ہلایا۔
"ہم جوان سے بدگمان رہے سامنے آئے تو دل یک دم خاموش ہوگیا۔ دھڑکنیں جوان کے نام سے بالکل پاگل تھیں ان کا کوئی شور ہی سنائی نہیں دیا اور ہم ورطہ حیرت میں ان کو دیکھے گئے۔ وہ ہم سے دور گئے یا ہم ان سے دوری پر نکل آئے سمجھ میں نہیں آیا...... ان کی آواز بھی سننے میں دقت ہوئی۔ وہ کافی دیر سامنے بیٹھے بات کرتے رہے مگر لفظ سنائی ہی نہیں دیے۔ شاید فاصلہ بہت زیادہ تھا صرف اسی دور میں گم ہوتے گئے وہ اٹھ کر چل دیے اور ہم ان کو جاتا دیکھتے رہے، ہم دونوں میں کوئی واسطہ ناپید تھا جیسے وہ کسی اور دنیا میں بھٹک کر آن ملے تھے اور پھر واپس اپنی دنیا میں لوٹ گئے اور ہم نے ان کو اپنی دنیا میں نہ خوش آمدید کہا نہ روکا ہم خود حیرت زدہ رہ گئے، ہم جو پاکستان آئے ہی ان کے لیے تھے کتنا بدل دیا وقت نے ہمیں۔" وہ حیرت سے بولیں۔ اکرام الحق نے سر ہلایا۔
"کبھی کبھی محبت ایسے راستے پر بھی لے آتی ہے جب کسی بات کا احساس نہیں رہتا۔ اسے محبت کا سرد پڑ جانا تصور کیا جاتا ہے۔" اکرام الحق نے کہا اور وہ عجیب تلخ انداز میں ہنس دیں۔
"ہم نہیں جانتے مگر ہم ایک عجیب جنوں میں مبتلا رہے ہیں، پاگل پن کی حد تک کا جنون، یہ جنون کیسے ہے؟" مگر اکرام الحق خاموش رہے تھے۔

"آپ آگے بڑھنے میں تامل کیوں برت رہے ہیں۔" آیت نے پوچھا، جہانگیر مسکرایا۔
"آپ کس بارے میں بات کر رہی ہیں؟"
"آپ جانتے ہیں۔" آیت نے جتایا۔
"محض قیاس آرائیاں ہو سکتی ہیں یہ...... آپ ہم سے واقف ہی کس قدر ہیں۔" اس نے جیسے جتایا۔ آیت نے کوئی وضاحت نہیں دی۔
"آیت زندگی میں ایسے سوال اٹھتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔" جہانگیر مدہم لہجے میں بولا۔ آیت خاموش رہی۔
"کیا آج چائے نہیں ملے گی؟"
"آپ کہیں جا رہے ہیں کیا؟"
"کسی نے مطلع کیا آپ کو؟"
"کسی نے نہیں...... مگر آپ کو سامان باندھتے دیکھا تھا۔" آیت نے مطلع کیا تو جہانگیر نے سر ہلایا۔
"ہمیں کام کے سلسلے میں کراچی جانا تھا دو تین دن میں واپس لوٹ آؤں گا۔ کرم دین چاچا کو مطلع کر دیا تھا۔" جہانگیر نے کہا۔
"کچھ اور بھی سامان میں باندھنا ہو تو بتا دیں۔"
"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" جہانگیر نے سرسری انداز میں کہا۔
"ٹھیک ہے تو ہم آپ کے لیے چائے بنا دیتے ہیں یوں تو چائے بھی کہیں نہ کہیں آپ کو مل ہی جائے گی ٹرین کے ڈبے میں نہ سہی تو کسی اسٹیشن پر اور اگر وہاں بھی نہیں تو...... شاید کراچی کے کسی ہوٹل میں، سنا ہے، بہت بڑا شہر ہے۔" آیت نے قیاس آرائی

کرتے ہوئے کسی قدر شکی نظروں سے اسے دیکھا، وہ جانے کیوں اس کے پرتجسس انداز پر مسکرایا۔
"آپ کو منظور نہیں کہ میں کراچی جاؤں۔"
"کیوں نہیں، ہمارے قائد کا شہر ہے، اسے کون دیکھنا نہیں چاہے گا، اتنا بڑا شہر اور اس پر دارالخلافہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے، مجھے وہاں کی ڈبل ڈیکر ٹرام دیکھنے کا بہت شوق ہے، سنا ہے، بہت بڑا بازار ہے وہاں۔" وہ روانی سے بولتی رہی، لہجے میں تجسس اور حیرت نمایاں تھی۔ جہانگیر ان کی آنکھوں کی پھیلتی سکڑتی پتلیوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔
"آپ کو اتنی ساری اہم معلومات کس نے فراہم کیں؟" جہانگیر نے دریافت کیا۔
"کون نہیں جانتا؟ سب کو علم ہے اب جا کر بذات خود نہ دیکھو تو، تو کیا خبر بھی نہ ہوگی کہ کون سا شہر کہاں ہے اور کیا کیا مقامات ہیں وہاں؟ اخبارات، رسائل کس لیے ہیں؟ دنیا بھر کی معلومات ملتی ہے۔" آیت کی بات پر جہانگیر نے سر ہلا دیا تھا۔

وقارالحق نے چائے کا کپ تھاما اور دانستہ چھت کا رخ کیا جہاں فاطمہ بی بی موجود تھیں۔ وہ ان کا سامنا کرنے سے آج کل گریز کر رہی تھیں۔ جہاں وہ جاتے وہ خاموشی سے جگہ چھوڑ دیتیں۔ وہ جانتے تھے وہ خفا تھیں مگر وہ بات چیت کا موقع بھی فراہم نہیں کر رہی تھیں کہ صلح کی یا مفاہمت کی کوئی صورت نکل پاتی۔ وقارالحق نے ان کے قریب آ کر کچھ کہے بنا چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔
"ہمیں ضرورت نہیں۔" انہوں نے تھامنے سے گریز کیا اور وہاں سے جانے کا ارادہ کیا۔
"فاطمہ ہمیں آپ سے بات کرنی ہے۔" وقارالحق نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔
"ہماری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ہم آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔" فاطمہ بی بی نے ان کی طرف دیکھے بنا کہا۔
"کیا ہوا آپ کو؟" وہ متفکر ہوئے مگر فاطمہ بی بی نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"آپ جواب نہیں دے رہیں فاطمہ، خفگی اپنی جگہ مگر جب ہم دریافت کر رہے ہیں تو رسماً آپ کو جواب تو دینا چاہیے۔" وقارالحق نے شکوہ کیا۔
"ہم ٹھیک ہیں۔" فاطمہ بی بی جانے کو پلٹیں۔
"فاطمہ یہ ٹھیک نہیں۔" وقارالحق نے پیچھے سے پکارا۔
"جانتے ہیں مگر ہمیں آرام کی ضرورت ہے، گستاخی کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔" وہ کہہ کر پلٹ گئیں، وقارالحق ان کے ہمراہ چل دیئے۔
"یہ اجنبیت کی کون سی قسم ہے، ہم معاملات سمجھ نہیں پا رہے۔"
"آپ تو غالباً معاملہ بندی کے اصولوں سے بھی واقف نہیں۔" فاطمہ بی بی نے گویا الزام دیا مگر وقارالحق نے سر ہلا دیا۔
"ہاں واقعی ایسا ہی ہے۔" انہوں نے بلاتامل گویا قبول کیا۔ فاطمہ بی بی اکتائے ہوئے انداز میں رک کر انہیں دیکھنے لگیں۔
"ہم نے کہا ہم آرام کرنے کی غرض سے جا رہے ہیں آپ ہمارے ہمراہ کیونکر تشریف لا رہے ہیں۔"
"کیا ہم آپ کے ہمراہ آنے کا کوئی حق نہیں رکھتے؟" اور یہ وہ سوال تھا جس کے جواب میں طویل خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ چپ چاپ زینہ اترنے لگی تو وقارالحق نے ان کی کلائی کو تھامنا چاہا مگر اچانک اقدام سے وہ اپنا توازن کھو گئیں اور گرنے کو تھیں کہ وقارالحق نے ان کو تھام لیا۔ فاطمہ بی بی سنبھل گئی اور اپنا ہاتھ چھڑاتی تیزی سے زینہ اتر گئی تھیں۔

فاطمہ بی بی کی آنکھ کھلی تو کمرے میں نیم تاریکی تھی اور وقار الحق دراز کھول کر کوئی دستاویزات اس میں رکھ رہے تھے۔ فاطمہ یک دم اٹھ بیٹھیں۔ وقار الحق پلٹ کر ان کو دیکھنے لگے پھر بنا کچھ کہے پلنگ کے کنارے پر ٹک کر جوتے اتارنے لگے۔

"آپ اس درجہ تاخیر سے گھر پہنچے ہیں؟"

"ہاں......ہم وکیل کے پاس رک گئے تھے۔"

"ایسا کیا ضروری کام تھا جو وکیل کے پاس رکنا پڑا؟ کاروباری معاملات ایسے بھی اہم نہیں کہ ان کو کل پر اٹھا کر نہ رکھا جا سکے۔" فاطمہ بی بی نے بالوں کو لپیٹتے ہوئے جوڑا بنایا اور پلنگ سے اترنے لگیں۔

"نہیں یہ کاروباری معاملات نہیں تھے کچھ ذاتی نوعیت کے کاغذات تیار کرانے تھے۔" وقار الحق نے جوتے اتار کر موزے اتارے۔

"ذاتی نوعیت کے کاغذات؟" فاطمہ چونکیں۔

"طلاق کے کاغذات۔" اور فاطمہ بی بی ششدر رہ گئیں۔ حیرت سے وقار الحق کی طرف دیکھا مگر ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ کیا یہ بات ایسی معمولی تھی کہ ان کا چہرہ اس طور بے تاثر رہتا۔

"طلاق کے کاغذات؟" فاطمہ بی ب نے حیرت سے زیر لب دہرایا مگر وقار الحق کچھ کہے بنا اٹھے اور ٹیبل سے جگ اٹھا کر اطمینان سے پانی گلاس میں انڈیلا اور غٹا غٹ سارا گلاس پی لیا۔ فاطمہ بی بی ان کی حرکات و سکنات کو حیرت سے دیکھتی رہی وہ پلٹے اور پلنگ کے دوسرے کنارے پر لیٹ گئے۔

"آپ کو بھوک نہیں؟"

"نہیں ہم نے کھانا باہر کھا لیا تھا۔"

"واہ......ہمیں لگا آپ ہمیشہ کی طرح کھانا گھر آ کر تناول فرمائیں گے۔" فاطمہ بی بی نے یاد دلایا وہ خاموش رہے اور تکیے کو درست کرنے لگے۔

"طلاق کے کاغذات کس لیے؟"

"طلاق کے لیے۔"

"ہم جانتے ہیں طلاق کے کاغذات طلاق کے لیے بنائے جاتے ہیں اتنے ناسمجھ نہیں ہیں ہم، آپ جانتے ہیں ہم کیا پوچھ رہے ہیں۔" انہوں نے کروٹ بدل لی۔

"ہمیں نیند آ رہی ہے تھک گئے ہیں ہم، بتی بجھا دیجیے۔" انہوں نے نرم لہجے میں درخواست کی اور ٹیبل لیمپ کی بتی بجھا دی، فاطمہ بی بی حیرت سے کھلی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❁......❁......❁

کوچہ یار میں دیوار کی طرح
بے سمت، بے چہرہ
بے آواز، سماعت سے عاری
ایسے میں تیرگی کی خواہش نہ کرتے
تو اور کیا کرتے؟
زبان بندی نہ کرتے
تو اور کیا کرتے

"وقت کیا واقعی سب بدل دیتا ہے، یا ہم بدل جاتے ہیں؟" جنت بی بی کی آواز ابھری۔

"جنت ہر شے کو بہر حال بدلنا ہے اور اگر وقت پر سب بدل جائے تو اچھا ہے۔" اکرام الحق نے کہا، جنت بی بی کچھ سوچتے ہوئے مسکرا دیں۔

"کیا واقعی؟" وہ جیسے کسی خاص نہج پر سوچتے ہوئے طنزاً مسکرائیں۔

"بالکل...... خیر اس بات کو چھوڑیں، ہم نے آپ سے شادی کی بات تھی۔ آپ نے اس حوالے سے کچھ سوچا۔" جنت بی بی خاموشی سے اکرام الحق کو دیکھنے لگیں پھر ہنستی چلی گئیں۔

"آپ کی ہنسی، بہت خوب صورت ہے مگر یہ نمی کیوں؟" اکرام الحق مدہم لہجے میں بولے۔ جنت بی بی نگاہ پھیر گئیں۔

"یہ نمی نہیں ہنسی کا ردعمل ہے، یہ بات شرمندگی دیتی ہے مگر ہنسنے سے اکثر ایسی نمی آنکھوں میں آ ٹھہرتی ہے۔" جنت بی بی نے کہا۔

"جنت عورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو معصومیت رکھی ہے وہ دلکش ترین ہے اور میں آپ کی ظاہری خوب صورتی سے کبھی متاثر نہیں ہوا مگر مجھے آپ کے باطنی حسن نے ہمیشہ گھیرے رکھا، جو پوشیدہ ہو وہ زیادہ کشش کا باعث ہوتا ہے اور یہی میرے ساتھ ہوا، آپ کے اندر کوئی خاص بات ہے جو تجسس پر اکساتی ہے اور کچھ جاننے پر مائل کرتی ہے۔" اکرام الحق نے کہا، وہ خاموشی سے گردن پھیر گئیں۔

"بہر حال میرا مقصد آپ کو غیر محفوظ محسوس کرنا نہیں تھا۔" اکرام الحق نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں، آپ نے غیر محفوظ بھی محسوس نہیں کرایا مگر ہم ایسی لڑکیوں میں شمار نہیں ہوتے جن کو اپنی تعریف سننے کا خبط ہو۔" وہ آہستگی سے مسکرائیں۔

"ہم کیا کریں اللہ نے مرد کے اندر سراہنے کی ایک خاصیت رکھی ہے اور اس پر اختیار رکھنا مشکل ہے، بہر حال ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی تعریفیں کم سے کم کریں اور حتیٰ الامکان اس سے گریز کریں۔" اکرام الحق مسکرائے تو جنت بی بی بھی مسکرا دیں۔

"باتوں سے کھیلنا آپ کو خوب آتا ہے۔" اور اکرام الحق نے شانے اچکا دیے۔

"کیا کریں مگر ایک بات ہے، ہم دل سے کھیلنے کے فن سے قطعاً واقف نہیں اس معاملے میں خاصے محتاط ہیں ہم۔" اکرام الحق مسکرائے اور جنت بی بی نے سر ہلا دیا۔ وہ کرسی سے اٹھنے کو تھیں جب انہوں نے فوراً اٹھ کر اپنی خدمات پیش کیں اور ہاتھ آگے بڑھایا۔ وہ کچھ تذبذب کا شکار ہوئیں، اکرام الحق جس طور ہاتھ آگے بڑھائے کھڑے رہے اس پر مجبوراً ان کو ہاتھ بڑھانا پڑا شاید وہ ہجوم سے پر جگہ پر ان کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہمیں ہاتھ تھام کر چلنے کی عادت نہیں ہے اکرام الحق۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے یاد دہانی کرائی۔

"جانتے ہیں آپ ایک مضبوط خاتون ہیں معذرت ہمارا مطلب دوشیزہ ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"مقصد آپ کو سہارا دینا نہیں فقط احترام دینا تھا۔" انہوں نے وضاحت دی، جنت بی بی چپ چاپ ان کے ہمراہ گاڑی کی طرف بڑھنے لگیں۔

"کوئی ہم قدم تھا...... ہمراہ تھا......" جنت بی بی اکرام الحق کے قدموں کو اپنے ہمراہ اٹھتے دیکھ رہی تھیں۔ انداز تسلی بخش تھا، احساس خوش کن تھا، کیا وہ بدل رہی تھیں۔

کیا کوئی انقلاب اندر ہی اندر سر اٹھا رہا تھا۔ کوئی تغیر رونما ہونے کو تھا۔ وہ حیرت سے سر اٹھا کر اکرام الحق کو دیکھنے لگیں جو مستعد سے آگے بڑھ کر ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول رہے تھے۔ جنت بی بی نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر سیٹ کی پشست سے سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لی تھیں۔

"تھک گئی ہیں کیا؟" اکرام الحق نے ان کی سمت نگاہ کرتے ہوئے دریافت کیا، جنت بی بی نے سر ہلا دیا تھا۔

طاق دل پر رکھے کئی شمس و قمر
گردش وقت کی پگھلتی ہوئی رفتار
کوئی ناشنیدہ راز
شرح رمز، نہ شرح وسبط
شرح آرزو کی کوئی
نہ خواب کو پیمانے دیے
گوشہ چشم سے ایماواشارت و کنائیت کیے
نہ ہی آمادہ ہوئے ترک محبت پر
محیط عشق ہوئے نہ ہی محیط بیکراں رہے

جہانگیر کراچی سے لوٹ آیا اور آتے ہی مصروف ہو گیا تھا پھر ایک شام اس نے کہا۔

"معذرت تمہارے لیے کراچی سے کوئی تحفہ نہ لا سکا، آج شام ہمراہ چلو اور اپنے لیے کچھ لے لو۔" جہانگیر کے کہنے پر وہ خاموش رہی۔

"سنا آپ نے۔" اس نے دوبارہ متوجہ کیا وہ کھانے میں چمچ ہلاتے ہوئے پلٹے بنا بولی۔

"یہاں کیا شے دستیاب نہیں، ایسا کیا ہے جو کراچی میں ملتا ہے اور لاہور میں نہیں؟ میں خود لے لوں گی آپ کے پوچھنے کے لیے شکریہ۔" آیت نے صاف انکار کر دیا۔ جہانگیر گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"شہروں کے موازنے کے علاوہ کچھ اور باقی ہے۔"

"ہاں بہت کچھ...... باری باری گنوانا ممکن نہیں۔" وہ سرسری انداز میں بولی۔ جہانگیر نے سر ہلا دیا۔

"جیسے آپ کو مناسب لگے۔" وہ پلٹنے لگا جب اچانک آیت نے روکا۔

"سنیے۔" اور وہ پلٹ کر منتظر نظروں سے دیکھنے لگا آیت نے تسلی سے آنچ کم کی اور ملازمہ کو ضروری ہدایت جاری کرتے ہوئے جہانگیر کی جانب پلٹی۔

"ہم تیار ہو کر آتے ہیں۔" اور جہانگیر اسے پاس سے گزرتے دیکھ کر اس کے بدلتے تیور دیکھ کر قدرے حیران رہ گیا۔

"لڑکیوں کے مزاج اس درجہ تیزی سے بدلتے ہیں۔" وہ سوچ کر رہ گیا تھا۔

وقار الحق کے دماغ میں کیا چل رہا تھا؟ وہ کیا کر رہے تھے فاطمہ بی بی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس انتہائی سوچ پر کیسے پہنچ گئے تھے کہ ان کا ساتھ رہنا ممکن نہیں اور آخری حل بس علیحدگی ہے کیا؟ وہ جنت بی بی سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ اپنی شادی شدہ زندگی کو داؤ پر لگا رہے تھے؟ یا پھر ان کو واقعی لگتا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے جب کوئی حتمی فیصلہ کر لیا جائے؟ شاید وہ دو کشتیوں کے سوار رہنا نہیں چاہتے تھے اور کسی ایک کنارے لگ جانا چاہتے تھے کسی ایک کا ہو کر اور اس ضمن میں انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا جنت بی بی کو چننے کا۔

"جنت...... جو ان کی پہلی محبت تھیں، کیا وہی آخری بھی تھیں؟ وہ اور ان کا وجود کہاں تھا۔" وہ الجھے ہوئے انداز میں خود کو ڈھونڈتی رہیں۔

"وقار کیا کرتے ہو میاں، فائلوں، دستاویزات، کاروبار میں ایسے الجھ کر رہ گئے کہ بیوی کے لیے تمہارے پاس وقت ہی نہ رہا۔" ہاجرہ اماں نے شاید یاددہانی کرائی تو چائے پیتے وقار الحق نے قدرے فاصلے پر پرندوں سے گفتگو کرتے فاطمہ بی بی کو دیکھا۔

"ہاجرہ اماں وقت نہیں مل پا رہا ہے میں بہت مصروف ہوں آج بھی فقط کچھ ضروری کاغذات لینے گھر آیا ہوں ابھی کچھ دیر میں ایک میٹنگ ہے۔" وقار الحق نے عجلت میں چائے کا گھونٹ بھرا۔

"آئے ہائے ایسے کیا گرم گرم چائے اندر انڈیل رہے ہو میاں آنتیں جل جائیں گی آرام سے پیو۔" ہاجرہ اماں نے ڈپٹا۔

"بزنس میٹنگ کو کسی اور وقت پر رکھو فی الحال بہو بیگم کو گھمانے باہر لے کر جاؤ دیکھو کیسی اتری ہوئی شکل ہے ان کی بے رنگ و نور ایسی ہوتی ہیں سہا گنیں۔ تاج بیگم مروتاً خاموش تھیں ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی اپنی پوتی کو اس طرح نظر انداز ہوتے دیکھ کر ہر شے اعتدال میں اچھی لگتی ہے بیٹا۔" ہاجرہ اماں نے ان کو نرمی سے سمجھایا۔

وقار الحق نے ایک نگاہ فاطمہ بی بی کی طرف دیکھا اور سر ہلا دیا۔

جہانگیر آیت کو تحفہ دلانے کے بعد کھانا کھانے کی غرض سے ایک ریستوران میں لایا جہاں اس کی نگاہ اچانک ایک مقام پر رک گئی اور پلٹ کر آنا ہی بھول گئی تھی آیت نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ میرون ساڑھی میں بہت سادگی کے باوجود تمام تر توجہ اپنی طرف کھینچتی وہاں کوئی اور نہیں فاطمہ ناظم الدین تھیں اگرچہ وہ تنہا نہیں تھیں وقار الحق بھی ان کے ہمراہ تھے مگر وہ اس کے باوجود کچھ اداس دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی اداسی کا باعث کیا بات رہی ہوگی آیت نے سوچا اور جہانگیر کی سمت دیکھا وہ نگاہ پھیر کر چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

"دونوں ہمراہ کتنے دلکش اور نمایاں لگتے ہیں ناں؟" آیت نے جانے کیوں جتانا ضروری خیال کیا۔ جہانگیر خاموش رہا۔

"انہوں نے بتایا تھا وقار الحق سے ملنے کو اور خود کے لیے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنے کو انہوں نے اپنے چہرے کو میخوں سے زخمی کیا تھا سو تمام دلکشی زائل ہو جائے اور وہ قابل توجہ نہ رہیں مگر اس کے باوجود بھی ان کا چہرہ کیسے تمام تر توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے ناں، ان کا حسن بلاشبہ بے انتہا یکتا اور متاثر کن ہے شاید اسی بات نے نواب زادہ وقار الحق کو ان سے محبت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ خود کو بہت خوش قسمت تصور کرتے ہوں گے یقیناً ایسی وفاداری اور محبت نایاب ہوتی ہے ناں؟" آیت جیسے دانستہ اس متعلق بول رہی تھی جہانگیر کچھ نہ بولا۔

"آپ اپنے لیے کچھ آرڈر کریں گی؟" شاید اسے آیت کی باتیں کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔ وقار الحق نے ان کے جھکے سر کو دیکھ رہے تھے وہ نرمی سے کچھ بول رہی تھیں۔ وقار الحق نے ہاتھ بڑھا کر ان کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔ جہانگیر نے ایک لمحے میں نگاہ کو موڑا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا، جیب سے والٹ نکالا پلیٹ میں چائے کا بل رکھا اور آیت کا ہاتھ تھام کر اس ریستوران سے باہر آ گیا آیت اس کے انداز دیکھ کر رہ گئی۔

"معذرت چاہتی ہوں۔" گاڑی میں بیٹھ کر آیت آہستگی سے بولی۔ جہانگیر کچھ نہ بولا اور آہستگی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

کمبخت عشق کو یونہی بے سبب کیا سوجھی؟
خواب دکھلا گیا شب بھر جگا گیا
نگوڑا دل بھی تذبذب میں گھر گیا چپ چاپ
امتحان محبت میں کیسا موڑ آ گیا

باتیں فرد کی سن لوں یا درگزر کردوں؟
افسوں گری کے شہر میں کھڑا ہوں ششدر
متذبذب، متردد، پراگندہ، تتر بتر، متفکر
زمانہ حال میں رہ لوں یا کوچ کر جاؤں
رکھ لوں باندھ کر زمانے یا چھوڑ دوں آزاد؟
چار آئینہ بھی دنگ ہے کیسی لگا ہے یہ؟
کوئی سرگشتہ محبت ہے یا اور ہے کچھ؟
مبہوت ہوں
حواس باختہ...... بھونچکا
سراسیمہ
رہوں مخبوط الحواس؟
یا کوچ کر جاؤں؟
رکھ لوں باندھ کر زمانے کہ چھوڑ دوں آزاد؟
چار آئینہ بھی دنگ ہے کیسی لاگ ہے یہ؟
مبہوت ہوں
سراسیمہ
کوئی سرگشتہ محبت ہے یا اور ہے کچھ؟
رکھ لوں باندھ کر زمانے یا چھوڑ دوں آزاد؟
رہوں مضبوط الحواس؟
یا کوچ کر جاؤں؟
حواس باختہ
مبہوت ہوں

کئی زمانے تھے آنکھوں میں مگر چہرہ ایک تھا اور جہانگیر اس گرفت سے نکلنے کو جیسے بھاگتا رہا تھا آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف بس ایک چہرہ تھا اور جہانگیر کسی ایک طرف بھی نگاہ کرنا چاہتا تھا سرپٹ تیز اور تیز اس کے قدم اٹھتے گئے تھے۔

یار تیغ بکف
تیغ کشیدہ کف
ہم کشتگان عشق
سینہ چاک و دل پژمردہ
حسرت ہجراں قفس
عشق کے خیال
مضطرب حال ہا آشفتہ و حیراں
ہم کہ کیف عشق میں مبتلا

ہم کہ کیف عشق میں مہجور
دست تاسف ملتے بہ یک دگر
آرام رساں جاں رنجور
تیرے عشق میں چور، مسرور
چاند کے تمنائی
یار تیغ بکف
تیغ کشیدہ کف
نصف شب کے جاگے ہوئے
رشتہ دل میں گرہ لگائے
باز آمدہ، غیر مشروح، غیر مباح، ممنوع
تیرے چارہ ساز، تیرے رفوگر
کیف عشق میں مہجور
چاند کے تمنائی
جہانگیر نے تھک کر گھاس پر گھٹنے ٹیکے اور گہری گہری سانسیں خارج کرنے لگا۔
تکرار و حجت، ، جھگڑا محبت
انحراف مسلسل، تکرار مسلسل
تذبذب ہے درپیش، اضطراب مسلسل
خرخشہ ہیں کچھ، اغیار ہیں مخالف
انکار نہیں اچنبھا، اقرار ہے تعجب
نگاہ یک دم اٹھی اور ہالے میں مقیم چاند پر ٹک گئی تھی۔
وہ جو محبت ہے متواتر ہے
مستقل ہے مسلسل ہے
اس پیار کو میں کیا کہوں؟
اس محبت کو میں کیا نام دوں؟
محبت بے سبب
محبت بے وجہ
محبت خوامخواہ
عجب بے وجہ
تیغ کشیدہ کف
نصف شب کے جاگے ہوئے
رشتہ دل میں گرہ لگائے
تیرے چارہ ساز، تیرے رفوگر

بازآمدہ، غیر مشروع، غیر مباح، ممنوع
کیف عشق میں مجبور
چاند کے تمنائی
"تھک گئے ہو میاں؟" جہانگیر فاطمہ بی بی کو دیکھنے کے بعد تنہائی میں آ بیٹھا تھا جب ہی کرم دین چاچا اس کے پاس چلے آئے، وہ کچھ نہیں بولا خاموشی سے ان کو دیکھنے لگا۔
"راستہ کوئی بھی ہو، یقین اگر منزل پر پہنچنے کا ہے تو تم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گے، تم خود کو پہچان گئے ہو تو باقی کا سفر ایسا مشکل بھی نہیں۔" کرم دین چاچا نے کہا۔
"اگر تمہارا دل مطمئن ہے تو تم غلط نہیں ہو اور تمہارے قدم اپنی راہ متعین کر چکے ہیں اور اگر تم مسلسل انہی باتوں میں مگن ہو تو سکون کو خود در حقیقت کرتے جا رہے ہو جو ہو جیسے ہو جتنا لگے مگر دل کا سکون مول لو کچھ زیادہ بھی چلا جائے تو ہاتھ سے جانے دو کیونکہ جو تمہارا نہیں وہ تمہارے حق میں بہتر نہیں اور جو تمہارے حق میں بہتر ہے وہی در حقیقت تمہارا ہے۔ ہر شے کا حصول اور ہر بات کا اختیار تمہاری خوشی نہیں بن سکتا کیونکہ ایسا ہو گا نہیں اور تم ناممکنات کو ممکن کرنے کے جتن میں سکون کھوتے رہو گے سو دل کا سکون مول لینا ہو تو دام مت دیکھو، یہ مت سوچو کہ کتنا خرچ ہو رہا ہے کتنا گنوایا پایا ہاتھ کیا آئے گا ہر شے ممکن ہو بھی جائے تو اپنی ترجیحات کو پہچانو تمہارا رب تمہیں وہ نوازتا ہے جس کے حق دار تم ہوتے ہو اور کبھی کبھی اس سے بھی کہیں زیادہ نواز دیتا ہے نوازتا جاتا ہے سو اپنے لیے خود پیمائش مت کرو، اس ذات پاک کا پیمانہ الگ ہے اور تمہاری طلب کا پیمانہ الگ تمہاری طلب غرض رکھتی ہے اور وہ ذات پاک بنا کسی تفریق کے نوازتا ہے اس بات کا فیصلہ اپنے رب پر چھوڑ دو کہ کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری یا کیا ملنا چاہیے یا کیا نہیں ملا۔ اس اللہ کی ذات پر ایمان رکھو، یقین رکھو وہ تمہیں بہترین سے نوازے گا جو تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ اپنے رب کی رضا میں رضی ہونا تمہاری اصل خوشی ہے میاں کیا ڈھونڈتے ہو کس بات کی تمنا رکھتے ہو کس شے کی حاجت ہے تمہیں یہ وہ بہتر جانتا ہے اپنی فکروں کو پانے کا ندھے پر لادنے کی بجائے اسے اپنی فکروں کو سونپ دو گے تو کبھی کسی بات کا ملال ستانے نہیں آئے گا۔" کرم دین چاچا بولے۔
نہ کر بندیا میری میری
نہ تیری نہ میری
چار دناں دا میلہ دنیا
فیر مٹی دی ڈھیری
کہاں خود کو پہچاننے میں اپنی خواہشوں کو پہچاننے میں وہ خود سے ہارا تھا؟ اس ذات پاک نے اس کی رہنمائی احسن طریقے سے کی تھی۔ وہ پرسکون ہو گیا تھا۔

❁ ❁
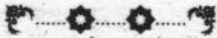
جنت بی بی نے گاڑی روکی اور چونکتے ہوئے وقار الحق کے آفس کو دیکھا وہ اس لمحے نادانستہ طور پر وقار الحق کے آفس کے سامنے کھڑی تھی وہ خود اپنے آپ پر حیران ہوئی تھی مگر پھر جانے کیوں گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ وقار الحق انہیں سامنے دیکھ کر حیران ہوئے۔
"آپ......؟" جنت بی بی نے جواباً کچھ نہ کہا اور وقار الحق اپنی سیٹ سے اٹھ کر ان کی طرف آئے انہیں صوفہ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ گلاس ڈور کو بند کیا اور میز کی طرف آ کر فون اٹھا کر چائے کا کہا۔
"نہیں اس کی ضرورت نہیں، ہم زیادہ وقت کے لیے نہیں آئے۔" جنت بی بی نے آہستگی سے کہا وقار الحق نے کوئی جواب نہ دیا

اوران کے پاس آن بیٹھے۔

''ہم نہیں جانتے ہم اس مقام تک کیسے آئے شاید ہم بے دھیانی میں تھے اور گاڑی جب رکی تو خود بھی چونک پڑے۔'' جنت بی بی نے وضاحت دی۔

''کوئی بات نہیں ایسا ہونا کوئی عجیب نہیں آپ پرسکون ہوجایئے۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ہم پرسکون ہیں، طبیعت بھی ٹھیک ہے۔'' وہ خود کو معمول کے مطابق ظاہر کرنے کو مسکرائیں۔

''آج کل ہم جو بھی کررہے ہیں، بنا سوچے سمجھے کررہے ہیں پاکستان آنے کے بعد کے تمام اقدامات بنا کسی خاص پلاننگ کے ہورہے ہیں۔ کہیں ہم اس طرح کسی دن اوپر ہی نہ چلے جائیں۔'' وہ ہنسی وقارالحق نے لب سکوڑے۔

''ایسے مت کہیے ہم آپ کے لیے فکر رکھتے ہیں، اللہ آپ کو صحت مندی والی طویل زندگی دے۔'' اور وہ ہنس دی۔

''ایسی بددعائیں نہ دیجیے اتنا جی کر کیا کریں گے۔'' وہ مسکرائیں۔ وقارالحق خاموش رہے۔

''کہیں آپ اپنی دشمنی تو نہیں نکال رہے۔ درپردہ جینے کی دعا دے کر۔'' وہ مسکرائیں تو وقارالحق بھی مسکرادیے۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ایسے پرانے مراسم ہیں اور آپ ہماری نیت پر شک کررہی ہیں۔'' وقارالحق نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''خیر ستایا تو آپ کو اس قدر ہے کہ آپ چاہتے تو ہمیں سولی پر چڑھانے کا فرمان بھی جاری کردیتے تو کم نہ ہوتا۔'' وہ ہنسی۔

''آپ کو مسکراتے دیکھ کر اچھا لگ رہا ہے جنت، مسکراتی رہیے مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہیں آپ۔'' وقارالحق نے کہا تو جنت بی بی نے سر ہلایا۔

''ہم نے وقت اور زندگی سے بہت سیکھا ہے وقارالحق، وقت کی بھٹی میں پک پک کر کئی اہم باتیں سیکھ گئے ہیں ہم، تنہا زندگی جیتے ہوئے ہم نے کئی باتوں کا ادراک کیا، شاید ہم کسی قدر مثبت سوچ و فکر اختیار کرنے لگے ہیں۔ کیا واقعی بدل گئے ہیں ہم؟'' جنت بی بی نے گداز لبوں پر مسکراہٹ سجا کر پوچھا تو وقارالحق ان کی طرف سے نگاہ ہٹاتے ہوئے مسکرائے۔

''حسن مثبت رہے تو اور دلکش ہوجاتا ہے اب پتا چلا یہ جو دلکشی دوچند ہوتی دکھائی دیتی ہے کس باعث ہے؟'' وقارالحق نے کہا تو وہ بغور دیکھنے لگیں پھر آہستگی سے مسکرادیں۔

''شاید محبت انسان کو کمال کا وصف عطا کرتی ہے، ایسی طاقت جو نفرت یا کوئی احساس عطا نہیں کرتا۔ بہت سے تجربات میں ایک تجربہ یہ بھی رہا۔'' جنت بی بی نے آہستگی سے کہا۔ وقارالحق جواباً کچھ نہ کہہ سکے۔ قدرے توقف سے بولے۔

''ہم آپ کی کیفیات سمجھتے ہیں۔''

''نہیں شاید آپ ایسا وصف نہیں رکھتے۔ جو کوئی اور جھیلتا ہے اسے کوئی دوسرا سمجھنے سے قاصر ہے شاید ان تجربات سے کوئی سیکھ ضرور پکڑ سکے مگر ان کیفیات کا نچوڑ کسی اور کی سمجھ میں آنا ممکن نہیں۔'' جنت بی بی نے مدہم لہجے میں جتایا۔ وقارالحق نے خاموشی اختیار رکھنا ضروری خیال کیا۔

''نواب زادہ وقارالحق، ہم جس راہ پر چلتے رہے ہیں ہم نہیں چاہتے کسی اور کا گزر اس راہ سے ہو، ہم نے زندگی کو نئے زاویے سے دیکھنے کا ہنر سیکھا ہے اور یہ بات ہمیں خود بھی اچھی لگی، یہ تبدیلی ہم میں آنا ضروری تھی ہم جو اپنی خو میں چل رہے تھے وہ سفر کہیں رکنا ضروری تھا اگر نہ رکتا تو تباہی ہمارا مقدر بنتی، یہ تو نہیں کہتے کہ ہم وقت کی بھٹی میں جل کر پارسا ہوگئے یا ہماری کوتاہیوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا، اس بات کے متعلق ہم کوئی ادراک نہیں رکھتے مگر اب وہ وقت ہے کہ ہم خود سے آئینے میں نگاہ ملاتے ہوئے جھجکتے ہیں، اب خود کا سامنا کرنا آسان لگتا ہے۔ ہم خود کا سامنا بھی کرنے کے قابل نہ ہوتے اگر ہم خود اپنے ساتھ اس درجہ وقت نہ گزارتے۔'' جنت بی بی نے متوازن لہجے میں کہا وہ جیسے وہی مفاہمت کرنا سیکھ گئی تھیں۔

''ہم نے پیپر تیار کرانے کا کہہ دیا ہے ہمارے نزدیک اس سے زیادہ بہترین فیصلہ کوئی نہیں ہوگا۔ ہم تین لوگوں نے وقت کے

ہاتھوں جو بھی تکلیف اٹھائی ہے اس کا سدباب ممکن نہیں مگر ہم ایک فیصلے کو درست کرنے کی کوشش کررہے ہیں جو کہ ہم سب کے حق میں بہتر ہے۔ اس فیصلے کا ہو جانا ضروری تھا مگر ہم اس ضمن میں کوئی عملی اقدام کرنے میں ناکام رہے مگر کسی ایک مقام پر آ کر فیصلے پہلے سے زیادہ آسان لگتے ہیں۔'' وقارالحق نے کہا تو جنت بی بی نے سر ہلایا۔

''ہم متفق ہیں، ایک وقت جو انتہا سے زیادہ مشکل یا ناممکن لگتا ہے اگلے لمحے میں وہ آسان بنتا جاتا ہے۔ بہر حال کیا فاطمہ اس فیصلے سے آگاہ ہے؟'' جنت بی بی نے دریافت کیا۔

''جنت زندگی کے بہت سے اہم فیصلے ہم اپنی خوشی سے نہیں کرتے نا وہ فیصلے اپنی خوشی کے لیے ہوتے ہیں۔ فاطمہ کو اگرچہ تمام تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا مگر امید ہے وہ بھی اس فیصلے سے متفق ہوں گی۔''

''آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے، اس درجہ گریز کیوں کررہے ہیں آپ؟ اس فیصلے سے فاطمہ کی زندگی بھی اسی قدر جڑی ہے آپ کو ان کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہیے، ان کے لیے بھی اس سچ کو اتنا ہی جاننا ضروری ہے جتنا کہ میرے اور آپ کے لیے اگر آپ ان کو آگاہ نہیں کرتے یا پوشیدہ رکھتے ہیں تو آپ ناانصافی کے مرتکب ہورہے ہیں۔'' جنت بی بی نے کہا، وقارالحق نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر آہستگی سے جنت بی بی کا ہاتھ تھام لیا۔ جنت بی بی نے چونک کر انہیں دیکھا مگر وقارالحق خاموشی سے ان کی جانب دیکھتے رہے۔

''آپ پریشان ہوگئے ہیں۔'' جنت بی بی نے پوچھا۔

''کیا آپ کو لگتا ہے یہ فیصلہ کسی ایک کی زندگی کو اس درجہ متاثر کرے گا؟'' جنت بی بی نے دریافت کیا، وقارالحق نے سر ہلایا اور مدہم لہجے میں کہا۔

''یہ اندیشہ بھی اپنی جگہ موجود ہے، اس رشتے میں ایک مثلث کی صورت جہاں جڑے رہنا تکلیف دہ تھا اب اس رشتے کی مثلث کو توڑنا بھی کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ اس لیے نہیں کہ ہم اس مثلث کے عادی ہوچکے تھے بلکہ کہیں نہ کہیں کسی ایک رشتے کو دوسرے سے گہری وابستگی ضرور تھی ایک راہ سے یک دم ہٹنا اور نئی راہ اختیار کرنا دقیق کام ہے ہم سمجھ سکتے ہیں مگر تینوں کو اس بات کا ادراک ہونا ضروری ہے۔'' وقارالحق نے مدہم لہجے میں سمجھایا۔ جنت بی بی انہیں دیکھ کررہ گئیں۔

کیسا خوش کن احساس تھا کہ ان کا نازک ہاتھ وقارالحق کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔ زندگی کس درجہ مہربان لگ رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ زندگی کا حاصل لگا تو وہ مسکرا دی تھیں۔

جہانگیر، کرم دین چاچا کے برابر بیٹھ گئے تھے۔ چند رسمی باتیں ہوئیں کرم دین چاچا نے کاروبار کے متعلق پوچھا کراچی کے دورے کے متعلق دریافت کیا اور بالآخر خاموشی چھا گئی۔

''کرم دین چاچا آپ نے کچھ دریافت کیا تھا اور ہم نے آپ سے وقت چاہا تھا۔'' کرم دین چاچا چونکے۔

''ہاں یاد آیا، ہم نے ایک خاص بابت بات کی تھی۔''

''معذرت چاہتا ہوں چچا جان اس درجہ وقت لیا، دراصل کاروباری مصروفیات اس درجہ ہیں۔'' جہانگیر نے بات بنائی، کرم دین چاچا مسکرا دیے۔

''کوئی بات نہیں بیٹا ہم سمجھتے ہیں وقت لگ جاتا ہے بعض اوقات فیصلے لینا اس قدر آسان نہیں ہوتا اور خاص طور پر جب فیصلے زندگی کے ہوں یا زندگی سے جڑے ہوں۔'' کرم دین چاچا نے مروت سے کہا۔ جہانگیر نے سر ہلا دیا اور خاموشی سے سر جھکا دیا۔ کرم دین چاچا اس کے بولنے کے منتظر رہے۔

''کرم دین چاچا...... ہم کہنا چاہتے تھے کہ......'' جہانگیر کو بولنا جیسے بے حد محال لگا، زبان جیسے ساتھ دینے سے انکاری تھی مگر وہ اس

دقیق لمحے سے باہر آنا چاہتا تھا۔ جہاں وہ کچھ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان معلق تھا۔ زندگی بہرطور اس طور بسر نہیں ہوسکتی تھی۔ اسے کنارے پر آنا ضرور تھا اور اس کا اظہار کرنا ضروری تھا۔

''پاچا ہم اس بات کے لیے آمادہ ہیں، ہم اس رشتے کو قبول کرتے ہیں مگر......'' کرم دین چاچا جو اطمینان سے مسکرائے تھے یک دم چونکے۔

''مگر کیا بیٹا، کوئی شرط تو نہیں؟'' وہ کھل کر مسکرائے۔

''نہیں چاچا جان، ایسی کوئی بات نہیں ہماری کیا حیثیت کہ شرائط رکھیں، آپ نے اس قابل سمجھا، اپنا بیٹا بنانا چاہا، یہ ایک بڑی بات ہے، ہم کسی طرح کی شرائط کے عادی نہیں۔ ہمیں شرمندہ مت کیجیے۔'' جہانگیر نے کہا۔

''ارے نہیں، ہمارا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا، ہم از راہ مذاق کہہ رہے تھے بہرحال خوشی ہے آپ آمادہ ہیں اب جلدی سے وہ بات بھی کہہ دیجیے جو آپ کو کہنا ہے۔'' کرم دین چاچا نے کہا۔

''دراصل ہم فکرمند تھے اگر ہم آپ کی امیدوں پر پورا نہ اتر سکے اور کوئی کوتاہی ہوگئی تو آپ ہم پر بہت اعتبار کررہے ہیں، بہت بڑی ذمہ داری سونپ رہے ہیں، اپنی بیٹی کا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔ ہم قبل از وقت معافی کے طلب گار ہیں اگر ہم سے کوئی کوتاہی ہوجائے، ہم اپنی طرف سے ہرممکن کوشش کریں گے کہ ہم اپنے تمام فرائض پورا کریں اور تمام حقوق کی ادائیگی ایمان داری سے کریں، ایک رشتہ جس درجہ اعتبار کا متقاضی ہوتا ہے وہ ہمارے رشتے میں موجود ہوگا، ہم آپ کی بیٹی کو کبھی کوئی زک نہیں پہنچائیں گے۔'' جہانگیر نے کہا ان کی نگاہ دہلیز کے اس پار گئی جہاں نیلا آنچل لہراتا دکھائی دیا تھا۔ گویا آیت نے اس خبر کو سن لیا تھا۔

''میاں تم پر بھروسا نہ ہوتا تو اس درجہ بڑی بات کیونکر کہتے؟ ہم زمانہ شناس ہیں، کھرے کھوٹے کی خوب پہچان ہیں ہمیں، ہم نے تمہیں ہمیشہ بیٹا کہا اور سمجھا ہے۔ تم پر اعتبار نہ ہوتا تو ہم اس رشتے کی بابت نہ پوچھتے، ہم اپنے بچوں کو بہترین شے سونپنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے طور پر ایک فیصلہ لیا اور ہمیں اس کے متعلق یقین ہے کہ یہ بہترین ہے۔ تم ایک بہترین انتخاب ثابت ہوں گے۔'' کرم دین چاچا نے کہا تو جہانگیر نے سر ہلایا۔

''ہم کوئی مناسب تاریخ دیکھ کر آگے کی راہ متعین کرتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ تم نے اس ذمہ داری کو لیا، اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔'' جہانگیر نے مروتاً سر ہلایا۔

محبت واجب

محبت لازم

قہراً جبراً

ستمر و ملحق

مربوط بہم، لامحالہ

متواتر و مسلسل

پے در پے، کرر سہ کرر

یکے بعد دیگرے، درجہ بدرجہ

علی الترتیب، باقاعدہ، باضابطہ

بتدریج، قطع بند، منسلکہ و مبہم

ازل تا ابد

محبت نے سبب

محبت بے وجہ

محبت خوامخواہ

تاج بیگم کی کسی پرانی دوست نے دعوت پر مدعو کیا تھا ان کی طبیعت ناساز تھی سو انہوں نے وقار الحق کو اور فاطمہ بی بی کو جانے کا کہا۔ ہاجرہ اماں نے بطور خاص فاطمہ بی بی کے لیے جامنی بھاری کام والی ساڑھی منتخب کی تھی، فاطمہ بی بی کو یہ مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

''آئے ہائے خیر سے سہاگن ہو، اللہ جوڑی سلامت رکھے ایسی بھڑ کیلے بھی نہیں اب یہ کپڑے، تاج بیگم کی سہیلی کیا سوچیں گی نواب خاندان کی بہو اور ایسے منہ جھاڑ اٹھا کر بھیج دیا۔'' ہاجرہ اماں نے ان کے لیے ایک قیمتی ہیرے جڑے سیٹ کو نکال کر سامنے رکھا، فاطمہ بی بی کو ناچار تیار ہونا پڑا ساڑھی زیب تن کر کے جب باہر نکلیں تو وقار الحق کی آنکھوں نے بطور خاص نوٹس لیا۔

''ہاجرہ اماں نے ایسے تیار کرا دیا جیسے نئی نویلی دلہن ہیں ہم۔'' وہ ان کی نظروں کے جواب میں شرمندہ ہو کر بولیں اور سیٹ پہن کے لیے آئینے کے سامنے رکیں۔

وقار الحق بنا کچھ کہے بالوں کو کنگھا کر کے ان کی پشت پر آن رکے اور ان کے ہاتھ سے ہار لے لیا۔ فاطمہ بی بی قدرے حیران ہوئیں مگر وہ چونکے بنا یا کوئی مزید تاثر دیے بنا ہار ان کی گردن میں پہنانے لگے۔ فاطمہ بی بی نے آئینے میں اپنا اور ان کے عکس کو ایک ساتھ دیکھا۔ فاطمہ بی بی نے آئینے میں ان کے چہرے کو جانچتی نظروں سے دیکھا۔ کئی سوال تھے ذہن میں مگر ان کا جواب فاطمہ بی بی کے پاس نہیں تھا اور وقار الحق کا چہرہ کسی تاثر سے عاری تھا۔ کیسے برف سے سرد ہو گئے تھے، رویے سب منجمد لگ رہا تھا۔ رشتہ اپنا احساس کیسے کھوتا ہے، کیسے ایک پل میں سب پرایا لگتا ہے وقار الحق اگرچہ پاس اور قریب تھے مگر فاطمہ بی بی کو قطعاً نہیں لگ رہا تھا کہ وہ کوئی اپنے ہیں، خاموشی طویل تھی اور بے معنی ان دونوں کے درمیان مزید فاصلے بڑھاتی خاموشی کوئی احساس نہیں رکھتی تھی۔

''اچھی لگ رہی ہیں آپ۔'' وقار الحق نے ان کو ہار پہنا کر آئینے میں ان کے عکس کو دیکھا، فاطمہ بی بی خاموش رہی، ان کے عکس سے نگاہ ہٹا گئی۔

''ایک شے کی کمی ہے۔'' وقار الحق نے کہا تو انہوں نے چونک کر دیکھا۔ آنکھوں میں سوالیہ انداز صاف دکھائی دیا تب ہی وہ بولے۔

''ایک مسکراہٹ اس چہرے کی خوب صورتی کو بڑھا سکتی ہے، آزما کر دیکھیے۔'' وہ آہستگی سے بولے اور اپنی ٹائی کی ناٹ درست کرنے لگے۔ فاطمہ بی بی نے پلٹ کر ان کو دیکھا۔

''تیاری مکمل ہو گئی ہے تو چلیں؟'' وقار الحق نے اجازت چاہی۔

''آپ کو تنہا رہنے کی عادت ہے؟'' فاطمہ بی بی نے یک دم پوچھا۔

''کیوں؟'' وقار الحق چونکے۔

''نہیں ایسے ہی پوچھا۔''

''کچھ سوچ کر ذہن میں آیا ہو گا ناں؟'' وقار الحق نے ڈرائیو کرتے ہوئے کریدا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں، کچھ خاص پہلو نہیں نکلتا، یونہی ذہن میں اچانک ایک سوال آیا۔'' فاطمہ بی بی نے ان کی طرف دیکھے بنا کہا۔ وقار الحق خاموش ہو گئے مگر قدرے توقف سے بولے۔

''فاطمہ آپ ایک سلجھی ہوئی دوشیزہ اور سمجھدار خاتون بھی ہیں، ہم آپ کی ذہانت اور سمجھداری کے قائل ہیں۔'' وہ جیسے تمہید

باندھنے لگے۔ فاطمہ بی بی ساکت رہ گئیں۔

محبت کس طرح پر سمیٹ رہی تھی، کس طرح سمت بدل رہی تھی، محبت کو کس نے سبق پڑھایا تھا، کس نے سکھایا تھا کہ اس راہ پر نہیں چلنا اور راستہ بدل لینا ہے۔ محبت سیانی ہوگئی تھی اچانک یا چالاک؟ محبت کو نفع نقصان کی خبر کیسے ہوگئی تھی؟ محبت کی نگاہ پرکھنے کا فن کیسے بھول گئی تھی؟ محبت کے تقاضے بدل گئے تھے یا نگاہ؟ فاطمہ بی بی الجھنے لگیں ان کے ذہن میں کئی سوال تھے مگر وہ ایک لفظ نہیں بول پائیں۔

''آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں؟'' وقار الحق نے پوچھا۔

''نہیں، ہمارے ذہن میں کوئی سوال نہیں اس وقت۔'' فاطمہ بی بی نے بات کرنے سے پہلو بچایا۔

''کیا واقعی ایسا ہے؟''

''شاید......''

''آپ کے ذہن میں کوئی خاص بات کہنا ہے تو آپ کہہ سکتی ہیں۔''

''کہنے سے کیا ہوگا نواب زادہ وقار الحق؟ کہنے کی باتیں اگر فقط کہی جاسکتیں تو تمام سننے والی سماعت پرسکون ہوجائیں۔'' وقار الحق ان کے بولنے پر مسکرائے۔

''خاصی مشکل اصلاحات استعمال کرنے لگیں ہیں آپ۔''

''زندگی ان لفاظی سے کہیں زیادہ دقیق ہے نواب زادہ صاحب۔'' وقار الحق ان کے تخاطب پر پریشان ہوئے۔

''خیریت ہے آپ ہمیں اس درجہ اجنبی تخاطب سے بلانے لگیں؟'' وہ مسکرائے، فاطمہ بی بی نے کوئی بحث نہ کی۔

آیت خوش تو تھی مگر جہانگیر کے اس فیصلے پر کسی قدر حیران بھی، وہ اگر جانتی نہ ہوتی تو شاید اس فیصلے پر کوئی ردعمل نہ دیتی مگر اب جب کہ وہ جانتی تھی تو اس کے لیے آسان نہ تھا کہ اس فیصلے پر کوئی ردعمل نہ دیتی، وہ کہیں جاتا ہوا دکھائی دیا جب آیت اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''کچھ پریشان ہیں آپ؟'' جہانگیر نے پوچھا۔ آیت فوری طور پر کچھ بول نہیں پائی۔ اس کے چہرے کی الجھن دیکھ کر جہانگیر نے اس کا ہاتھ تھاما اور گارڈن میں آن بیٹھا۔

''اب بتائیے کیا مشکل ہے؟''

''نہیں کوئی مشکل نہیں......مگر......''

''مگر کیا؟'' جہانگیر نے آیت کے چہرے کو پڑھنا چاہا مگر وہ نگاہ پھیر گئی۔

''آیت یہ تو الجھن ہوتی ہے اگر اسے کہا نہ جائے تو یہ بڑھتی جاتی ہے۔ آپ کو کچھ کہنا ہے تو کہہ دیں۔ کچھ پوچھنا ہو تو آپ پوچھ سکتی ہیں۔ ہم آپ کی بات سنیں گے بنا کوئی ردعمل دیے کچھ بھی ہونے سے پہلے ہم آپ کے دوست ہیں اور دوست کبھی بھی کسی بات کے لیے کوئی الزام نہیں دیتے۔'' جہانگیر نے نرم اور دھیما لہجے میں سمجھایا۔

''جانتی ہوں، مجھے یہ بات نہیں ہضم ہو رہی کہ آپ نے کس طور یہ فیصلہ لیا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔ بنا کوئی تمہید باندھے۔

''کیا مطلب؟'' جہانگیر سمجھنے سے قاصر رہا۔ آیت نے گہری سانس خارج کی اور پرسکون انداز میں بولی۔

''جہانگیر محبت کی سمت بدل سکتی ہے؟''

''آپ کو یہ کیوں جاننا ہے؟''

"میرے لیے یہ جاننا ضروری ہے۔"
"کیوں ضروری ہے، کیا آپ کسی سے محبت کرتی ہیں؟"
"نہیں۔" وہ جھجک کر چپ ہوئی اور نگاہ پھیر گئی۔
"ضروری نہیں کہ کسی سے محبت کرتی ہوں اسی لیے اس بابت دریافت کروں۔" آیت نے الجھ کر کہا۔ جہانگیر اسے متواتر دیکھتا اس کے الجھاؤ کے بارے میں غالباً قیاس کرنے کی کوشش کرتا رہا۔
"محبت میں جو بھی کسی الجھاؤ کا باعث نہیں ہے۔"
"واقعی ایسا ہے جہانگیر، ہمیں لگا محبت بذات خود ایک الجھاؤ ہے اور اس سے زیادہ الجھا ہوا کوئی کھیل نہیں۔"
"اب آپ سے کس نے کہہ دیا کہ یہ ایک کھیل ہے؟ محبت کھیل نہیں ہے سو الجھاؤ کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔" جہانگیر نے قائل کرنا چاہا۔
"آپ بات کو الگ سمت لے جا رہے ہیں۔"
"صحیح سمت کیا ہے تعین بتا دیجیے۔"
"آپ الجھ کیوں رہے ہیں؟"
"آپ سلجھا کیوں نہیں دیتیں۔"
"کیسے سلجھاؤں؟"
"میں تو بہت سادہ ہوں۔"
"آپ سمجھ بھی نہیں رہیں۔"
"ہم آپ کو سمجھائیں گے آپ خود بے حد سمجھدار ہیں۔"
"مگر آپ کی سمجھ کے سامنے ہماری سمجھ گھٹنے ٹیک رہی ہے۔" وہ اس تکرار سے اٹھ کر جانے لگی تو جہانگیر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"آپ بات ختم کیے بنا کہیں نہیں جاسکتیں۔" عجب حکم صادر ہوا۔ آیت کو ناچار بیٹھنا پڑا۔
"آپ کے ذہن میں اصل سوال کیا ہے، سیدھے سے پوچھ لیں۔" جہانگیر نے مشکل آسان کرنے کی کوشش کی۔
"ہم پوچھنا چاہتے تھے آپ کے لیے یہ فیصلہ اس قدر آسان کیونکر ہوا؟"
"فیصلے میں ایسی مشکل کیا تھا؟" اس نے الٹا سوال پوچھ لیا۔
"آپ جانتے ہیں میں کس بابت دریافت کر رہی ہوں۔"
"نہیں..... واقعی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ سمجھا دیجیے۔" آیت کو اس صورت حال میں بات کرنا دشوار لگ رہا تھا۔

"آج ہم اچانک سے وقار سے ملے، بنا کسی پلاننگ کے ان کے آفس کے سامنے گاڑی روکی اور خود پر حیران رہ گئے ایسا کیونکر ہوا، وہ تو ہمارے دماغ میں بھی نہ تھے۔" جنت بی بی نے کہا تو ڈاکٹر اکرام مسکرا دیے۔
"دل کے معاملات دماغی معاملات سے مختلف ہوتے ہیں جنت صاحبہ آپ کو اندازہ نہیں ہوگا مگر دل جانتا تھا۔" ان کے کہنے پر جنت بی بی شرمندہ ہوئیں۔
"ہمیں ایسا نہیں لگتا اکرام ہمارے دل میں کیا ہے، یہ ہم خود بھی نہیں جانتے۔" اکرام مسکرا دیے۔
"ہمارے دل میں کیا ہے ہم سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔" انہوں نے جتایا۔

''شاید......''

''مگر ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا وقار سے ملنے کا۔'' جنت بی بی نے صاف گوئی سے کہا، اکرام الحق نے سر ہلا دیا۔

''ہمارے شعور کی باتیں ہم سے کسی قدر پوشیدہ ہوتی ہیں مگر یہ اس قدر دقیق نہیں کہ ہم ان کے متعلق ادراک رکھ سکتے ہیں۔ ہمارا شعور ہمارے لاشعور سے جڑا ہوتا ہے اور جو بات ہم کہہ کر بھول جاتے ہیں یا کہیں رکھ کر بھول جاتے ہیں ان معمولی باتوں کی تفصیل بھی ہمارا لاشعور رکھتا ہے۔'' اکرام الحق نے کہا اور جنت بی بی مسکرا دیں۔

''ہم ایسی پیچیدہ باتوں پر یقین نہیں رکھتے مگر سادہ سی بات یہ ہے کہ ہم وقار سے ملے اور اس پر حیران بھی ہوئے ان سے ملنے کی ایسی کیا خواہش جاگی کہ ہم میں اور کیونکر اس بات کی سمجھ ہمیں نہیں آئی آپ کچھ بھی کہیں اکرام مگر......''

''مگر کیا؟'' اکرام الحق نے دریافت کیا۔

''مگر ہم ان تمام چیزوں کے معاملے میں دل کو بہت سرد پاتے ہیں جیسے ہمارے اندر ایسا کوئی احساس اب رہا نہیں ہمیں حیرت ہے مگر شاید ہم ایک تجربے سے گزر کر کچھ بدل گئے ہیں۔'' جنت بی بی نے کہا۔

''وقت بہت کچھ تبدیل کر دیتا ہے جنت، ہم اس بارے میں پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔''

''مگر ہمیں حیرت ہوئی۔''

''اس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں، تمام عالم اس تغیر کا حصہ بنتا ہے، یہ تغیر اشد ضروری ہے ورنہ نظام توازن میں کوئی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو ہمارے اندر کے اطمینان کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔'' اکرام الحق نے کہا۔ جنت بی بی خاموش رہیں۔

''کیا آپ اب بھی وقار کے لیے دل میں کوئی نرم گوشہ محسوس کرتی ہیں؟'' اکرام الحق نے یک دم دریافت کیا۔ جنت بی بی نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ الٹا سوال داغ دیا۔

''کیا محبت کی سمت بدلتی ہے؟''

''ہم نہیں جانتے، محبت سے ہمارا واسطہ نہیں، ہم سیدھے سے نیورو سرجن ہیں، ہمارے شعبے میں دماغ کے متعلق پڑھایا جاتا ہے، ہم نہیں جانتے دل کے معاملات کیا ہوتے ہیں۔'' اکرام الحق نے مسکراتے ہوئے ٹال دیا۔

''کیا واقعی ایسا ہے؟'' جنت بی بی نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''شاید ایسا ہی ہے جنت، ہم محبت کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے۔ اگر کوئی اچھا لگتا ہے تو بس لگتا ہے، ہم کوئی زیادہ وضاحتیں یا ترجیحات ڈھونڈنے کے قائل نہیں، سائنس یونہی شے کے ہونے پر یقین رکھتی ہے جو دکھائی دے فقط اسی شے کے وجود کو مانتی ہے۔ اور محبت پوشیدہ جذبہ ہے کوئی ظاہری شے نہیں دکھا جائے تو محبت کا کوئی وجود نہیں دکھائی نہیں دیتی نظروں سے اوجھل ہے کوئی ٹیسٹ کرایا جائے تو رپورٹ میں ہی آئے گا کہ ناٹ وزیبل۔'' اکرام الحق مسکرائے۔

''کاش ایسا سچ ہوتا۔'' جنت بی بی گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولیں۔

''سو آپ اب بھی وقار سے محبت کرتی ہیں؟'' اکرام الحق نے مشکل سوال پوچھ لیا۔ جنت بی بی نے خاموشی اختیار کر لی۔

''محبت کوئی وجود نہیں رکھتی، ایسا آپ نے ہی کہا ناں؟'' جنت بی بی نے ان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ مسکرا دیئے۔

''کیا ایسا ہے؟''

''نہیں ایسا نہیں، ہم وقار سے محبت کرتے رہے ہیں، ایک جنونی محبت یہ بات ہم آپ کو بتا چکے ہیں مگر اس محبت کا کیا فائدہ، جس کو کوئی سمجھ نہ پائے اور جسے ہم خود بھی سمجھ نہ پائیں، جو محبت ہم نے کی وہ ہمارا جنون تھی اور جنون میں کچھ سمجھ نہیں آیا ہم نے وہ بھی روا رکھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا محبت اور جنگ میں جو بھی ہو وہ جائز ہونا چاہیے مگر ہمارے ساتھ معاملات مختلف رہے، ہم نے وہ بھی روا رکھا جو جائز نہیں تھا۔ خیر ہم ایک جنون سے باہر آئے ہیں دماغ اب قدرے ٹھکانے آ گیا ہے محبت میں جو ضروری ہو بس

وہی کرنا چاہیے ہم اس بات کو نظر انداز کر گئے۔" جنت بی بی مسکرادیں۔
"چلیے اچھا ہوا آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔"
"ہاں احساس تو واقعی ہوا اگر پھر سے محبت کا آغاز کرنے کا موقع ملے تو ہم اپنی غلطیوں کو دہرانا نہیں چاہیں گے۔" جنت بی بی مدہم لہجے میں بولیں۔ اکرام الحق نے کوئی تبصرہ کرنا ضروری خیال نہ کیا۔
"محبت میں جو ہو وہ واقعی درست سمت میں ہونا ضرور ہے اگر وہ درست اور واجب نہیں تو محبت پر لازم ہے کہ وہ بھٹکا دے اور در بدر کر دے۔" جنت بی بی نے مدہم لہجے میں کہا۔
"اگر آپ کو وقار کی طرف واپس لوٹنا ہے تو؟" اکرام الحق نے جانے کیا سوچ کر کہنا چاہا مگر بات ادھوری چھوڑ دی اور جنت بی بی کسی قدر حیراں رہ گئیں۔
"آپ کو لگتا ہے ہم وقار کی طرف واپس پلٹنا چاہتے ہیں؟" وہ مسکرائیں۔
"ہم نہیں جانتے۔" اور جنت بی بی نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں دی۔

❁ ❁

"دادی جان کی دوست خاصی باتونی واقع ہوئی ہیں ناں؟ کس قدر بولتی ہیں اور کس درجہ ایکٹیو بھی ہیں اب بھی۔" وقار الحق نے واپسی پر جب وہ گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے تاج بیگم کی دوست کے متعلق تبصرہ کیا۔
"ہاں باتونی ہیں مگر ایک اچھی خاتون ہیں اور ماشاء اللہ ایکٹیو ہیں، دادی جان، اماں اور ابا کے جانے کے بعد اپنی اس صحت میں نہیں رہیں، ان پر ذمہ داری اور بھی بڑھ گئی ہیں۔ وہ کسی قدر ناتواں ہو گئی ہیں، اللہ پاک ہماری دادی جان کو لمبی عمر عطا فرمائے، اماں اور ابا جان کے بعد وہی ہمارا واحد سہارا ہیں۔" فاطمہ بی بی کی آنکھوں میں جانے کیوں نمی آ گئی، جس کو چھپانے کے لیے انہوں نے چہرے کا رخ کھڑکی کی سمت پھیر لیا۔ وقار الحق نے ونڈ اسکرین سے ایک لمحے کو نگاہ ہٹا کر ان کو دیکھا۔
"یہ رنگ کھلتا ہے آپ پر، کافی عرصے بعد آپ نے یہ رنگ زیب تن کیا۔" وقار الحق نے بات بدلنے کو کہا، فاطمہ بی بی نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"رشتے آنکھ مچولی نہیں ہوتے وقار الحق، ہم ان سے آنکھیں بند کر کے نہیں بھاگ سکتے۔" فاطمہ بی بی نے یک دم کہا تو وقار الحق مسکرائے۔
"ہم غالباً وہ سننے کے متمنی ہیں جو آپ درحقیقت کہنا چاہتی ہیں۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کی بجائے آپ وہ بات کیوں نہیں کہتیں جو کہنا چاہتی ہیں۔"
"ہم ایسا کچھ کہنا نہیں چاہتے، درحقیقت ہمارے پاس کچھ خاص کہنے کو ہے بھی نہیں، اگر کچھ کہیں گے بھی تو یہ بات اضافی ہوگی اور اضافی باتوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔"
"جب تک آپ کہیں گی نہیں کیسے پتا چلے گا کہ یہ بات اضافی ہے۔ آپ اپنے طور پر کیونکر اخذ کر رہی ہیں؟" وقار الحق نے مدہم لہجے میں کہا۔
"اضافی باتوں کا شور بہت ناگوار گزرنے والا ہوتا ہے وقار، بے ہنگم ساز کی طرح انہیں خاموشی میں دفن کر دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔"
"اچھا لیکن اس بات کی سمجھ کیسے لگے گی کہ بات اضافی اور غیر ضروری ہے؟ آپ کہنے میں تعامل کریں گی تو ہمارا تجسس بڑھتا جائے گا۔ آپ کو کہنا چاہیے ہم سننے کی ہمت رکھتے ہیں، ہماری فکر مت کیجیے کہ ہمیں کچھ ناگوار لگے گا یا ہم خفا ہوں گے۔" وقار الحق نے نرمی سے جتایا۔

''نہیں اب ایسا نہیں رہا، ہم کسی مروت کے پیش نظر خاموش ہیں، جس پودے کی جڑ نہ ہو وہ پھل پھول نہیں سکتا۔ لاکھ جتن کریں نشوونما کے طریقے اپنائیں دیکھ بھال کریں کچھ کام نہیں آتا۔'' فاطمہ بی بی نے جتایا۔

''اوہ...... سب بے اثر جاتا ہے، سو یہ بات آپ ہماری زندگی سے جوڑیں گی یا اس رشتے سے؟'' وقار الحق آہستگی سے مسکرائے۔

''آپ خاصے سمجھدار ہیں، بات کی تہہ کو سمجھ رہے ہیں اور کیا کہیں۔'' فاطمہ بی بی نے لاتعلقی سے کہا۔

''کاش ہم سچ میں غیب کا علم رکھتے۔'' وقار الحق نے مدہم لہجے میں جیسے شکوہ کیا، فاطمہ بی بی خاموش ہو گئیں، وقار الحق نے بھی ان کو بولنے پر نہیں اکسایا۔ فاطمہ بی بی کے چہرے پر الجھن صاف دکھائی دی۔

''ہم میں ایسا کیا ہے، جو ہم نہیں جانتے؟'' فاطمہ بی بی نے یک دم گفتگو کا آغاز کیا۔ وہ مسکرا دیے۔

''ایک سے ایک دقیق سوال ڈھونڈ کر لا رہی ہیں آپ۔''

''آپ کو آسان کیا لگتا ہے؟'' فاطمہ بی بی جیسے چڑ گئیں۔ انہوں نے بے فکری سے شانے اچکا دیے۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''کیا آپ اب تک نہیں جان پائیں۔''

''بات کو بدلیں مت۔''

''اور کیا کریں۔''

''جواب دیجیے۔''

''سوال بھی تو کیجیے۔''

''جنت کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟''

''اوہ......'' وقار الحق نے ہونٹ سکوڑے۔

''کیا اوہ...... جواب دیجیے اب۔''

''آپ شک کر رہی ہیں؟''

''نہیں۔''

''پھر۔''

''آپ بچے ہیں کیا جو سمجھ نہیں پا رہے؟'' فاطمہ بی بی اکتا گئیں۔

''نہیں بچے نہیں مگر بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔''

''اور طلاق......''

''طلاق؟'' وہ چونکے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

سلمیٰ فہیم گل

تمہارے حسن سے رہتی ہے ہم کنار نظر
تمہاری یاد سے دل ہمکلام رہتا ہے
رہی فراغتِ ہجراں تو ہو رہے گا طے
تمہاری چاہ کا جو جو مقام رہتا ہے

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ سامنے اٹھی، اس کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے۔ دماغ کی رگیں تن سی گئیں۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی لیکن اسے سامنے دیکھ کر سارے موڈ کا ستیاناس ہوگیا تھا۔ وہ امی کی گود میں سر رکھے لاڈ اٹھوا رہا تھا، پھوپو بھتیجے کا یہ لاڈ پیار اسے ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بنا امی کو سلام کیے پیر پٹختے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسے اس بات کی قطعی پروا نہ تھی کہ اس کا اس طرح سے چلے جانا انہیں کتنا برا لگا ہوگا۔ کپڑے تبدیل کرکے وہ سیدھی کچن میں آئی۔

یکلخت سر میں درد سا محسوس ہونے لگا تو چائے کے ساتھ اس نے پین کلر لی، چائے کا آخری گھونٹ لے رہی تھی جب امی کچن میں آئیں اور آتے ہی اس کو ڈانٹنا شروع ہوگئیں، جس سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کے علاوہ ”اس“ نے بھی اسے آتے ہوئے دیکھا تھا اور ان کے ڈانٹنے کی وجہ بھی یہی تھی، ان کی ڈانٹ سے اسے کیا ہی فرق پڑنا تھا بلکہ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی تھی تب ہی وہ مسکراتے ہوئے ان کی جانب متوجہ ہوئی اور وہ غصہ میں کہہ رہی تھیں۔

”بدتمیزی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور تم یہ حد پھلانگتی جا رہی ہو، ایسا بھی کیا انوکھا ہوگیا ہے تمہارے ساتھ کہ تم گھر آئے مہمان کی پہچان ہی بھلا بیٹھی ہو۔ بالکل جاہلوں جیسا رویہ ہوگیا ہے تمہارا۔“ وہ کافی برہم دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک پل کے لیے اسے شرمندگی سی محسوس ہوئی، دوسرے ہی پل وہ ڈھٹائی سے مسکراتی ہوئی ان کے کندھے سے لگ گئی۔ انہیں منانا بھی تو تھا کیونکہ ان کی ناراضی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور ماؤں کو منانا کون سا مشکل کام ہوتا ہے۔

”آئی ایم سوسوری امی...... پلیز۔“ ان کے گال پہ پیار کرتے ہوئے حد درجہ معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

”ہٹو پرے کوئی ضرورت نہیں اب مسکہ لگانے کی۔“ گو لہجے میں نرمی کی جھلک تھی مگر غصہ کا اظہار جوں کا توں قائم تھا۔

”امی پلیز معاف کردیں ناں، دیکھیے اب تو میں نے اپنے کان بھی پکڑ لیے، معاف کردیں آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی پلیز۔ امی ادھر تو دیکھیں ناں۔“ انہیں مسلسل پیٹھ موڑے دیکھ کر وہ ان کے سامنے ہوئی اور معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اپنے کان پکڑ لیے، نتیجتاً انہوں نے اس کے سر پر چپت رسید کی اور دھیرے سے مسکرادیں۔

”اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں، ماں ہوں تمہاری، تم اپنی عادت بدلنے والی نہیں، ہر بار کی طرح معافی مانگ کر معصوم بن جاؤ گی اور میں معاف کردوں گی، میں جانتی ہوں بیٹا کس بات نے تمہیں برہم کیا ہے۔ جب اتنے پیار کرنے والے

رشتے ہم سے اچانک ہی منہ پھیر لیتے ہیں، طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں، ہماری توقعات سے بڑھ کر دکھ دینے والا سلوک روا رکھتے ہیں تو دل پر کیا گزرتی ہے، اس کا اندازہ ہے مجھے لیکن بیٹا اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم بھی ان کی پیروی کرنا شروع کر دیں جیسا وہ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں، ہم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کریں، کیا فرق رہ جائے گا ان میں اور ہم میں، تم تو پڑھی لکھی ہو بیٹا اس طرح کا رویہ مناسب نہیں لگتا۔" وہ بڑی رسانیت سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

"میں جانتی ہوں امی لیکن میں کیا کروں؟ جب میں ان سب کو دیکھتی ہوں تو میرا خون کھول اٹھتا ہے، میں خود کو روک نہیں پاتی، از خود میرے لہجے میں سختی در آتی ہے۔" وہ خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں بیٹا لیکن تم......"

"میں جا رہا ہوں پھوپو۔" ابھی وہ کچھ کہنے ہی والی تھیں جب وہ کچن میں چلا آیا وہ دونوں تیزی سے پلٹیں، وہ اسے یکسر انداز کیے امی سے مخاطب تھا۔ اس نے لب بھینچتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز کانوں میں پڑ رہی تھی اور اسے بے چین کر رہی تھی۔

"ارے ایسے کیسے جا رہے ہو بیٹا...... تم نے ہی تو کہا تھا کہ آج تم میرے ہاتھ کا کھانا کھانے آئے ہو، اب اچانک یہ جانے کی کیا جلدی پڑ گئی تمہیں؟" وہ حیرت سے دریافت کر رہی تھیں۔

"وہ پھوپو میرے دوست کا فون آیا تھا، اس نے فوراً بلایا ہے جانے کیا بات ہے؟ اس لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے، ویسے بھی میرا پیٹ "اب" بھر گیا ہے۔" آخری جملہ نہایت آہستگی سے ادا کیا تھا۔ چونکہ اس کے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ اس لیے اس کو سنائی دے گیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔" کہتے ہوئے وہ اس کے ساتھ ہی کچن سے نکل گئیں۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کسی دوست کا فون نہیں آیا بلکہ اس کے رویے سے اور بے نیازی سے اسے تکلیف پہنچی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ خوش ہوتی، اس کا مقصد جو پورا ہوا تھا۔ الٹا بے چین ہو اٹھی، دل بوجھل

ہو گیا۔ عجیب بے کلی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ نمکین قطرہ گال پر سے پھسلتا ہوا جب اس کے ہاتھ کی پشت پر گرا تو یکبارگی وہ چونکی۔ میکانکی انداز میں اس نے اپنا ہاتھ گال پہ رکھا تو اسے اپنے رونے کا ادراک ہوا۔ جہاں بڑی بے دردی سے اس نے اپنے گال رگڑے وہیں اسے اپنی حد درجہ حساسیت پہ بے تحاشا غصہ بھی آیا تھا۔

"بلاشبہ اس کمپنی کو آپ جیسی ہارڈ ورکنگ لیڈی ملی ہے۔ سب کو احساس ہے اس بات کا لیکن محترمہ لنچ ٹائم ہو گیا ہے پلیز لنچ کر لیں، کام بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔" وہ اس وقت اپنے کام میں بہت منہمک تھی۔ آج صبح آفس میں آتے ہی احمد صاحب نے ایک اہم فائل اسے تھمائی تھی اور ساتھ ہی اپنے ازلی دھونس جمانے والے انداز میں تاکید کی تھی کہ یہ فائل پورے دو بجے میری میز پہ ہونی چاہیے نا ایک منٹ اوپر نا ایک منٹ نیچے اور ان کے کہنے کی خلاف ورزی کرنا کسی بھی ورکر کے بس کی بات نہیں تھی۔ سارا اسٹاف ان کے غصے سے ڈرتا تھا۔ اسی لیے وہ اپنے کام میں اتنی مصروف تھی کہ وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا، فرح نے آ کر اسے احساس دلایا۔

"کیا بات ہے ایمی، آج کل بڑی مصروف رہنے لگی ہو؟" کھانے کے دوران اچانک ہی فرح نے اس سے پوچھا۔

"ہاں یار، تم تو جانتی ہو باس کو پورے جلاد ہیں ایک منٹ بھی فارغ بیٹھا دیکھ لیں تو جان کو آ جاتے ہیں، اگر ایک سال کے ایگریمنٹ پہ سائن نہ کیا ہوتا تو کب کا کام چھوڑ کر بھاگ چکی ہوتی میں، تم تو جانتی ہو ناں میں اتنی سختی برداشت نہیں کر سکتی مگر...... خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے بڑی بے بس سی شکل بنائی۔

"میں آفس آورز کی نہیں آفس کے بعد کی بات کر رہی ہوں، کیا بہت مصروف رہنے لگی ہو تم؟"

"کیا مطلب...... میں سمجھی نہیں؟" اس نے نہایت اچنبھے سے استفسار کیا۔

"بہت دن ہو گئے تم آپی کے ہاں نہیں آ رہی، عام دنوں کی بات اور ہے لیکن اب تو تمہیں آنا چاہیے تھا۔" جانے وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی اسے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تب ہی حیرت سے گویا ہوئی۔

"کیوں اب کیا خاص ہوا ہے وہاں؟"

"خاص...... تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تمہیں کچھ خبر ہی نہیں، وہاں پر ہر کوئی محترمہ کے بارے میں پوچھتا پھر رہا ہے اور یہاں کچھ خبر ہی نہیں، بس بہت ہو گیا، آج تم لازمی آ رہی ہو، اللہ کا غضب کل مایوں ہے اور یہ محترمہ ہیں کہ......"

"واٹ مایوں......! کک...... کس کا مایوں ہے کل؟" اسے واقعی جھٹکا لگا۔ کسی انہونی کے خیال نے اسے چونکایا اور یکبارگی دل بے چین ہو اٹھا تھا۔

"آر یو سیریس ایمی......! کیا تم واقعی نہیں جانتیں؟" اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"کیا تمہیں میرے چہرے سے لگ رہا ہے کہ میں مذاق کر رہی ہوں۔ آئی سوئیر فرح، میں نہیں جانتی۔" فرح کے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے پر اس نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

"آئی ڈونٹ بلیو دس یار...... تم جو وہاں کی ایک ایک پل کی خبر رکھتی تھیں، تمہیں یہ نہیں پتا کہ کل ارفا آپی کی مایوں ہے اور جانتی ہو یہ جو احمر یہاں سے گزر کر گیا ہے وہ باس کو شادی کا کارڈ دینے آیا تھا۔" ابھی تو وہ مایوں کا سن کر حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ احمر کے یہاں آنے اور آ کر چلے جانے کا سن کر بھونچکی رہ گئی۔ وہ اپنے اردگرد سے اتنی بے خبر تھی کہ اسے کسی بات کا، کسی کے آنے جانے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ کچھ عرصہ پہلے والی ایمان اور اب کی ایمان کا موازنہ کرنے لگی تھی۔ پہلے والی ایمان چاروں طرف نگاہ رکھتی تھی، ہر طرف کان لگے رہتے تھے اور اب کتنی لاتعلق ہو گئی تھی ہر طرف سے، وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ اسے احساس ہی نہ ہوا فرح اس سے کچھ پوچھ رہی ہے۔

"کیا ہوا ایمی...... کہاں کھو گئی ہو تم، میں کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے؟"

"آں...... ہاں کیا پوچھ رہی ہو تم۔" وہ یکلخت چونکی۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ آج آرہی ہوناں تم؟"

"آں...... ہاں آؤں گی۔" اس نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی ورنہ اس کا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ایک تو ویسے بھی ان سب کی طرف سے اس کا دل کھٹا ہوگیا تھا۔ دوسرا اس کی انا آڑے آرہی تھی اور ویسے بھی کون سا اسے کسی نے بلایا تھا اور تو اور آپی جو اس کی سگی بہن تھیں نے بھی بتانا گوارا نہ کیا تو وہ کیوں منہ اٹھا کر چلی جاتی وہ بھی انجان بن گئی تھی۔

***

وہ ایسی نہیں تھی لیکن بن گئی تھی۔ اپنوں کے رویوں نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ بے پروا، لاتعلق، ہٹ دھرم، کبھی وہ بہت شوخ و چنچل لڑکی ہوا کرتی تھی، خوش مزاج، ہر کسی کا خیال رکھنے والی، کسی کو دکھ دینا یا کسی کی دل آزاری کرنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا، ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ ہر کوئی اس کا گرویدہ تھا۔ وہ جلد ہی ہر کسی سے دوستی کرلیتی تھی لیکن سب سے زیادہ ذہنی ہم آہنگی اس کی دو ہی لوگوں سے تھی، ایک تو اپنی کلاس فیلو فرح (وہ اس کے بچپن کی دوست تھی اور اسی کی پھوپو کے پڑوس میں رہتی تھی) اور دوسرا اشعر اس کی پھوپو کا بیٹا، اشعر ان دونوں (فرح، ایمان) کا مشترکہ دوست تھا ان کی آپس میں بڑی گہری چھنتی تھی۔

ایمان کے والد اثبات احمد دو بھائی اور ایک بہن تھے، سب سے بڑے حیات احمد پھر ان سے چھوٹی فریدہ تھیں، سب سے چھوٹے اثبات احمد، حیات احمد کے چار بچے تھے، دو بیٹے اور دو بیٹیاں، فریدہ بیگم کے تین بچے تھے، ایک بیٹی اور دو بیٹے، اثبات احمد کے بھی تین بچے تھے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا، دونوں بھائیوں کا مشترکہ بزنس تھا، اشعر کے والد حسان مرتضٰی اور ایمان کی والدہ نفیسہ بیگم دونوں بہن بھائی تھے اور ان تینوں کے چچازاد بھی تھے۔ ان کی وٹہ سٹہ میں شادی ہوئی تھی۔ ان کا خاندان لڑی میں پروئے موتیوں کی مانند تھا۔ ان کے خاندان کی لوگ مثالیں دیا کرتے تھے۔ پیار و محبت میں گندھے ہوئے رشتے زندگی کے ہونے کا احساس دلاتے تھے۔ غرض ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں رقص کرتی تھیں پھر اچانک ہی جیسے ان کے خاندان کو کسی کی نظر لگ گئی۔

رشتوں میں چھپا ہوا گھناؤنا روپ اجاگر ہونے لگا۔ دوسروں کی طرح ان کے گھر میں بھی جٹھانیوں، دیورانیوں والا ازلی بیر شروع ہوگیا، پہلی بار ان کے رشتوں میں دراڑ تب آئی جب حیات احمد نے اپنے اس بیٹے کا رشتہ اثبات احمد کی بڑی بیٹی سبین کے لیے مانگا تھا جو پہلے شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ تھا۔ اس کی پہلی بیوی اس کے ناروا سلوک کے باعث علیحدگی اختیار کرچکی تھی۔ شادی شدہ ہونا یا ایک بچے کا باپ ہونا ان کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ انکار کی وجہ اس کا رویہ اور مزاج تھے۔ گو وہ پڑھا لکھا انسان تھا مگر اس کا رویہ ہر کسی کے ساتھ جاہلانہ قسم کا ہوتا تھا۔ خاندان کے سب ہی افراد اس کے کردار سے اچھی طرح واقف تھے تو پھر وہ کیسے صرف اپنے بھائی کی محبت میں جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو جہنم میں جھونک سکتے تھے سو انہوں نے انکار کردیا اور ان کے صفا چٹ جواب پر ان کے رویوں کی واضح تبدیلی سب نے ہی محسوس کی تھی۔ ان کا ردعمل توقع سے بڑھ کر تھا۔ رشتوں میں ایک ان دیکھا کھنچاؤ سا در آیا تھا۔ عریشہ بیگم بات بے بات نفیسہ بیگم پر میٹھے انداز میں طنز کرنا نہیں بھولتی تھیں۔ جبکہ نفیسہ بیگم ٹھنڈے مزاج کی خاتون تھیں۔ وہ لڑائی جھگڑوں سے حتی الامکان پرہیز کرتی تھیں تب ہی ان کی باتوں کو مزید بڑھاوا دینے کے بجائے چپ سادھ لیتی تھیں اور ان کی اسی چپ نے عریشہ بیگم کو اور شیر بنا دیا تھا پھر کچھ عرصہ بعد فریدہ بیگم نے اپنے بڑے بیٹے شہیر کے لیے سبین کا ہاتھ مانگا تو اثبات احمد نے فوراً ہاں کردی تھی۔

عریشہ بیگم کو تو گویا آگ ہی لگ گئی تھی۔ اتنے قابل نیک فرماں بردار لڑکے کی شادی سبین کے ساتھ ہوتے دیکھ کر انہیں تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا تھا۔ دل ہی دل میں وہ اپنی بیٹی علینہ کے لیے شہیر کو پسند کیے ہوئے تھیں مگر بازی پلٹتے دیکھ کر ان کی خوش فہمی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ انہی دنوں اثبات احمد کے منجھلے بیٹے عثمان کو اپنے ایک دوست کی بہن پسند آگئی، اس کی یہ پسند محبت میں بدل گئی آناً فاناً اس نے شادی کا فیصلہ کرلیا چونکہ ان کے خاندان میں غیر خاندان میں شادی کا رواج نہیں تھا۔

اثبات احمد بڑی سخت طبیعت کے مالک تھے۔ غصے کے حد درجہ تیز انسان تھے۔ جو وہ کہہ دیتے پتھر پہ لکیر ہوتا تھا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں اپنے بیٹے کو باور کرادیا تھا کہ شادی ہوگی تو خاندان میں ورنہ نہیں اور وہ بھی ان ہی کا بیٹا تھا جو ایک دفعہ دل میں ٹھان لی تو اسے پورا کر کے چھوڑتا تھا۔ گو ان کی بات پہ اس نے اس وقت تو چپ سادھ لی مگر دل میں وہ پکا عہد کرچکا تھا کہ شادی کرے گا تو صرف صبا سے ورنہ نہیں۔ صبا پڑھی لکھی خوب صورت لڑکی تھی۔ اس کے کافی رشتے آرہے تھے اس نے عثمان پر زور ڈالنا شروع کردیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اس کے گھر بھیجے مگر وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا گو وہ گھر والوں سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا مگر خود اندر ہی اندر گھٹ رہا تھا۔ نفیسہ بیگم اپنے بیٹے کی حالت سے خوب واقف تھیں لیکن وہ اپنے شوہر سے بھی ڈرتی تھیں۔ اپنے بیٹے کی حالت ان سے دیکھی نہ جارہی تھی۔ دونوں جانب سے مجبور وہ بیچ منجدھار میں کھڑی تھیں۔ ایک طرف اپنے دل کا ٹکڑا دن بدن زندگی سے دور ہوتا جارہا تھا اور دوسری طرف ان کا سہاگ، جن کے فیصلے کی روگردانی کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا مگر وہ اپنے بیٹے کو بھی اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی تھیں سو انہوں نے ایک بڑا فیصلہ اکیلے ہی کرلیا اور اپنے اس فیصلے سے اثبات احمد کو بھی آگاہ کردیا۔ نتیجتاً ان کا ردعمل حسب توقع تھا۔ انہوں نے بے تحاشا ہنگامہ کیا مگر نفیسہ بیگم اڑ گئیں۔ اثبات احمد نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس طرف سے انہوں نے بالکل چپ سادھ لی اور ساتھ ہی انہوں نے اعلان کردیا تھا کہ نہ ہی وہ اس معاملے میں پڑیں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ کوئی توقع رکھی جائے۔ اصل بھونچال تو تب آیا جب نفیسہ بیگم بنا کسی کو بتائے صبا کو انگوٹھی پہنا آئیں۔ اس بات کی خبر جب عریشہ کو ہوئی، انہیں تو جیسے پچھلے حساب بے باق کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اثبات اپنے بہن بھائیوں سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ ان کی آپس کی محبت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔ انہوں نے حیات احمد کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔ وہ تو تھے ہی اپنی بیوی کے بے دام غلام، جو وہ کہتیں اسی پہ ایمان لے آتے۔ نتیجتاً انہوں نے آناً فاناً سارے رشتے توڑ ڈالے اور قطع تعلق کرلیا۔ بڑوں سے لے کر بچوں تک سے ناراضی اختیار کرلی۔ علیحدہ تو وہ پہلے ہی ہوچکی تھیں رہی سہی کسر تھی وہ درمیان میں دیوار کھڑی کرکے پوری کرلی اسی پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ پورے خاندان میں طرح طرح کی باتیں پھیلانا شروع کردیں، سارا خاندان ان کے خلاف ہوگیا تھا۔ بھولے سے بھی کوئی ان کے گھر نہیں آتا تھا اگر کوئی آتا بھی تو مزید ان کے زخموں پر نمک پاشی کرجاتا تھا۔

اثبات احمد خاندان کی ناراضی برداشت نہیں کر پارہے تھے۔ وہ اس سب کا قصوروار نفیسہ بیگم کو گردانتے تھے۔ ان ہی دنوں آفس میں کچھ مسائل چل رہے تھے، ایک طرف آفس کے مسائل دوسری طرف خاندان کے ناروا سلوک کی بدولت ان کی صحت خراب رہنے لگی۔ تب ہی ایک دن انہیں شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا۔ اٹیک اتنا شدید تھا کہ ڈاکٹروں کی ہزار کوشش کے باوجود وہ جانبر نہ ہوسکے۔ اثبات احمد کی موت کے بعد ان کی تو دنیا ہی اندھیری ہوگئی تھی۔ ایمان اپنے خاندان والوں کو اس کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔ اسے ان سب سے نفرت سی ہوگئی تھی۔

اشعر جو اس کا کلوز فرینڈ تھا۔ اس سے بھی اس نے قطع تعلق کرلیا تھا کیونکہ ایک دفعہ مذاق میں ہی سہی اس نے بھی ایمان کو عثمان کا طعنہ دیا تھا۔ ایمان کو یہ طعنہ بہت برا لگا تھا۔ اس کے مذاق نے تو اس کے تن بدن میں آگ لگادی تھی پھر وہ سر سے لے کر پاؤں تک بالکل ہی بدل گئی تھی۔ خاندان کے سب ہی افراد سے وہ نفرت کرتی تھی کیونکہ ان سب کی وجہ سے اپنی ماں کو دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا تھا۔ اثبات احمد کے طنز بھرے نوکیلے جملوں سے اپنی ماں کو لہولہان ہوتے دیکھا تھا، اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار بھی وہ انہیں ہی کو سمجھتی تھی اور ان سب کا نتیجہ تھا یہ نام نہاد رشتے دار، جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ خوشی اور غمی میں ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے ہوتے ہیں رشتہ دار، کسی کو خوش دیکھ کر جلنے والے اور دکھی کرکے خوشیاں منانے والے۔ وہ جو اتنی نرم مزاج اور خوش گفتار ہوا کرتی تھی یکلخت ضدی اور منہ پھٹ ہوگئی تھی۔

جب وہ آفس سے لوٹی تو سبین اپیا اور اشعر آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اپیا تھیں تو اس کی بہن مگر اب وہ ان سے بھی لیے دیے انداز میں ملتی تھی۔ ایک پل کو تو اس کا جی چاہا انہیں نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائے اور وہ ایسا کر بھی گزرتی اگر وہاں امی نہ بیٹھی ہوتیں، بادل نخواستہ اس نے انہیں سلام کیا اور آگے قدم بڑھائے اس کا رخ اپنے کمرے کی جانب تھا تب ہی اپیا نے پکارا۔ مجبوراً اسے رکنا پڑا۔

"ارے ایمی کہاں جا رہی ہو؟ کچھ دیر تو بیٹھو ہمارے پاس، کچھ ہی دیر میں ہم واپس جا رہے ہیں۔" ان کے کہنے پہ مجبوراً لبوں پہ مسکان سجاتے ہوئے وہ پلٹی اور بولی۔

"اپیا میں فریش ہو کر آتی ہوں، تھوڑی دیر تو رکیں گی ناں؟" اس کے استفسار پہ اپیا نے ہاں میں سر ہلایا تو وہ اپنے کمرے میں چلی آئی، اس دوران اشعر خاموش ہی بیٹھا رہا کچھ دیر میں ہی وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"اور سنائیں اپیا کیسی ہیں آپ؟ اور وہ آپ کا موٹو کدھر ہے اسے نہیں لے کر آئیں آپ؟" اشعر کو مکمل نظر انداز کیے اپیا کے اکلوتے بیٹے کی بابت دریافت کیا۔

"ارے نہیں بھئی، آج کل بہت ضدی ہو گیا ہے وہ، بہت تنگ کرنے لگا ہے۔ میں اشعر کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی۔ ارفہ صبح سے کتنی دفعہ مجھے کہہ چکی ہے اور اب آتے ہوئے بھی خاص طور پر تاکید کی تھی کہ تمہیں اپنے ساتھ ضرور لے کر آؤں، پھوپو بھی کہہ رہی تھیں کہ کچھ دنوں کے لیے تمہیں لے آؤں، اب تم فوراً پیکنگ کر لو شادی تک تمہیں وہیں رہنا ہے۔" ان کی بات پہ وہ یکلخت سنجیدہ ہوئی۔

"آئی ایم سوری اپیا، میں آپ کے ساتھ نہیں آسکوں گی۔" بنا ایک پل لگائے اس نے فوراً انکار کر دیا۔

"کیا مطلب...... کیوں نہیں آسکتیں تم؟" وہ حیرت سے گویا ہوئیں۔

"ان دنوں آفس میں بہت سختی ہو گئی ہے اپیا، باس کسی صورت مجھے اتنی لمبی چھٹی نہیں دیں گے اور ویسے بھی سنڈے کو میری دوست کی شادی ہے اور مجھے ہر صورت وہاں جانا ہے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ آنے کی کوشش کروں گی۔" اس نے وضاحت سے بتایا۔

"بائی داوے، ایسی کون سی دوست ہے تمہاری جس کی سنڈے کو شادی ہو رہی ہے۔ جہاں تک میں جانتی ہوں تمہاری دوستی دو ہی لوگوں کے ساتھ ہے، ایک تو ہے فرح، اس کے تو دور دور تک شادی کے امکانات نہیں اور دوسرا اشعر۔" انہوں نے بڑی حیرانگی سے استفسار کیا۔ اشعر کے نام پہ اس نے ایک پل کے لیے اس کی جانب دیکھا تب ہی وہ بھی اس کی جانب متوجہ ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل ایمان نے نظریں چرالیں اور دھیرے سے گویا ہوئی۔

"اپیا وہ میرے آفس میں کام کرتی ہے، کچھ ہی عرصے میں بہت اچھی دوست بن گئی ہے میری، اتنے پیار سے اس نے مجھے انوائٹ کیا ہے، اگر نہ گئی تو کتنا برا لگے گا اسے۔" وہ اتنی صفائی سے جھوٹ بول رہی تھی کہ اپیا کو گمان بھی نہ ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے جبکہ اشعر یک ٹک اس کی جانب دیکھ رہا تھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی بلکہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کشن کے ساتھ کھیل رہی تھی اور یہی اس کے جھوٹ کی نشانی تھی۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

"واہ بھئی کیا بات ہے تمہاری، تمہیں اس لڑکی کے برا لگنے کا خیال ہے، جس سے تمہاری دوستی بقول تمہارے کچھ ہی عرصہ قبل ہوئی ہے۔ ان کا خیال نہیں جن سے تمہارا اتنا پرانا اور اٹوٹ رشتہ ہے جو تمہارے اپنے ہیں جنہوں نے اتنے پیار سے تمہیں بلایا ہے کیا انہیں......" ابھی وہ بات بھی مکمل نہ کر پائی تھی کہ وہ فوراً ہی بول اٹھی۔

"تو نہ بلاتے مجھے، میں کون سا اس کے سو کالڈ بلاوے کے انتظار میں بیٹھی ہوں، جب میرا موڈ ہو گا میں آ جاؤں گی اور بائی داوے پلیز آپ یہ نام نہاد رشتوں کا "بہت" ہی "اپنوں" کا ڈراوا مجھے مت دیا کیجیے پلیز۔" اپنوں کا نام سن کر وہ یکلخت مشتعل ہوئی۔ "میں نہیں مانتی ایسی رشتہ داری کو......"

"بی ہیو یور سیلف امی، کیا بدتمیزی ہے یہ، یہ کس لہجے میں بات کررہی ہو تم؟" اشعر کی موجودگی میں ایمان کی اس بدتمیزی پر جہاں نفیسہ بیگم شرمندہ ہوئیں، وہیں اشعر نے بھی ناگواری سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ غصے سے اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے، حد درجہ ضبط کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ مزید برداشت نہ کرپایا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے بھابی اب ہمیں چلنا چاہیے۔" اس کے تیور دیکھ کر نفیسہ بیگم فوراً آگے بڑھیں۔

"ایم سوری بیٹا...... تم ایسے ناراض ہوکر تو مت جاؤ، وہ تو ہے ہی پاگل، جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہے۔" غصہ بھری نگاہوں سے بیٹی کو گھورا۔

"اس کے رویے پہ میں تم سے معذرت کرتی ہوں اشعر۔"

"ارے پھوپو پلیز اب آپ مجھے شرمندہ کررہی ہیں، ڈونٹ وری میں ایسے سرپھرے لوگوں کی باتوں پہ توجہ نہیں دیتا۔" استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے طنز بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کے انداز پہ وہ مزید تپ گئی اور غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔ ایمان کے رویے نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا گو اس کے بدلے ہوئے انداز کو جان تو گیا تھا مگر وہ اس حد تک چلی جائے گی اس کو اندازہ نہیں تھا۔

✿......✿......✿

آج ارفہ آپی کی مہندی کی تقریب تھی۔ امی کے ہزار دفعہ کہنے پر بھی وہ وہاں نہیں گئی، آج بھی اس کے جانے کا قطعی ارادہ نہیں تھا مگر فرح کے دھمکی آمیز فون پہ بادل نخواستہ تیار ہوئی تھی۔ اس نے پیلے اور سبز امتزاج کا سوٹ زیب تن کیا تھا۔ وہ بہت خوب صورت تھی جو بھی پہنتی سج جاتا تھا۔ پانچ فٹ سات انچ قد، متناسب سراپا، چمکتی ہوئی گلابی رنگت، جھیل جیسی گہری آنکھیں، کھڑی سی ناک، گلابی کٹاؤ دار ہونٹ، ہلکے پھلکے میک اپ نے اس کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیئے تھے۔ امی تو پہلے ہی جاچکی تھیں۔ اس کا ارادہ عین وقت پہ جانے کا تھا۔ مہمانوں کی طرح۔

مہندی کی تقریب گھر میں ہی منعقد کی گئی تھی۔ برقی قمقموں سے پورے گھر کو سجایا گیا تھا۔ گھر کی دہلیز پر پاؤں رکھتے ہوئے اسے عجیب سی جھجک محسوس ہورہی تھی۔ اتنے عرصے بعد پھوپو کے گھر آئی تھی۔ فریدہ بیگم ہر روز فون پر اسے آنے کی تاکید کرتی تھیں لیکن وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے ٹال دیتی تھی۔ باقی سب کی طرح اس کا رویہ اپنی پھوپو کے ساتھ نارمل ہی تھا۔ چاہنے کے باوجود ان کے ساتھ اس کا رویہ نہیں تبدیل ہوا تھا۔

وہ تھیں ہی ایسی، اتنی شفیق نہایت محبت سے پیش آنے والی، وہ سوچ کر ہی شرمندہ ہوجاتی تھی وہ اس شش و پنج میں کھڑی تھی کہ اندر کیسے جائے دفعتاً کسی جانب سے آتی تیز نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"آخر ہو کیا گیا ہے تم دونوں کو؟ وہاں وہ محترمہ ضد اور خود سری کے تمام ریکارڈ توڑے بیٹھی ہیں اور یہاں تم انا کا پرچم لہراتے پھررہے ہو، وہ تو بے وقوف ہے ہی تم کیوں بے وقوفی کررہے ہو، چھوٹی چھوٹی سی بات کے لیے تم لوگ ایک دوسرے سے منہ موڑے ہوئے ہو۔" فرح جانے کس پر اتنی مشتعل ہورہی تھی۔ اس کی جانب پشت ہونے کے باعث وہ فرح کے مخاطب کو دیکھ نہ پائی تھی۔

"بس یا کچھ اور بھی کہنا ہے تمہیں؟" تب ہی اشعر کی بارعب آواز ابھری تو وہ سمجھ گئی تھی کہ موضوع گفتگو اس کی ہی ذات ہے۔

"بس کہہ چکی ہوں میں جو کہنا تھا، جو مرضی کرتے پھرو میری بلا سے...... حد ہوگئی بھئی، ادھر میں خوامخواہ ان کی فکر میں گھلتی جارہی ہوں اور یہ ہیں کہ......" ناراض لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اوہو فرح ڈیئر کیا ہوگیا ہے تمہیں آج، کیوں انگارے چبائے بیٹھی ہو، کول ڈاؤن یار، پہلے ریلیکس ہوکے میری بات سنو، شاید کچھ افاقہ ہو تمہیں۔" جہاں اس نے بات کو مذاق میں اڑا لیا تھا۔ وہیں اپنی دوستی پر فخر بھی محسوس ہوا تھا۔

"ہاں ہاں اڑالو مذاق اور تم کر بھی کیا سکتے ہو لیکن ایک

بات...... لو آ گئی محترمہ۔" یکبارگی اس کی نگاہ اپنی جانب دیکھتی ایمان پر پڑی، اس کی نظروں کے تعاقب میں اشعر نے بھی اس کی جانب دیکھا۔ ایمان کو اس کی آنکھوں میں ابھرتی ہوئی چمک بخوبی دکھائی دے گئی تھی۔

"آ گئیں آپ، فرصت مل گئی آپ کو آنے کی؟" فرح چھوٹتے ہی طنزیہ انداز میں استفسار کرنے لگی۔

"کہاں یار، بڑی مشکلوں سے ٹائم نکال کر آئی ہوں۔" اس کے طنز کو یکسر نظر انداز کیے وہ لاپروائی سے گویا ہوئی۔

"تو نہ آتیں، یہ احسان کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی۔" وہ تو پہلے ہی تپی ہوئی تھی۔ اس کے انداز پر اسے تو جیسے آگ ہی لگ گئی تھی۔

"فرح پلیز...... اگر تم نے یونہی طنز کرنے ہیں تو میں واپس چلی جاتی ہوں، ویسے بھی میں صرف تمہارے کہنے پر آئی ہوں اگر مجھے تمہاری ناراضی کا ڈر نہ ہوتا تو کبھی نہ آتی اور یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" وہ یکلخت سنجیدہ ہوئی۔

"ہاں...... ہاں بابا جانتی ہوں میں، جانے کن بے وقوفوں کے بیچ پھنس گئی ہوں میں، بائی دا وے آفس میں ایسی کون سی دوست ہے تمہاری جسے میں نہیں جانتی اور جس کی بقول تمہارے سنڈے کو شادی ہوئی ہے۔" وہ تفتیشی انداز میں استفسار کرنے لگی۔

"اوہ تو تم تک بھی خبر پہنچ ہی گئی، میری بات پہ یقین نہ آیا ہوگا ناں، تب ہی تم سے تصدیق چاہی ہوگی۔" اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی آمیزش محسوس کر کے وہ گویا ہوئی۔ اس کا اشارہ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

"جس کی جانب تمہارا اشارہ ہے اسے تمہاری کہی کسی بھی بات کے لیے کسی سے تصدیق کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہاری رگ رگ سے واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کب تم جھوٹ بول رہی ہو اور کب سچ، مجھ سے تو اپیانے سرسری سا ذکر کیا تھا۔ اسی لیے پوچھ رہی ہوں، کیا اب بتاؤ گی مجھے تم؟" وہ دوبارہ اپنی بات پہ لوٹی۔

"کوئی دوست ووست نہیں ہے یار۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔"

"کک...... کیا جھوٹ بولا تھا بٹ وائے؟" وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"کیونکہ میرا آنے کا قطعی موڈ نہیں تھا اس لیے۔"

"واٹ تم...... اتم...... کیا ہو گیا ہے ایمی تمہیں؟ یہ کس قسم کی حرکتیں کرنے لگی ہو تم، پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں، کتنا بدل گئی ہو تم۔" اس کے لہجے میں اپنی دوست کے لیے واضح پریشانی تھی۔

"انسان کو بدلتے کون سا دیر لگتی ہے یار۔"

"ارے ایمان، ایمی یہ تم ہو بیٹا، اتنے دنوں بعد دیکھ رہی ہوں تمہیں۔ کتنی اداس ہو گئی تھی میں تمہارے بنا۔" وہ دونوں بات کر رہی تھیں تب ہی پھوپو چلی آئیں۔ وہ اتنی گرم جوشی اور پیار سے ملیں کہ وہ خوامخواہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"السلام علیکم! پھوپو کیسی ہیں آپ؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں بچے، بہت یاد آ رہی تھی تمہاری، اتنے سارے دنوں میں ایک بار بھی پھوپو کی یاد نہیں آئی، جانتی ہو ناں کتنا پیار کرتی ہوں میں تم سے۔"

"واہ ماں...... کیا بات ہے آپ کی، یعنی یاد آپ کر رہی تھیں اور ملنے یہ آتیں، یہ ضروری تھوڑا ہی ہے کہ جسے آپ یاد کر رہی ہوں وہ آپ کو بھی یاد کرے۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اشعر ان کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ انداز استہزائیہ تھا۔ وہ جز بز ہوئی۔

"سوری پھوپو ایکچوئیلی میں ان دنوں مصروف بہت تھی، وقت ہی نہیں ملا آنے کا۔" اس کے طنز کو یکسر نظر انداز کر کے وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"آنے کا ٹائم نہیں ملا یا آنے کی زحمت گوارا نہ تھی۔" پھوپو کسی کے پکارنے پہ وہاں سے چلی گئیں تو اسے جیسے اسے چھیڑنے کا موقع مل گیا تھا۔

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی۔"

"تم نہیں کر رہیں لیکن میں تو تم سے بات کر رہا ہوں ناں۔" اس کی طرف سے دوبدو جواب ملا۔ اس کی بے ساختگی پر فرح کو ہنسی آئی، اسے تو گویا آگ ہی لگ گئی تھی۔

"شٹ اپ فرح اور اپنے دوست کو بھی سمجھا دو، میرے

منہ نہ لگیں ورنہ اگر میں نے کچھ کہہ دیا ناں تو یہ برداشت نہ کرسکیں گے۔" فرح سے کہہ کر اس نے ایک کٹیلی نگاہ مسکراتی نظروں سے اپنی جانب دیکھتے اشعر پر ڈالی۔

"برداشت تو میں اب بھی نہیں کر پارہا۔ یہ آپ جناب، یہ تعلقات پلیز یار اسے تو درمیان سے ہٹاؤ عجیب غیریت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ بائی داوے دوست تو میں تمہارا ابھی ہوں ناں، اگر تمہیں یاد ہو تو یا پھر اپنی نام نہاد نفرت میں یہ بھی بھلا بیٹھی ہو۔" اتنے عرصے بعد اس کے منہ سے ایسی باتیں سن کر وہ بھونچکی رہ گئی، ورنہ اس سے پہلے وہ اس کے طنزیہ انداز پہ دوبدو طنز کیا کرتا تھا۔ جواباً اس نے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی اور فرح کی جانب متوجہ ہوئی۔

"فرح چلو ارفہ آپی کے پاس چلتے ہیں۔" اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے وہ فرح سے مخاطب ہوئی، اس کے انداز پر اشعر کے لبوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔

"کیا ارفہ آپی کو رشتہ داری کے زمرے سے خارج کردیا ہے؟" ایمان نے اشعر کو استفہامیہ نگاہوں سے گھورا۔ "بھئی تم رشتہ داروں سے نفرت کرتی ہو تو وہ بھی تمہاری رشتہ دار ہی ہے ناں، کچھ تو بولو یار کوئی کرارا سا جواب دے مارو۔" اس کی مسلسل خاموشی پہ اشعر نے چوٹ کی، فرح خاموشی سے ان دونوں کے طنزیہ انداز ملاحظہ کررہی تھی۔

"میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

"اوہ رئیلی...... تمہیں اس بات کا اتنا ملال ہے کہ مجھے جواب دینے کی پابند نہیں ہو تو پابند ہوجاؤ ناں، روکا کس نے ہے۔" اس کی بات پہ فرح کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا۔ جواباً وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی جبکہ اشعر نے سانس خارج کی اور اپنے لب بھینچ لیے۔

"یہ سب کیا تھا اشعر؟" فرح متعجب ہوئی۔

"جیسے کو تیسا، وہ بالکل پاگل ہے فرح، بیوقوف ہے، ایسی راہ کی مسافر بن بیٹھی ہے جس کی کوئی منزل ہی نہیں، جس راہ پر قدم قدم پہ کٹھنائیوں کا پہرا ہے، وہ سمجھ رہی ہے کہ وہ نفرت کررہی ہے جبکہ وہ یہ نہیں جانتی وہ نفرت مول لے رہی ہے، محض جذباتیت میں۔ ہاں محض جذباتیت کے بل بوتے پہ اپنوں سے دور ہوتی جارہی ہے۔ جن لوگوں کے لہجے میں اس کے لیے پیار جھلکتا تھا ان ہی لوگوں کے لہجے میں جب اس کا تذکرہ ہوتا ہے تو رکھائی در آتی ہے۔ وہ بالکل بے وقوف ہے فرح، جانتی نہیں اس کی وجہ سے کوئی کتنا دکھی ہے۔" اشعر کے لہجے میں ایمان کے لیے کتنی فکر اور درد تھا۔ جسے محسوس کرکے فرح بھی تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

ان تینوں کی دوستی کے رشتے کے ساتھ ساتھ ایمان اور اشعر کے بیچ ایک اور رشتہ بھی پروان چڑھا تھا، ایک ان دیکھا جذبہ، جسے "محبت کا نام دیا جاتا ہے" جس کی مدھر لے پہ دو دل دھڑکتے ہیں، بارش کے اس پہلے قطرے کی مانند جو زمین پہ گرتا ہے تو دھرتی کھل اٹھتی ہے۔ جو آنکھوں میں خوشنما خواب بھر دیتا ہے۔ ہر پل، مسکراتا، گنگناتا سا لگتا ہے گو یہ جذبہ ابھی اظہار کے مرحلے تک نہیں پہنچا تھا لیکن وہ دونوں بنا اظہار کے ہی ایک دوسرے کی کیفیات سے آگاہ تھے۔ ان کی آنکھیں ایک دوسرے کے لیے جذبات کی عکاس تھیں اور ان دونوں کی خاموش محبت سے فرح قطعی بے خبر نہیں تھی۔ آخرکار وہ ان کی اکلوتی دوست تھی لیکن ایمان جذباتی ہوکر سب کچھ فراموش کیے بیٹھی تھی۔

آج ارفہ کی بارات آنی تھی، صبح سے وہ کاموں میں بے حد مصروف تھا کچھ دیر پہلے وہ سبین بھابی، فرح اور ارفہ کو پارلر چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ تینوں پورا راستہ ایمان کی باتیں کرتی رہی تھیں۔ انہیں ایمان کی کمی بہت محسوس ہورہی تھی۔ وہ سبین بھابی کی شادی کے قصے دہرا رہی تھیں کہ کیسے ان دنوں ایمی ہنگامہ مچائے رکھتی تھی۔ تب ہی اشعر کے ذہن میں وہ دن پوری آب وتاب سے روشن ہوا تھا۔

ان دنوں شہیر بھائی کی شادی کے ہنگامے اپنے عروج پہ تھے، پورے جوش وخروش سے رسمیں ادا کی جارہی تھیں، اس روز بھی انہیں سبین بھابی کے ہاں مہندی لے کر جانا تھا۔ وہ سب ان کے ہاں پہنچ چکے تھے پورا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا

تھا۔ بڑے شاندار طریقے سے ان کا استقبال کیا گیا تھا۔ اشعر کی متلاشی نگاہیں ایمان کو ڈھونڈ رہی تھیں مگر وہ تھی کہ دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ تب ہی اس کی تلاش میں وہ اس کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ بھی بنا دستک دیے وہ اپنی ہی دھن میں اندر داخل ہوا اور معاً ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ وہ سامنے ہی ہوشربا حسن کی تفسیر بنی کھڑی تھی۔ پیلے رنگ کی شرٹ جس پہ موتی ستارے کا نفیس سا کام کیا ہوا تھا۔ نیلا ٹراؤزر کے ساتھ بلو ویلو ڈائی کیا ہوا دوپٹا جس پہ گوٹے کناری کا کام بنا ہوا تھا اسے زیب تن کیے کھڑی تھی۔ بھیگی حسین زلفیں آگے کیے شاید نیکلس پہن رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اس کے وجود پر جم سی گئی تھیں، اسی لمحے ایمان نے اپنی نگاہیں اٹھائیں تو اپنے سامنے کھڑے، اپنی ہی جانب یک ٹک دیکھتے اشعر کو دیکھا اور چونکی۔

''ارے اشعر تم یہاں...... تم کب آئے؟'' اس کے پوچھنے پر بھی اس کی محویت نہ ٹوٹی تھی، یکبارگی وہ اس کی لو دیتی نگاہوں سے نروس ہوگئی تھی۔ دفعتاً اسے گلے میں پڑے دوپٹے کی موجودگی کا احساس ہوا، دوپٹا اپنے کندھوں پر اچھی طرح پھیلایا تھا۔ تب ہی وہ بھی چونکا تھا۔ اپنی بے اختیاری پر نظریں چراتے ہوئے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

''تت...... تم شرم کرو دروازہ کھٹکھٹا کر نہیں آسکتے تھے کیا؟ جانتے نہیں ہو کیا کسی کے بھی کمرے میں جانے سے پہلے ناک کیا جاتا ہے خصوصاً لڑکیوں کے کمرے میں اور تم یونہی بے تحشے بیل کی طرح اندر گھسے چلے آئے۔ بہت بدتمیز ہو تم۔''

''میں ایٹی کیٹس سے قطعاً نابلد نہیں ہوں، بس آج کے لیے معافی۔'' پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''شاید اور میں یہ تھوڑی ہی جانتا تھا کہ اندر اتنا خوب صورت سین چل رہا ہے۔'' اپنی شرمندگی کا احساس زائل کرتے ہوئے وہ ڈھٹائی سے گویا ہوا۔

''شٹ اپ اشعر دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' اس کی بات پہ وہ جھینپ کر زور سے چیخی۔

''ریلیکس...... ریلیکس ڈیئر، چیخو تو مت جارہا ہوں۔''

وہ دو ہی قدم چلا ہوگا کہ معاً کچھ سوچ کر اس کی جانب مڑا۔ آنکھوں میں شرارت سموئے گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''بائی داوے تم ہو تو حسین لیکن چہ چہ تعلق تمہارا چڑیلوں کی برادری سے ہے۔ ویل اپنی اپنی قسمت۔''

''اشعر۔'' مسکراتے ہوئے وہ اسے مارنے کے لیے لپکی تھی اس سے پہلے ہی وہ تیزی سے باہر بھاگ گیا تھا، کتنا مسکراتا ہوا دن تھا وہ...... وہ یکلخت اپنی سوچوں سے باہر نکلا تھا۔ بارات کے آنے کا شور اٹھا تو وہ ریسیپشن کی طرف چلا آیا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو اس کمرے کی جانب بڑھ گیا جہاں ارفہ دلہن بنی بیٹھی تھی، میرون کلر کی پشواز جس پہ گولڈن کلر کا کام ہوا تھا زیب تن کیے بے انتہا خوب صورت لگ رہی تھی۔ کمرے میں فرح، سبین اور دیگر کزنز بیٹھی تھیں اس کی موجودگی میں ماسوائے فرح اور سبین کے باقی سب کزنز باہر چلی گئی تھیں، وہ پنجوں کے بل اس کے عین سامنے بیٹھ گیا۔ اسے سامنے پاکر باوجود کوشش کے وہ اپنے آنسو ضبط نہ کرسکی تھی۔

''ارے ارے یہ کیا بھئی، یہ آنسو کس خوشی میں؟'' خود کو سنبھالتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولا۔

''تم جیسے اود بلاؤ سے جان چھوٹ رہی ہے ناں اس لیے رو رہی ہے بیچاری۔'' ارفہ کے بجائے فرح نے جواب دیا تو سب کے لبوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہے میری بہنا، کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔''

''سب سے پہلے تو تمہاری ہی نظر لگے گی، اتنا گھور گھور کے جو دیکھ رہے ہو۔'' یک ٹک ارفہ کو دیکھنے پر سبین نے چوٹ کی، ان کی بات پہ ارفہ اشعر کے کندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو سب کی آنکھیں بھر آئیں، فرح خود کو سنبھالتے ہوئے فوراً آگے بڑھی۔

''افوہ ارفہ آپی چپ کر جائیں ناں کیوں ہم سب کو رلانے پر تلی ہوئی ہیں، صبح سے اس کام میں مصروف ہیں، تھوڑے سے آنسو رخصتی کے لیے بھی بچالیں، وہاں پہ بھی تو کچھ ایسا ہی سین ہونے والا ہے اور بھائی محترم بجائے اس

کے کہ تم اسے چپ کراؤ خود بھی بچوں کی طرح آنسو بہا رہے ہو، حد ہوگئی بھئی۔" بڑی مشکل سے فرح نے انہیں علیحدہ کیا، تب ہی دروازہ ناک کر کے کوئی اندر آیا تھا آنے والی ایمان تھی۔ وہ چونک کر رکی۔ اسے دیکھ کر اشعر نے اپنے گالوں پہ پھسل آنے والے آنسو صاف کیے اور رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"سوری میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا لیکن فرح ارفہ آپی کو پھوپو باہر لانے کا کہہ رہی ہیں۔" وہ کمرے میں پھیلی ہوئی اداسی کو نظر انداز کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں فرح سے مخاطب ہوئی۔

"آں...... ہاں چلیے محترمہ آپ کا بلاوا آیا ہے۔" چونکہ نکاح کی رسم کچھ دیر قبل ہو چکی تھی، اب رخصتی باقی رہ گئی تھی۔ ایمان نے بھی باہر کی جانب قدم بڑھائے جب اس کی آواز پہ وہ ٹھٹک کر رکی۔

"رکو...... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس کی آواز میں کچھ ایسی سنجیدگی پنہاں تھی کہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی۔

"جی کہیے میں سن رہی ہوں۔" وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"میرا خیال ہے ابھی ہمارے تعلقات میں اتنی بھی دوری نہیں ہوئی کہ ہمیں کوسوں دور کھڑے ہو کر بات کرنی پڑے۔"

"او...... 'تعلقات' بائی داوے ایسے کون سے تعلقات ہیں ہمارے بیچ جن کا حوالہ آپ مجھے دے رہے ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی مگر اس نے نظر انداز کر دیا۔

"رشتہ داروں سے تمہیں کوئی سروکار نہیں اس لیے اس تعلق کو چھوڑ دیتے ہیں، اس کے باوجود ہم دوست ہیں، اس سے بڑا تعلق اور کیا ہوگا تمہاری نظر میں، ایک اور تعلق بھی ہے ہم دونوں کے بیچ جسے تم چاہنے کے باوجود جھٹلا نہیں سکتیں۔" اس نے بڑی گہری نگاہوں سے تکتے ہوئے معنی خیز بات کی۔ دفعتاً وہ چونکی، ایک پل کو اس کی آنکھوں میں جھانکا، دوسرے ہی پل وہ نظریں چرا گئی۔

"مم...... مطلب کیا ہے تمہارا، کہنا کیا چاہتے ہو تم؟" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے بڑی درشتگی سے استفسار کیا۔ اشعر نے اس کے انداز مخاطب پر بڑے غور سے اسے دیکھا پھر بنا کچھ احساس دلائے گویا ہوا۔

"فی الحال تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری ناراضی کب ختم ہوگی اگر تم اپنے کزن سے ناراض ہو تو دوست سے کیسی ناراضی، اس میں اس کا کیا قصور، اب بس کرو پلیز یار مان جاؤ ناں۔" اس کے لہجے میں لجاجت و بے بسی کا ملا جلا تاثر تھا۔ جسے اس نے یکسر نظر انداز کر دیا۔

"میں کسی سے بھی ناراض نہیں ہوں۔"

"وہی بے نیازی، وہی پرایا انداز، لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔"

"اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے تو اس میں میں کیا کر سکتی ہوں۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اس کی ماموں زاد (حیات احمد) کی سب سے چھوٹی بیٹی مدیحہ وہاں چلی آئی، ان دونوں کو کمرے میں اکٹھے دیکھ کر وہ ایک پل کو چونکی۔

"اشعر تم یہاں ہو؟ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے تمہیں، تمہارے بغیر بالکل بھی مزا نہیں آ رہا تھا مجھے۔" ایمان کو یکسر نظر انداز کیے وہ بڑی لگاوٹ سے اشعر سے مخاطب ہوئی۔ اس کے انداز پر اشعر نے کنکھیوں سے ایمان کو دیکھا۔ وہ بے نیاز بننے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی جس میں کامیاب بھی رہی۔

"آئم سوسوری مدیحہ، میں بس آ ہی رہا تھا۔"

"اٹس اوکے، اب چلو ناں پلیز۔" آگے بڑھتے ہوئے اس نے یکلخت اشعر کا ہاتھ پکڑا، اس کی حرکت پہ وہ کوفت کا شکار ہوا پھر نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولا۔

"ارے ٹھہرو بھئی، ایمان سے تو مل لو۔" اس کی بات پہ مدیحہ نے سرسری سی نگاہ بے نیاز کھڑی ایمی پر ڈالی اور بولی۔

"ہنہ...... مجھے کوئی شوق نہیں ہے ملنے کا۔" انداز از حد نخوت بھرا تھا۔

ایمان نے کچھ جتاتی ہوئی طنزیہ نگاہوں سے اشعر کی جانب دیکھا اور استہزائیہ مسکرا دی پھر ان سے پہلے ہی وہ وہاں سے چلی گئی اور اشعر نے ایک گہری سانس

خارج کی تھی۔

وہ جلدی جلدی کرتے بھی پورے بیس منٹ لیٹ تھی اور اب باس کے غصہ کا سوچ کر وہ بوکھلا رہی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی اسے اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جب فرح اس کے پاس آئی۔

"اف ایمی جانتی ہو پورے بیس منٹ لیٹ ہو تم، باس دو دفعہ پوچھ چکے ہیں تمہارا۔"

"کک...... کیا، اوہ نو...... ہائے فرح میں تو......" ابھی وہ اپنا جملہ بھی مکمل نہ کر پائی تھی کہ پیون بوتل کے جن کی طرح سر پہ آن کھڑا ہوا۔

"میڈم آپ کو صاحب اندر بلا رہے ہیں۔" اس کی بتیسی حسب معمول باہر تھی جو اسے ایک آنکھ نہ بھائی۔

"آں...... ہاں مم...... میں آ رہی ہوں، فرح مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مم...... میں کیا کروں؟" پیون کو جواب دے کر وہ فرح کے آگے منمنائی۔

"اوہو ایمی، باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اندر جاؤ ورنہ اور زیادہ ڈانٹ پڑے گی۔" فرح کے کہنے پر وہ تیزی سے باس کے کمرے کی طرف بڑھی اور ڈرتے ہوئے اس نے دروازہ ناک کیا۔

"یس کم ان۔" باس کی گرج دار آواز سن کر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوئے، کپکپاتی ٹانگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

"اوہ مس ایمان آئی ہیں، میڈم آپ نے آنے کی زحمت کیوں کی، مجھے بلوا لیا ہوتا، میں خود آ جاتا آپ کے پاس۔" باس کا اتنی عزت و تکریم والا طنزیہ انداز دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ آج اس کی خیر نہیں۔ وہ دل ہی دل میں "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو" کا ورد کرنے لگی۔

"اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟"

"جج...... جی سر......" باس کے پراسرار انداز پر وہ اور سہم گئی۔

"بائی دا وے آفس ٹائمنگ کیا ہیں؟"

"وہ بس سر...... نو بجے۔" زبان بھی ہکلانے لگی تھی۔

"تو اب ٹائم کیا ہوا ہے؟" خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"س...... سر...... نن...... نو پچیس ہوئے ہیں۔" وہ جان گئی تھی گرج چمک شروع ہونے والی ہے۔

"جانتی ہیں پورے پچیس منٹ لیٹ ہیں آپ۔" ان کی آواز قدرے اونچی ہوئی۔

"نن...... نو سر میں بیس منٹ لیٹ ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے تصحیح کی، ورنہ مزید پانچ منٹ ڈانٹ سننا پڑتی۔

"شٹ اپ۔"

"سوری سر۔" وہ دھیرے سے منمنائی۔

"واٹ سوری، ایک ذرا سا لفظ بول کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ نے گزرے ہوئے وقت کو واپس لے لیا ہے یا آپ کا یہ چار حرفی لفظ بولنے سے بڑے سے بڑے نقصان کی تلافی ہو گئی؟ کہا جاتا ہے ہمارا ملک ترقی نہیں کرتا، کیسے کرے ہمارا ملک ترقی جب تک ہم اصول و ضوابط کو مدنظر نہ رکھیں، وقت کی پابندی کو اپنا منشور نہ بنا لیں، جب تک ہم ان باتوں کو اون نہیں کریں گے تو آنے والی نسلیں کیسے ہماری پیروی کریں گی۔ تب تک امپاسبل ہے کہ ہمارا ملک ترقی کی جانب گامزن ہو، جب نسل در نسل وقت کی پابندی کو اہمیت نہ دی جائے، تو آنے والی نسلیں پستی میں ہی گریں گی ناں کہ ترقی کی طرف بڑھیں گی۔ ہمارے آنے والی نسلیں ہمارا آئینہ دار ہیں، ہمارے ملک کا سرمایہ ہیں۔" ان کا لیکچر شروع ہو چکا تھا اور وہ سر جھکائے بے بسی کی تصویر بنی سن رہی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ان کی باتیں اس کے لیے اہمیت کی حامل نہیں تھیں۔ وہ جو بھی کہہ رہے تھے وہ سو فیصد ان سے متفق تھی۔ اس لیے بنا برا منائے ہمیشہ سنتی تھی اور باوجود کوشش کے بہت کم عمل کر پاتی تھی۔ زندگی میں وہ دو ہی لوگوں کے غصے سے ڈرتی تھی۔ ایک اثبات احمد (والد) اور دوسرے اپنے باس احمد ہمدانی سے، دونوں ہی اصولوں کے پابند تھے۔ ان دونوں کے لیے اس کے دل میں از حد عزت واحترام تھا۔

"مس ایمان میں آپ کو لاسٹ وارننگ دیتا ہوں، اب اگر آپ ٹائم پر آفس نہ آئیں تو اپنے آپ کو اس جاب سے فارغ سمجھیے گا۔"

"یہی تو میں چاہتی ہوں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"واٹ......؟" وہ چلائے۔

"مم...... میرا مطلب ہے سر۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" وہ گڑبڑائی تب ہی اس نے کسی کے ہلکا سا کھنکارنے کی آواز سنی مگر نظر انداز کر گئی۔

"اوکے...... یو مے گو ناؤ۔" وہ جونہی پلٹی اس کی نظریں دائیں جانب صوفے پر براجمان اشعر کی نظروں سے ٹکرائیں۔ اس کی آنکھیں حیرت کی انتہا سے پھٹ گئیں جبکہ وہ ہونٹوں پر شرارتی مسکان سجائے بغور اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ دوسرے ہی پل ہونٹ سختی سے بھینچتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ اشعر کے والد حسان مرتضیٰ، احمد ہمدانی کے بزنس پارٹنر تھے لہٰذا ان کا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔ آج بھی شاید وہ کسی کام کے سلسلے میں آیا تھا مگر وہ اپنی ہی دھن میں اسے دیکھ نہ پائی تھی۔

آج جب وہ آفس سے باہر نکلا تو موسم کی دل فریبی نے یکلخت مزاج پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، ٹھنڈی خوشگوار ہوائیں بہت خوب صورت احساس جگا رہی تھیں، گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کے سیل کی بپ ہوئی تھی۔ اسکرین پر مدیحہ کا نمبر دیکھ کر اس نے برا سا منہ بنایا، بادل نخواستہ بٹن دباتے ہوئے موبائل کان سے لگالیا۔

"ہیلو مدیحہ ہاؤ آر یو، کہو کیسے فون کیا؟" اس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہی خوش اخلاق واقع ہوا تھا۔ وہ اسے مدعو کر رہی تھی اصرار کے ساتھ۔

"آئم ایم سوری مدیحہ، میں نہیں آسکوں گا۔" اس کے انکار پر اس نے وجہ دریافت کی۔

"ہاں یار بہت ضروری کام ہے، ایکچوئیلی مجھے ہمدانی صاحب کی طرف جانا ہے۔ ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں کچھ خاص ڈسکشن کرنی ہے۔"

"یس آئی نو۔ آفس ٹائم اوور ہو چکا ہے لیکن مجھے ان کے گھر جانا ہے...... سو آئم سوری یار۔ میرا جانا از حد ضروری ہے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، ان شاء اللہ نیکسٹ ٹائم او کے بائے۔" وہ اسے ڈنر پر انوائٹ کر رہی تھی۔ اس کی یہ کزن آج کل کچھ زیادہ ہی اس پر مہربان ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے گاہے بگاہے ارد گرد کا نظارہ بھی کر رہا تھا۔ لوگوں کو موسم کی دلکشی کا فائدہ اٹھاتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ تب ہی اس کے ہونٹ سیٹی نما انداز میں سکڑے، سڑک کے کنارے بےزار سی کھڑی ایمان کچھ جھنجھلائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ سلکی بالوں کی لٹیں مسلسل آوارگی پہ آمادہ تھیں وہ بار بار انہیں کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی مگر ہوا کی تندی انہیں ہر بار اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ اشعر کے ہونٹوں پہ رقص کرتی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی، اس نے گاڑی ایک جھٹکے سے اس کے قریب روکی تھی۔ گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کے متوجہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ شاید اس کی نگاہوں کی تپش نے اسے اس جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم یہاں ایسے کیوں کھڑی ہو؟"

"کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے کیا؟" جواب حسب توقع تھا۔

"ارے نہیں بھئی، مجھے بھلا کیوں اعتراض ہونے لگا۔ میں تو اس لیے پوچھ رہا ہوں کیونکہ آج سے پہلے تمہیں یوں ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے نہیں دیکھا۔" اس کے اکھڑے ہوئے لہجے کو اس نے قطعاً اہمیت نہ دی۔

"پہلے نہیں دیکھا مگر آج تو دیکھ لیا ناں، اب آپ جائیے پلیز۔" لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔

"ویسے تمہاری گاڑی کہاں ہے؟" وہ قطعاً متاثر نہیں ہوا تھا۔

"میری گاڑی گئی بھاڑ میں آپ پلیز اپنا راستہ ناپیے۔" وہ چلائی۔

"انٹرسٹنگ، چلو تمہیں ڈراپ کر دوں۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"نو تھینکس، میں خود چلی جاؤں گی۔" نظریں مستقل

ٹیکسی کی تلاش تھیں۔

"ضد مت کرو چلو میں تمہیں چھوڑ دوں۔" وہ مصلحت آمیز لہجے میں بولا۔

"ایک احسان کریں گے مجھ پر۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو اسے چونکا گیا۔

"ہوں...... کہو......" حیرانگی سے استفسار کیا۔

"اللہ کا واسطہ ہے میرا پیچھا چھوڑ دیں پلیز، جیسے اور سب میرے رویے سے تنگ آ کر مجھے میرے حال پر چھوڑ چکے ہیں۔ آپ کیوں نہیں چھوڑ دیتے مجھے میرے حال پر، کوئی واسطہ نہیں ہے میرا آپ سے اور نہ ہی کوئی واسطہ میں آپ سے رکھنا چاہتی ہوں، کیوں بار بار مجھے تنگ کرنے میری راہ میں چلے آتے ہیں۔ خدارا مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے پلیز۔" بوجھل لہجے میں کہتے ہوئے یکبارگی اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

کچھ پل تو وہ اس کی جانب دیکھتا رہا پھر اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کے رویے نے اشعر کو بہت دکھی کر دیا تھا۔ بنا کچھ کہے وہ ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

❀......❀......❀

اس دن کی ملاقات کے بعد اشعر نے اسے مخاطب کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اگر کبھی آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو دونوں ایک دوسرے کو یکسر نظر انداز کیے آگے بڑھ جاتے۔ دونوں کے درمیان اجنبیت کی ایک ان دیکھی دیوار سی کھڑی ہوگئی تھی۔ ایمان پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔ فرح کو اس کی سنجیدگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چاہنے کے باوجود وہ کچھ نہ کر پا رہی تھی۔ محض کڑھ کر رہ جاتی۔ آج اتنے دنوں بعد وہ ایمان کو زبردستی ریسٹورنٹ میں گھسیٹ لائی تھی۔

"ہوں...... اب بتاؤ مجھے یہ سنجیدگی، یہ دبیز خاموشی کا دورہ کس خوشی میں پڑا ہے۔" ویٹر کو آرڈر دینے کے بعد وہ پوری طرح ایمان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی بعض اوقات بول بول کر بھی دل اکتا سا جاتا ہے۔ اب خاموش رہ کر زندگی کو انجوائے کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ زندگی میں ہر طرح کا چینج لانا چاہیے، اگر ایک ہی ڈگر پر زندگی رواں دواں رہے تو بوریت محسوس ہونے لگتی ہے۔ میں ہر طرح سے زندگی کو جینے کی کوشش کر رہی ہوں، سنجیدگی میں بھی ایک اپنا ہی چارم ہے۔" اس کا انداز کچھ کھویا کھویا سا تھا۔

"آں...... ہاں وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں، کچھ عرصے سے دھڑا دھڑ چینجز آ رہے ہیں تمہاری زندگی میں، کہیں فرینڈز کو بھی بدلنے کا ارادہ تو نہیں محترمہ کا؟" فرح نے بات کو مزاح کا رنگ دیا۔

"ہو بھی سکتا ہے۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"واٹ...... تم...... تمہیں میں جان سے مار دوں گی اگر ایسا کچھ سوچا بھی تو۔" وہ فوراً مارنے کے لیے لپکی۔ اس کے انداز پر ایمان کو ہنسی آ گئی، جسے فرح نے مسرت آمیز حیرت سے دیکھا۔

"ریلیکس ڈیئر...... یہ گھر نہیں پبلک پیلس ہے، اپنے خطرناک ارادوں کو گھر چل کر عملی جامہ پہنانا، فی الحال تو بھوک لگی ہے، یہ تمہارا ویٹر ابھی تک نہیں آیا۔ کہیں جا کر سو تو نہیں گیا؟" اس نے متلاشی نگاہیں ویٹر کی تلاش میں دوڑائیں، ویٹر تو نہیں البتہ سامنے ہی مدیحہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف اشعر نظر آیا۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو میں وہ خاصا اداس سا دکھائی دے رہا تھا۔ بڑی ہوئی شیو میں وہ کچھ زیادہ ہی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ تب ہی اشعر نے سرسری سا اس جانب دیکھا۔ دوسرے ہی پل اس کی نظریں اس کے چہرے پہ جم سی گئیں، ایمان نے گھبرا کر فوراً ہی نظریں چرائیں، بنا دیکھے بھی وہ جانتی تھی کہ اس کی نظریں بھٹک بھٹک کر اس کے چہرے پر پڑ رہی ہیں۔ تب ہی ویٹر کھانا سرو کرنے لگا۔

"آج کل مدیحہ کے بہت چکر لگنے لگے ہیں پھوپو کے ہاں، آئے دن ٹپک پڑتی ہیں محترمہ۔" کھانے کے دوران فرح گویا ہوئی۔

"تو...... اس میں ایسی کون سی بات ہے بھئی، وہ اس کی پھوپو کا گھر ہے، جب چاہے آئے، تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے، میں تو صرف اس لیے کہہ رہی تھی کہ اس کی حرکتیں بڑی عجیب سی ہیں بھئی، مجھے تو بڑی آکورڈ سی لگتی ہیں جب اشعر گھر میں موجود ہو تب ہی محترمہ کو ٹپکنا ہوتا ہے۔ ہونٹوں پہ ہمہ وقت اشعر کی گردان رہتی ہے۔ قسم سے ایمی، ایسی ایسی چیپ حرکتیں کرتی ہے میں بتا نہیں سکتی تمہیں۔" اس کی بات پہ وہ ایک لمحے کو چونکی، فرح نے کنکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"تو مت بتاؤ، میں کہاں پوچھ رہی ہوں تم سے؟" نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے وہ لاپروائی سے بولی۔

"ایمی کل تائی جی آئی تھیں پھوپو کے ہاں۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں اس وقت پھوپو کے کچن میں تھی سبین آپیا کے ساتھ، جب تائی جی اپنی صاحب زادی کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھیں، ان کا خیال ہے کہ مدیحہ اور اشعر میں بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ ہوگئی ہے۔ ڈھکے چھپے انداز میں وہ پھوپو سے مدیحہ کے لیے کہہ رہی تھیں اور......" ایمی نے اسے روکا۔

"ایک منٹ، یہ سب تم مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" اس نے فوراً اس کی بات کاٹی، کھانے سے اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا، یکبارگی دل میں عجب بے چینی و اداسی نے سر اٹھایا تھا۔

"پاگل ہوگئی ہوں ناں اس لیے بھینس کے آگے بین بجا رہی ہوں۔" وہ چڑ سی گئی۔ ایمی نے قہقہہ لگایا۔

"ہاہا...... وری فنی۔ یو نو ایمی تم بالکل "وہ" ہو جو خود اپنی خوشیوں کو داؤ پہ لگانا چاہتی ہو۔ محض اپنی جذباتیت کے باعث۔"

"تھینک فار دا کمپلیمنٹ، لیکن یہ "وہ" کیا ہے؟"

"بی سیریس ایمی...... دیکھو ایمی میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری یہ خود ساختہ ناراضی کب تک چلے گی۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوئی۔

"ایک ذرا سی بات کے لیے تم اپنے دوست اور اپنی محبت کو کھو رہی ہو، اس نے صرف اتنا سا ہی تو شکوہ کیا، وہ بھی محض ایک مذاق میں، سو واٹ ایمی، وہ تمہارا دوست ہے، حق ہے اس کا تم پر، دوستوں میں اس طرح کے مذاق تو چلتے ہی ہیں۔"

"ہاں چلتے ہیں مذاق لیکن اگر دوست نے کیے ہوں تو، وہ سب کچھ میرے کزن نے کہا تھا دوست نے نہیں، بجائے میرے زخموں پر مرہم لگانے کے نمک چھڑکا تھا اس نے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان دنوں میں کتنی ڈپریسڈ تھی۔ امی کا رونا دھونا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ابو الگ سب سے ناراض اپنے بھائی صاحب کی جدائی کا روگ لیے بیٹھے تھے۔ بھائی نے گھر آنا چھوڑ دیا تھا، اوپر سے رشتہ داروں کا ناروا سلوک پھر بھی اس نے ایسا کہا۔" وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

"لیکن ایمی تم......" وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"فرح پلیز فارگیٹ اٹ یار۔ آئی تھنک اب ہمیں چلنا چاہیے کافی دیر ہوگئی ہے امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ فرح چاہنے کے باوجود اس سے مزید کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی۔

ایمان اسے کچھ دیر پہلے گھر چھوڑ کر گئی تھی۔ کھانا وہ اس کے ساتھ کر چکی تھی۔ ممی، پاپا کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ کر وہ اپنے کمرے کی جانب چلی آئی۔ ابھی دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا جب ہی اس کے سیل نے گنگنانا شروع کردیا۔ ایمی کا نام دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

"ہاں ایمی بولو کیا بات ہے؟"

"واٹ...... کیا ہوا ہے انہیں؟ اونو، اوکے اوکے ڈونٹ وری یار میں آ رہی ہوں، ہاں آ رہی ہوں تم پلیز رو تو مت ناں۔" دوسری طرف ایمان بے تحاشا رو رہی تھی۔ وہ بے حد پریشان ہوگئی کچھ سیکنڈ سوچنے کے بعد اس نے اشعر کا نمبر ملایا۔

"ہیلو...... ہاں اشعر تم اس وقت گھر پہ ہو کیا؟"

"خیریت نہیں ہے، تم ایسے کرو گاڑی اندر مت لے کر جانا، میں ابھی آ رہی ہوں، او ہو آ رہی ہوں ناں آ کر بتاتی

ہوں۔" ممی کو بتا کر وہ تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھی۔
"ایمی کے گھر چلو فوراً۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ اشعر سے بولی۔
"کیا مجھے تم بتاؤ گی ہوا کیا ہے؟" اس کے انداز پر وہ جھنجلایا۔
"چند منٹ پہلے ایمی کا فون آیا تھا، آنٹی کو جانے کیا ہوا ہے۔ وہ بہت رو رہی تھی اشعر۔"
"واٹ پھوپو کو...... کیا ہوا پھوپو کو؟" اس کے چہرے پر یکبارگی پریشانی جھلکنے لگی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اشعر اپنی پھوپو سے کتنی محبت کرتا ہے۔
"آئی ڈونٹ نو، جس طرح وہ رو رہی تھی، اس سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ مسئلہ کافی سریس ہے۔ تم پلیز گاڑی تیز چلاؤ۔" تیس منٹ کا فاصلہ اس نے بیس منٹ میں طے کیا، گیٹ پہلے سے کھلا ہوا تھا، گاڑی باہر ہی کھڑی کر کے وہ دونوں اندر کی جانب لپکے، ایمان کچن کے دروازے کے بیچ بے ہوش پڑیں نفیسہ بیگم کا ہاتھ پکڑے زار و قطار رو رہی تھی۔
"ایمی کیا ہوا آنٹی کو؟" فرح تیزی سے آگے بڑھی۔
"فرح پلیز کچھ کرو، مم میری امی کو بچا لو فرح پلیز۔" اس نے شاید اشعر کو نہیں دیکھا تھا۔ اشعر نے فوراً سے پیشتر آگے بڑھ کر نفیسہ بیگم کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھا۔ فرح ایمان کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی گاڑی تک لائی، نفیسہ بیگم کو اپنڈکس ہوا تھا۔ ان کی کنڈیشن کافی سریس تھی۔ ڈاکٹرز نے انہیں فوری ٹریٹمنٹ دینا شروع کر دیا تھا۔ ان کی طبیعت کا سن کر ایمان کی حالت دگرگوں اور چہرہ متغیر ہو گیا، وہ مسلسل رو رہی تھی، اشعر سے اس کا رونا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہا تھا جب ہی اس نے فرح کو مخاطب کیا۔
"فرح، پلیز یار اسے تو چپ کراؤ۔" اشعر کے کہنے پر ایمان نے یکلخت اس کی جانب دیکھا، وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ عرصہ سے وہ کتنا برا برتاؤ کر رہی تھی اس کے ساتھ۔ اس کے باوجود اشعر نے کتنا ساتھ دیا تھا۔ عثمان کسی کام کے سلسلے میں گھر شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ گھر میں وہ اکیلی تھی اور ایسی سچویشن میں تو ویسے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے۔ اگر یہ دونوں آج اس کے ساتھ نہ ہوتے تو جانے کیا ہو جاتا۔ احساس تشکر سے اس کی آنکھیں چھلکنے لگیں، خبر ہوتے ہی حسان مرتضیٰ، فریدہ بیگم، سبین، شہیر اور فرح کے ممی پاپا ہاسپٹل آ گئے تھے۔ ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر آئے تو اشعر بے تابی سے آگے بڑھا۔
"ڈاکٹر پھوپو اب کیسی ہیں؟"
"ناؤ شی از فائن...... لیکن اگر آپ انہیں ٹائم پر نہ لاتے تو بہت مشکل ہو جانی تھی۔" ڈاکٹر کے تسلی آمیز جواب پہ سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔
"امی پاپا میرا خیال ہے آپ سب اب گھر جایئے رات کافی ہو چکی ہے۔ صبح آ جایئے گا اور بھائی اسے بھی ساتھ گھر لے جایئے۔ میں ہوں یہاں پر۔" آہستگی سے کہتے ہوئے اس نے ایمان کی جانب اشارہ کیا۔
"چلو ایمی گھر چلیں۔" سبین نے ایمان سے کہا۔
"نہیں اپیا میں امی کے پاس رکوں گی۔ آپ جائیں پلیز۔"
"اشعر ہے ناں یہاں ایمی، ہم صبح آ جائیں گے۔"
"میں نے کہا ناں اپیا میں یہیں رکوں گی۔ آپ پلیز جائیں۔" سب کی موجودگی میں اس نے اپنے لہجے کو حتی المقدور نرم ہی رکھا تھا۔ اشعر نے لب بھینچتے ہوئے خود کو کچھ بھی کہنے سے روکا۔

سب کے جانے کے بعد وہ نفیسہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بغور انہیں دیکھنے لگی۔ چند گھنٹوں میں کتنی کمزور سی ہو گئی تھیں۔ چہرہ بالکل زرد ہو گیا تھا۔ انہیں اس طرح ہاسپٹل کے بیڈ پر مریضوں کی طرح لیٹے دیکھ کر اس کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک پڑی تھیں۔ اشعر جب کمرے میں آیا تو وہ رو رہی تھی۔ وہ چڑ گیا۔
"ایک تو یہ لڑکی بھی ناں، لگتا ہے آج آنکھوں میں سمندر بھر کے لائی ہے۔" وہ کوفت کا شکار ہوتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا لیکن اسے مخاطب کرنے کی غلطی نہیں کی۔ خاموشی سے جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایمان اسے آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ تب ہی آنسو پونچھتے ہوئے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا اسے مخاطب کیسے کرے۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو جب چاہے، جس وقت دل چاہے بلا جھجک ہر بات کرلیا کرتی تھی مگر تب میں اور اب میں بہت فرق تھا۔ ایک عجیب سی جھجک آڑے آرہی تھی۔ اشعر اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہا تھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید اسے اس کی یہاں موجودگی ناگوار گزر رہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اٹھ کر باہر جانے لگا تب ہی اس نے پکارا۔

"تم...... کہاں جارہے ہو؟" اس کے استفسار پر اشعر نے پلٹ کر حیرانگی سے دیکھا مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

"اگر تم سونا چاہتی ہو تو سو جاؤ، میں باہر ہوں جب ضرورت ہو بلا لینا۔" حیرت چھپاتے ہوئے وضاحت دی۔

"نہیں، تم یہیں رہو۔ مجھے نیند نہیں آرہی۔" آہستگی سے کہہ کر اس نے نظریں چرائیں۔

"اشعر......" ان دونوں کے بیچ خاموشی کو اس نے خود توڑا۔

"ہوں۔"

"میں تمہیں شکریہ کہنا چاہتی تھی۔" وہ ذرا سا ہچکچائی۔

"تھینکس فور واٹ؟" اس نے حیرت سے بھنوئیں اچکائیں۔

"آج تم نے ہمارا اتنا ساتھ دیا۔ اگر تم وقت پر نہ آتے تو جانے کیا ہو جاتا۔ اسی لیے میں تمہیں......"

"ایکسکیوزمی یہ جو اس وقت یہاں پہ ہیں۔ یہ میری پھوپو ہیں، بہت عزیز ہیں یہ مجھے، یہ سب میرا فرض تھا۔ میں نے جو کچھ کیا "اپنی" پھوپو کے لیے کیا، صرف اور صرف "اپنی" پھوپو کے لیے۔ ویسے بھی "اپنے" ہی "اپنوں" کے کام آتے ہیں اور ہاں مگر آپ کیا جانیں اپنوں کی محبت کو، جو لوگ نفرت کی چادر سر سے لے کر پاؤں تک اوڑھ لیں وہ کیونکر اپنوں کے خلوص کو جانچ پائیں گے، جن کی آنکھوں سے ہر کسی کے لیے نفرت کی لپٹیں نکلیں تو وہ کیا دیکھیں گے اپنوں کی محبت کو۔ جن کی آنکھوں پر نفرت کی ان دیکھی پٹی بندھ جائے۔ وہ چاہنے کے باوجود اپنی محبت کو کھوج نہیں پاتے، اپنے ہاتھوں سے اپنا سب کچھ کھو دیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے پچھتاوے ہی ان کا مقدر ٹھہرتے ہیں۔" بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور وہ کہاں لے آیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ یہ سب اسے ہی سنا رہا ہے مگر دانستہ وہ خاموش رہی نہ جانے کیوں؟

نفیسہ بیگم ہاسپٹل سے گھر آگئی تھیں۔ ایمان نے آفس سے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تھی۔ وہ ہر طرح سے ان کا خیال رکھ رہی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں میں وہ خاصی لاپروائی برت چکی تھی۔ اب اس لاپروائی کا ازالہ کرنا چاہ رہی تھی۔ اپنی جذباتیت کے باعث وہ بہت کچھ بگاڑ چکی تھی۔ اب اسے سدھارنے کی کوشش کررہی تھی۔ ان چند دنوں میں جس طرح حسان مرتضیٰ کی فیملی نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ وہ اپنے گزشتہ رویے پر بے حد ندامت محسوس کررہی تھی۔ خصوصاً اشعر سے کیونکہ عثمان کی عدم موجودگی میں اشعر نے نفیسہ بیگم کا بے حد خیال رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایمان کو مسلسل نظر انداز کررہا تھا۔ بات کرنا تو کجا ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں تھا اسے۔ اس کی یہ خاموشی اس کی یہ لاتعلقی اسے برداشت نہیں ہورہی تھی۔ اس کے لہجے کی تیزی وہ اکھڑپن بہت حد تک کم ہوگیا تھا۔ فرح اس کی یہ خوش آئین تبدیلی اور اشعر کی لاتعلقی بغور جانچ رہی تھی مگر خاموش تھی حالانکہ ایمان کے چہرے پہ چھائی اداسی اور آزردگی سے بھی لاعلم نہیں تھی لیکن وہ چاہتی تھی کہ وہ خود احتسابی کے دور سے گزرے۔

آج اتوار کا دن تھا۔ حسان مرتضیٰ کی ساری فیملی نفیسہ بیگم کے ہاں اکٹھی تھی۔ عثمان بھی خلاف معمول گھر پر ہی تھا۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔ ایمان خاموشی سے فرح کے پاس آکر بیٹھ گئی، اس کے عین سامنے اشعر، عثمان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔ وہ خاموشی سے ان سب کی باتیں سننے لگی۔

"نفیسہ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" حسان مرتضیٰ نے چائے کاسپ لیتے ہوئے اپنی بہن سے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی جان، آپ بار بار کیوں پوچھ رہے ہیں، کس طرح یقین دلاؤں آپ کو، ویسے بھابی اتنی بیمار میں ہوئی نہیں جتنا آپ سب نے مجھے بنادیا ہے۔ جس طرح آپ نے میرا خیال رکھا ہے، میں بہت شکر گزار ہوں آپ کی، ورنہ میری یہ بیٹی یا تو روسکتی ہے یا پھر ضرورت سے زیادہ جذباتی ہوسکتی ہے۔" نفیسہ بیگم نے ہنستے ہوئے ایمان کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ تم کیسی باتیں کررہی ہو نفیسہ، اسی کو اپنا پن کہتے ہیں۔" جواباً فریدہ بیگم بولیں۔

"اور سناؤ برخوردار تمہارا بزنس کیسا چل رہا ہے؟" یکبارگی حسان مرتضیٰ نے عثمان سے استفسار کیا۔

"ایک دم فسٹ کلاس ماموں جان۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"شاباش بیٹا، اتنے تھوڑے سے عرصے میں بزنس کو خوب جمایا ہے تم نے۔ اپنی ذمہ داریوں کو جس طرح سنبھالا ہے تم نے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے مجھے، اللہ تمہیں مزید ترقی دے۔"

"بھائی جان، بہت ہمت والا ہے میرا بیٹا۔ آپ تو جانتے ہیں ناں، جب بھائی صاحب (حیات احمد) نے ہمارا حصہ علیحدہ کیا تھا تو اس وقت بالکل اکیلا تھا میرا بیٹا۔ بے شمار مشکلات کا سامنا تھا اسے لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ دن رات ایک کردیا تھا اس نے بزنس کو اسٹیبلش کرنے میں، فخر ہے مجھے اپنے بیٹے پر۔" نفیسہ بیگم کی آنکھوں میں اپنے بیٹے کے لیے بے حد پیار جھلک رہا تھا۔

"اور اپنے اس ہمت والے بیٹے کی شادی کب کررہی ہیں پھوپو؟" شہیر نے بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

"بیٹا میں تو کب سے کہہ رہی ہوں مگر یہی مان کے نہیں دے رہا۔" جواباً نفیسہ بیگم بولیں۔

"وہ کیوں برخوردار، منگنی کی اتنی جلدی تھی اب شادی میں ییتال مٹول کیسی؟" حسان مرتضیٰ نے حیرانگی سے دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ماموں جان، پچھلے کچھ دنوں میں، میں خاصا مصروف بزی رہا، اب جبکہ حالات معمول پر ہیں تو ان شاء اللہ یہ معاملہ بھی نبٹالیں گے۔" ان سب کو خوش گپیوں میں مصروف دیکھ کر ایمان چپکے سے باہر چلی آئی اور لان کی سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔ ان دنوں اس کا دل بوجھل تھا۔ بات بات پہ دل بھرآتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا تھا وہ گھٹنوں پر سر رکھے رو رہی تھی۔ اسے اپنی یہ کیفیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اشعر کے ساتھ روا رکھے اپنے گزشتہ رویے پر نادم تھی یا اس کا نظر انداز کرنا اس سے برداشت نہ ہورہا تھا یا پھر دن بدن مدیحہ کی طرف اشعر کے بڑھتے ہوئے التفات نے اسے گہرے اضطراب میں مبتلا کردیا تھا۔ شاید وہ سمجھ رہی تھی یا سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ معاوہ چونکی کسی نے اس کے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھا تھا۔ اس نے سرعت سے سر اٹھا کر دیکھا۔ فرح بغور اسے ہی دیکھ رہی تھی پھر گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"ہوں تو محترمہ آنسو بہارہی ہیں۔ بائی داوے یہ بن بادل برسات کیوں؟" وہ بجائے اس کی جانب دیکھنے کے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی دل بھرآیا تھا۔" آنسو صاف کرتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

"خیر ایسے تو نہیں یہ "دل" بھرآتا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہی ہوتی ہے اور وہی وجہ میں جاننا چاہتی ہوں۔ آفٹر آل میں تمہاری دوست ہوں اور دوست ہی دوست کے کام آتے ہیں۔" اس کے آنسوؤں کو خاطر میں لائے بغیر وہ مسلسل بول رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے حیرت سے دیکھا۔

"مطلب یہ مائی ڈیئر فرینڈ، رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے، محض آنسوؤں کے بل بوتے پر یا پھر خود کو آزردہ ظاہر کرنے پر آپ یہ سمجھیں کہ دوسرا فریق سمجھ چکا ہے کہ آپ اپنے گزشتہ رویے پر شرمندہ ہیں تو یہ سراسر بیوقوفی ہے اور کچھ نہیں، بھئی ہوسکتا ہے دوسرا فریق بھی آپ کی طرح انا کے زعم میں جکڑا ہوا ہو یا پھر آپ کی طرف سے پیش قدمی کا منتظر

ہو، تو مائی ڈیئر ایسے میں کسی ایک کو تو جھکنا ہی پڑے گا ناں اور وہ ''کوئی ایک'' تم ہو یا اشعر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس کی بات پر وہ چونکی۔

''تت...... تم...... فرح......''

''لیس مائی ڈیئر، میں بہت دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ محترمہ خاصی افسردہ سی لگ رہی ہیں اور تمہارا یہ جو حسین چہرہ ہے ناں آئینے کی طرح بالکل صاف شفاف ہے۔ سب کچھ عیاں کر دیتا ہے، میں تمہاری اداسی کی وجہ کو اچھی طرح سے بھانپ چکی تھی۔ صرف اس لیے خاموش تھی تاکہ تم خود کو اچھی طرح سے جانچو کہ تم اپنی اس جذباتی طبیعت کے ہاتھوں کتنا بڑا نقصان کرنے جا رہی ہو، میرا خیال تھا کہ تم جان گئی ہو اور تم جان بھی چکی تھیں مگر پھر وہ ہی ''انا'' آڑے آ گئی محترمہ کی، اس لیے مجھے ہی میدان میں کودنا پڑا۔ دیکھو ایمی، بات اتنی بڑی نہیں تھی اس نے مذاق کیا تھا اور دوستوں میں مذاق ہوتا ہی ہے پھر تم ذرا سی بات کو لے کر ناراض ہو گئی۔ اس نے منانے کی کوشش بھی کی پر تم نے مسئلہ بنا لیا۔ اب تمہاری باری ہے کہ تم اس کو منالو۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''لیکن فرح میں کیسے؟ وہ بات تک تو کرتا نہیں ہے، مجھ سے، الٹا مجھے نظر انداز کر رہا ہے۔'' وہ خاصی بے بس دکھائی دے رہی تھی۔

''اس میں بھی قصور تمہارا ہی ہے۔ وہ بات نہیں کر رہا لیکن تم تو کر سکتی ہو ناں۔ دوست ہے وہ تمہارا۔ دیکھو ایمی......'' وہ کچھ کہنے ہی والی تھی جب اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دونوں نے سرعت سے سر گھما کر آنے والا کو دیکھا وہ اشعر تھا۔

''کہیں جا رہے ہو اشعر؟'' ایمان پہلے والی پوزیشن میں آ گئی جبکہ فرح نے پوچھا۔

''ہاں میں حیات ماموں کے ہاں جا رہا ہوں چلو گی؟'' اس نے ایمان کی جانب سرسری سی نظر ڈال کر فرح سے پوچھا۔

''نو تھینکس۔ تم جاؤ۔''

''دیکھا تم نے، بلایا ہو گا اس نک چڑھی مدیحہ نے۔'' اس کے ناک بھوں چڑھانے پر ایمان نے کوئی توجہ نہ دی بلکہ جاتے ہوئے اشعر کو یک ٹک دیکھتی رہی، فرح نے گہری سانس لی تھی۔

***

ایمان ہزار کوشش کے باوجود اشعر سے بات نہ کر پا رہی تھی اور وہ تو جیسے بالکل اجنبی سا بن گیا تھا۔ اس کے پاس سے ایسے گزر جاتا جیسے دیکھا ہی نہ ہو، قصور اس کا بھی نہیں تھا۔ اس نے خود ہی تو اسے بات کرنے سے اس کی راہ میں حائل ہونے سے منع کیا تھا نفیسہ بیگم دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ ایمان چپ چپ سی، اداس اداس سی رہنے لگی ہے۔ انہیں اپنی یہ جذباتی بیٹی کافی بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ اب بھی وہ کچن کی جانب جا رہی تھیں جب انہیں ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ ایمان لاؤنج میں گم صم سی بیٹھی تھی۔ نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں وہ خاموشی سے اس کے قریب آئیں اور آہستگی سے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ یکبارگی چونکی۔

''کیا بات ہے ایمی، ایسے کیوں بیٹھی ہو بیٹا؟'' وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھی۔

''کچھ نہیں امی بس ایسے ہی......'' اس سے کوئی بات نہ بن پڑی۔

''میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ پریشان سی ہو، کیا بات ہے بیٹا؟ اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔''

''ایسی کوئی بات نہیں امی، بس ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا، کچھ بے چینی محسوس ہو رہی تھی اسی لیے۔''

''ایمی نماز پڑھا کرو بیٹا، بہت سکون ملے گا تمہیں اور گھبراہٹ دور ہو جائے گی۔ بے چینی میں انسان ہزاروں الٹے سیدھے طریقے آزماتا ہے اپنے سکون کے لیے لیکن وہ راستہ اسے دکھائی نہیں دیتا جو بالکل سیدھا اور صاف ہے، جس راستے پر چلنے سے، ہر دکھ، ہر تکلیف، ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور وہ ہے اللہ کی طرف رجوع کا راستہ، اس مالک کی طرف رجوع کرنے سے کٹھن سے کٹھن راہ بھی آسان ہو جاتی ہے، اس کے پاس ہر تکلیف کی دوا ہے۔ اسی سے اپنے لیے سکون مانگنا چاہیے بیٹا، وہی سب کا مسیحا ہے۔''

تبھی زور زور سے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ جیسے کوئی کسی سے جھگڑ رہا ہو۔

"امی یہ شور کیسا ہے؟" ایمان نے چونکتے ہوئے نفیسہ بیگم سے استفسار کیا۔

"ارے بیٹا یہ اپنا شانزل (حیات احمد کا چھوٹا بیٹا) ہے ناں، اس نے شادی کرلی ہے اور وہ لڑکی غیر خاندان کی ہی نہیں، غیر مسلم بھی ہے اب وہ اسے گھر لے آیا ہے۔ بس اسی بات پہ ان کے ہاں جھگڑا ہو رہا ہے۔" نفیسہ بیگم کے بتانے پر وہ متحیر رہ گئی۔ اتنی اہم بات سے وہ قطعی لاعلم تھی۔

"اچھا ہوا...... بہت اچھا ہوا ہے، ان جیسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔" وہ بولی۔

"نا...... نا بیٹا ایسے نہیں کہتے۔" نفیسہ بیگم نے فوراً ٹوکا مگر وہ غصہ سے اور جذباتی ہو کر انہیں سب کچھ یاد دلانے لگی تھی۔

"کیوں نہیں کہنا چاہیے امی؟ یاد نہیں آپ کو کیا کچھ نہیں کیا انہوں نے ہمارے ساتھ، سبین اپیا پر کیسے کیسے بہتان نہ تھوپے تھے، کیسے بڑھا چڑھا کر سارے خاندان میں سبین اپیا اور شہیر بھائی کی جھوٹی محبت کی جھوٹی داستانیں گھڑ گھڑ کر سنائی تھیں، کیسے کیسے طنز کیا کرتی تھیں وہ ہم پر اور جب عثمان بھائی کی منگنی ہوئی تو کیسے بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں، اثبات میاں ایسی اولاد سے تو انسان بے اولاد ہی اچھا ہے، ایسی اولاد کو تو گھر میں گھسنے نہیں دینا چاہیے جو ماں باپ کی نافرمان ہو، سچ کہوں اثبات احمد جتنی نکمی اولاد تمہاری ہے، ایسی اولاد اللہ کسی کو نہ دے، میرے بچوں کو دیکھو کیسے فرماں بردار ہیں، مجال ہے جو کوئی بھی قدم ہماری اجازت کے بغیر اٹھائیں، کتنے بڑے بڑے بول بولتی تھیں۔" وہ ان کی نقل اتار کر بولی۔

"وہ اچھی طرح جانتی تھیں بابا اپنے بھائی سے کتنی محبت کرتے ہیں، ان کے بغیر ایک قدم چلنا گوارا نہیں تھا انہیں پھر بھی انہوں نے انہیں الگ کر کے ہی چھوڑا تھا۔ کتنے دکھ دیے تھے ان لوگوں نے ہمیں، کتنی تکلیفیں اٹھانا پڑی تھیں ہمیں، صرف ان لوگوں کی وجہ سے بابا کتنا غصہ ہوتے تھے آپ پر، کیا کچھ نہ سہنا پڑا تھا آپ کو، بابا نے بھائی کو گھر سے نکال دیا تھا۔ صرف ان لوگوں کی وجہ سے کتنا عرصہ ہمارا گھر ماتم کدہ بنا رہا پھر بھی آپ کہتی ہیں ایسے نہیں کہنا چاہیے۔" وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا میں پھر بھی یہی کہتی ہوں، ایسے نہیں کہنا چاہیے، ہر کسی کے لیے ہمیشہ خیر کی دعا مانگنی چاہیے، چاہے کوئی دشمن ہو یا دوست، بیٹا یہ دنیا مکافات عمل ہے، یہاں انسان جو کچھ بوتا ہے وہی اسے کاٹنا پڑتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا یہ ان کا اپنا فعل ہے، اس کا مطلب یہ قطعی نہیں کہ ہم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا انہوں نے ہمارے ساتھ کیا بلکہ ہمیں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے، کیونکہ وہی سب سے بہتر انصاف کرنے والا ہے نا کہ ہمیں بھی برائی کے بدلے برائی کرنا چاہیے پھر حساب تو برابری کا ہو گیا ناں، ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم کسی کو برا کہیں یا کسی کے زخموں پر مرہم لگانے کی بجائے نمک چھڑکیں۔ بیٹا ہمارا مذہب ہمیں صبر کرنے کی تلقین کرتا ہے اور پھر اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ناں، بیٹا جذبات میں آ کر انسان بہت بڑے بڑے نقصان کر لیتا ہے، بعض اوقات جس کا مداوا بہت مشکل ہو جاتا ہے، ہم چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاتے، اس لیے صبر کرنا سیکھو بیٹا۔ اپنے اندر برداشت پیدا کرو یہ تو محض چھوٹے چھوٹے سے مسائل ہیں، اگر انسان میں صبر و برداشت ہو تو کٹھن سے کٹھن حالات بھی آسان ہو جاتے ہیں۔" نفیسہ بیگم بہت پیار اور نرمی سے اسے سمجھا رہی تھیں، وہ اپنی بیٹی کی جذباتی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھیں اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی ماں کتنی صابر ہے۔ کتنی ہمت و برداشت ہے ان میں، کیسے اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتیں، اے کاش وہ بھی ایسی ہی صبر کرنے والی ہوتی تو شاید حالات کچھ اور ہوتے۔

❁......❁......❁

کافی دن ہو گئے تھے اسے پھوپو کے ہاں گئے ہوئے اس نے پکا ارادہ کیا تھا کہ آج شام کو وہاں چکر لگانے کا، تب ہی تمام مصروفیات سے فراغت پا کر وہ سیدھا ان کی طرف

چلا آیا۔ لاؤنج میں ایمان اور نفیسہ بیگم دونوں براجمان تھیں، اشعر ایک پل کو ٹھٹکا تھا۔ ایمان سامنے صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی، وہ اضطراری کیفیت میں اپنی بکھری ہوئی حسیں زلفوں میں انگلیاں چلا رہی تھی جبکہ نفیسہ بیگم کی اس کی جانب پشت تھی وہ دبے قدموں آگے بڑھا۔

''السلام علیکم پھوپو!'' اس کی گمبھیر آواز پر وہ دونوں چونکیں۔

''ارے اشعر وعلیکم السلام بیٹا، آج اتنے دنوں بعد چکر لگایا ہے تم نے۔'' نفیسہ بیگم اسے دیکھ کر ازحد خوش ہوئیں، ایمان فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''بس کچھ مصروفیات تھیں پھوپو اس لیے نہیں آسکا آپ کیسی ہیں؟'' ایمان کی جانب اچٹتی سی نگاہ ڈال کر ان سے استفسار کیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا، گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''جی پھوپو سب ٹھیک ہیں۔''

''ایمی جاؤ بیٹا اشعر کے لیے چائے لے آؤ۔'' وہ خاموش بیٹھی ایمی سے مخاطب ہوئیں جو خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے اس طرح خاموشی سے اٹھ جانے پر اشعر بہت حیران ہوا کچھ دیر بعد وہ چائے رکھ کر واپس مڑ گئی۔ نہ تیوری پر بل پڑے نہ کوئی طنزیہ فقرہ اچھالا اور نہ ہی ناک بھوں چڑھائی، گو فرح کی بابت ایمان کی اس تبدیلی کا اسے علم ہوا تو تھا مگر اسے یقین نہیں آیا تھا۔ کپ منہ سے لگاتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی، چائے پیتے ہی اس نے پھوپو سے اجازت لی اور باہر نکل آیا۔ گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے وہ ٹھٹک کر رکا، سنگی بینچ پر بیٹھی وہ اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے نظر انداز کیے وہ آگے بڑھا۔

''اشعر پلیز رک جاؤ، مم...... مجھے بات کرنی ہے تم سے۔'' تب ہی ایمان کی ہچکچائی سی آواز پر اسے رکنا پڑا۔

''جی فرمائیے، اب کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔'' لفظ ''آپ'' پر خاصا زور دیا۔

''آ...... آئم سوری اشعر۔'' اس پل اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، اشعر کی نظریں اس کے چہرے پر جم سی گئیں۔

''سوری فار واٹ؟'' وہ جانتے بوجھتے انجان بنا رہا۔

''فار یور تھنگ۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اوہ بڑی جلدی خیال آیا آپ کو؟'' اشعر استہزائیہ انداز میں بولا۔

''اشعر پلیز، میں اپنے گزشتہ رویے پر بہت شرمندہ ہوں، میں مانتی ہوں، میں نے جو کچھ کیا تمہارے ساتھ، جس طرح کا رویہ روا رکھا وہ سراسر غلط تھا لیکن میں بھی کیا کرتی، ان دنوں میں اتنی ڈپریسڈ تھی کہ ہر کوئی مجھے اپنا دشمن لگ رہا تھا۔ ایسے میں تم بھی آگئے میرے زخموں پر نمک چھڑکنے اپنے کزن ہونے کا مان لے کر پھر بھائی کا گھر چھوڑ کر چلے جانا، بابا کو ہارٹ اٹیک آنا اور پھر ان کی ڈیتھ پر سب واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ میں بالکل پاگل سی ہوگئی تھی۔ ہر طرح کے جذبات واحساسات سے عاری ہوگئی تھی میں، دل چاہتا تھا سب کچھ تہس نہس کردوں، سب کے ساتھ تم بھی میرے غصے کی زد میں آگئے اور میں اپنی اسی جذباتیت کے باعث سب کچھ بگاڑتی چلی گئی اور اب جبکہ مجھے اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا ہے تو میں بے حد نادم اور پشیمان ہوں۔'' نظریں جھکا کر کہتے ہوئے اس نے کنکھیوں سے اشعر کی جانب دیکھا۔

''تو آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟'' اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس کے انداز پر ایمان تو جیسے گنگ رہ گئی۔

''اشعر میں تم سے ''سوری'' کہہ رہی ہوں، اپنے گزشتہ رویے پر شرمندہ ہوں اور تم...... میں دوست ہوں تمہاری اشعر۔'' وہ لاچار وبے بس دکھائی دے رہی تھی۔

''اوہ ''دوست'' بائی داوے یہ خیال آپ کو کب آیا کہ آپ میری ''کبھی'' دوست ہوا کرتی تھیں؟'' اس کا لہجہ استہزائیہ ہوا۔ آنکھوں میں شرارت چمک رہی تھی، اس کے انداز پر ایمان کا دل بھر آیا۔

''ا...... اشعر تم......'' کچھ کہنے سے قبل ہی وہ رو دی تو وہ ایک دم بوکھلا گیا۔ اپنی شرارت بھول بھال وہ اسے چپ کرانے لگا۔

''ارے...... رے ایمی، پلیز یار چپ ہو جاؤ۔ میں تو

محض تمہیں ستا رہا تھا۔ اس میں رونے والی کیا بات ہے بھلا ایمی پلیز۔" اس کے یکسر بدلے ہوئے انداز پر ایمان نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"تت..... تو تم اب مجھ سے ناراض نہیں ہو ناں؟"

"اب کیا یار، میں تو کبھی بھی تم سے ناراض نہیں تھا، پر ہاں تمہاری باتوں پر افسوس ضرور ہوتا تھا، تمہارے رویے نے دکھ پہنچایا تھا اور جہاں تک تم سے بات نہ کرنے کا سوال ہے تو یاد کرو تم نے ہی مجھے ہاتھ جوڑ کر روکا تھا، تمہارے رونے پر میں نے تم سے کنارا کشی اختیار کی تھی ورنہ میں تمہاری طرح اتنا جذباتی نہیں ہوں، فرح نے مجھے بتایا تھا کہ تم بدل گئی ہو بالکل پہلی والی ایمی بن گئی ہو، پانچ انگلیاں جیسے برابر نہیں ہوتیں، ایسی طرح سب انسان بھی برابر نہیں ہوتے، ہر کسی کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا کہاں کی عقل مندی ہے ایمی؟" وہ بڑی نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"سوری اشعر۔" وہ شرمندگی سے گویا ہوئی۔

"اٹس اوکے لیکن میں تمہاری جذباتی طبیعت سے خوب واقف ہو چکا ہوں، کچھ بھی کہنے سے قبل سو بار سوچا کروں گا، یہ نہ ہو کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکلی نہیں اور محترمہ پل کے پل بھڑکی نہیں۔" اب وہ شرارت پر آمادہ ہوا۔ اس کی شرارت محسوس کر کے ایمان بھی دھیرے سے مسکرادی پھر کچھ یاد آنے پر اسے کڑے تیوروں سے گھورنے لگی۔

"اب کیا ہے..... ایسے کیوں گھور رہی ہو؟" وہ اس کے انداز پر خائف ہونے کی اداکاری کرنے لگا۔

"مدیحہ کے ساتھ کیا چکر چل رہا ہے جناب کا؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھے باز پرس کرنے لگی۔

"کوئی چکر وکر نہیں ہے یار، بس..... اوہ وہ....." ایک پل کے لیے چونکا، ہلکی سی مسکان نے اس کے لبوں کا گھیراؤ کیا۔

"کیوں جیلس ہو رہی ہو کیا؟" اس کی جانب جھکتے ہوئے قدرے رازداری سے استفسار کیا۔

"ہنہ جلتی ہے میری جوتی۔ میری بلا سے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے، لڑکی اچھی ہے، مجھے پسند بھی کرتی ہے تو پھر کیا خیال ہے شادی کرلوں اس سے۔" سیدھا ہوتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"آئی ول کل یو اشعر۔ اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو..... تو حشر کردوں گی تمہارا۔ اگر میرے علاوہ کسی اور کا خیال بھی دل میں لائے ناں تو جان لے لوں گی تمہاری یاد رکھنا۔"

"اوہ رئیلی..... اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" وہ آنکھوں میں پیار سموئے کچھ اس انداز میں بولا کہ ایمان کانوں تک سرخ ہوگئی۔

"شٹ اپ اشعر۔" وہ جھینپتے ہوئے بولی، اس کے انداز پر اشعر نے قہقہہ لگایا۔

"اگر فرح ہمیں اس طرح ہنستے مسکراتے دیکھ لیتی تو کتنی خوش ہوتی۔" ایمان کو اس کی کمی بے حد محسوس ہوئی، وہ کچھ دنوں کے لیے اپنے ننھیال گئی ہوئی تھی۔

"اس کا کریڈٹ بھی فرح کو جاتا ہے، اگر وہ گاہے بگاہے ہم کو سمجھاتی نہ رہتی تو ہم دونوں کب کے بدگمانی کی لہر میں بہہ کر الگ الگ راہوں کے مسافر بن چکے ہوتے۔" اشعر کی بات پہ ایمان نے اثبات میں سر ہلایا، انہیں اپنی دوست پر فخر محسوس ہوا۔

"کتنی انمول دوست تھی اس کی، ہر پل اس کا ساتھ دیا تھا اس نے، ورنہ وہ تو اپنی ناراضی، اپنی انا کے زعم میں سب کچھ کھو چکی تھی۔ محض جذباتیت میں پچھتاوے خریدنے چلی تھی۔" وہ دل ہی دل میں اس کی بے حد شکر گزار تھی۔ جس نے پچھتانے سے پہلے اسے محبت کی چھاؤں عطا کردی تھی۔

کیا کھویا کیا پایا

مریم بنت ارشاد

ماں کہتی ہیں، کس غم میں گھلا کرتی ہے
کس آگ میں، دن رات تپا کرتی ہے
یہ دن تو ہیں، کھیل کود کے نامِ خدا
اُور تو ہے کہ گم صم سی رہا کرتی ہے

نیم اندھیری رات میں مدھم سرگوشیاں ابھرتیں اور پل دو پل کے لیے دبیز سناٹے کا پردہ چاک کرتی ہوئی ہوا کے دوش پر بہتی چلی جاتیں...... آسمان کی بے کراں وسعتوں میں چاند کی گول ٹکیا پارے کی طرح لٹک رہی تھی اور اس نیم اندھیر نگری میں اپنا فسوں بکھیرتی چل رہی تھی...... جابجا بکھرے ہوئے تارے بھی یہی تاثر پیش کررہے تھے کہ ابھی پھسل آئیں گے...... سچے موتیوں کی مانند جھلملل کرتی چاندنی کی چمک میں خوشی سے دیوانے ہوئے جارہے تھے اور دور کہیں چکور اپنے مستی میں مگن لہک لہک کر چندا کی طرف دیوانگی سے اڑ رہا تھا۔

"مجھے اپنی بہن سے ملنے پنڈی جانا ہے۔" نسوانی آواز کے لہجے میں تندی نمایاں تھی۔

"میں نے کہہ دیا ناں کہ تم کہیں نہیں جارہیں۔" مردانہ آواز میں جھلاہٹ نمایاں تھی۔

"اویس حرج ہی کیا ہے آخر۔" عافیہ نے لجاجت سے کہا۔

"آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟" لطیف ہوا میں دھوئیں کے کثیف مرغولے جذب ہونے لگے۔ وہ خاموش مجسمہ بنا بیٹھا رہا۔

"دو سال ہوگئے ہیں مجھے یہاں۔" عافیہ نے انگلیوں سے نشان بنا کر کہا۔ "میں نے کسی کی شکل تک نہیں دیکھی۔ آواز تو دور کی بات۔" وہ اندر ہی اندر جلنے لگی۔ "ایک دفعہ ملنے دیں اویس۔"

"اگر تم وہاں جانا چاہتی ہو چلی جاؤ لیکن پھر واپسی کا سوچنا بھی مت۔" اویس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ گویا بات ہی ختم، عافیہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ ایک تارہ ٹوٹ کر گرا تھا۔

"پیچھا چھڑانا چاہ رہے ہیں مجھ سے؟" وہ حیرت کے سمندر میں غرقاب ہوئی۔ باہر چاند کی روشنی گھٹنے لگی تھی۔

"تم جو بھی سمجھو۔" اویس نے لاپروائی سے کندھے اچکا کر کہا۔

"میرا فیصلہ بدلنے والا نہیں۔" فلک پر چمکتے ہوئے تارے اب پارے کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔

"وجہ جان سکتی ہوں؟" عافیہ نے خود کو نارمل کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی وجہ نہیں ہے۔" اویس نے تڑخ کر کہا۔

ہواؤں نے رخ بدلے، کثیف دھوئیں نے سانس گھوٹنا شروع کیا۔ ہوا کی تنگی سے اس کا سانس اکھڑنے لگا۔

"تو کیا ساری زندگی مجھے اپنے گھر والوں سے دور رہنا ہوگا؟" عافیہ نے منہ بسورتے ہوئے پوچھا۔ دور پہاڑوں پر چکراتے چکور نے مدہم ہوتے چاند کو حسرت سے دیکھا اور پھر نڈھال ہوکر ڈھے سا گیا۔

"مجھے کیا معلوم وہاں کوئی اور تمہیں بھا جائے۔" اویس نے سفاکی سے کہتے ہوئے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"پھر مجھے چھوڑ کر تم اس کے پیچھے چلی جاؤ۔" عافیہ کی

رنگت خطرناک حد تک سفید ہو گئی۔
"تمہیں تو فرق نہیں پڑے گا۔ جیسے اپنے پہلے شوہر کو میرے لیے چھوڑتے ہوئے نہیں پڑا تھا۔" وہ بے دردی سے کہہ رہا تھا۔
"کیونکہ تم تو عادی مجرم بنتی جا رہی ہو۔ اس لیے تم کو لگام ڈالنا بے حد ضروری ہے۔" پھر اس نے دیکھا کہ عافیہ کسی لقوہ زدہ مریض کی طرح کانپتی بیڈ کی پائتی پر اپنے مرتعش ہاتھوں سے گرفت جمانے میں ناکام ہوتی جا رہی تھی اور وہ بے پروا بنا رہا۔
"معاشرے میں کچھ میری عزت ہے...... اور کم از کم مجھے اپنی عزت سنبھالنے کے لیے خود ہی کچھ اقدام کرنے پڑیں گے۔ چھوڑ تو تم انہیں آئی ہو اب......" چاند کی چاندنی گھٹتے گھٹتے اتنی کم ہو چکی تھی کہ نیم اندھیری رات گہری دبیز چادر میں لپٹ چکی تھی۔
"جب مجھے بھگا کر لائے تھے تب کہاں تھی آپ کی وہ خاندانی نجابت۔" عافیہ نے خفیف کپکپی کو زائل کرنے کے لیے حلق کے بل چلا کر کہا۔
"نا...... نا تم میرے ساتھ آئی تھیں، میں تمہیں نہیں لایا تھا۔" اویس نے گویا تصحیح کی۔
"اور تم جو دن رات میرے حسن کے قصیدے پڑھتے تھے، خودکشی کی دھمکیاں دیتے تھے، وہ کیا ہوئیں۔" خفیف کپکپی زائل ہوتے ہوتے طیش میں بدل چکی تھی۔
"وہ سب میری بے وقوفی تھی، ایک خاندانی بیوی کے ہوتے ہوئے تم جیسی......" اور اویس کے اس "تم جیسی" کہنے پر عافیہ کا دل چاہا کہ کاش وہ اسی وقت اس ہوا میں ہی تحلیل ہو جائے۔ وہ کٹھور بنا کہہ رہا تھا۔
"عورت کیا جانے عزت کہتے کس بلا کو ہیں، ایویں اپنے ساتھ نتھی کر لیا۔" عافیہ کو گہرے ملال نے گھیر ڈالا۔
"اتنا بڑا الزام تو مت دو مجھے۔" وہ بے چارگی سے کہتے ہوئے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو بہ مشکل دبانے لگی۔
"اپنا سب کچھ تج کر میں صرف تمہارے لیے، تمہارے ساتھ آئی۔" عافیہ نے جذباتی وار کرنا چاہا لیکن وہ اناڑی نہیں تھا۔
"تم بھلے مجھے کچھ نہ دو، عزت اور مان تو دو۔ میں کون سا کسی گرے پڑے خاندان سے آئی ہوں۔" ایسا کہتے ہوئے وہ ایک فقیرنی سے بھی بدتر لگ رہی تھی جو بھیک نہ ملنے پر پیچھا

ہی نہ چھوڑے۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اپنے اکھڑ پن کی وجہ سے اویس بھی طیش میں آ کر اسے تین حرف کہنے میں بالکل بھی دیر نہیں کرے گا، وہ تو دو سال سے بھی پہلے اس سے اور اس کی بچی سے بیزار ہو چکا تھا۔ سو اسے یہ ہی بات ہولائے رکھتی اگر وہ اسے چھوڑ دے گا تو فرق تو عافیہ کو ہی پڑے گا، کوئی بھی سگا رشتہ دار اسے سرپرستی تو کیا دے گا، اس پر غلط نگاہ کرنا بھی پسند نہ کرے گا۔

کیا نہیں تھا اس کے پاس، تمام نعمتیں، تمام آسائشیں محبت کرنے والا شوہر دلاور پھر اپنے شوہر کے دوست پر یوں فدا ہوئی کہ اس سے نکاح پڑھوا کر ہی دم لیا۔ خونی رشتوں سے دور رہنے کا سوچا ہی جاسکتا ہے، لیکن اس بات پر عمل کرنا ناممکنات سے ہے۔

"جن بیویوں کو عزت و آبرو کے ساتھ ساری دنیا کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پر بیاہ کر لایا جاتا ہے نا...... یہ عزت بھی صرف انہی کو ملتی ہے، تمہاری جیسی نفس کی غلام عورت کے لیے صرف لگامیں اور طعنے تشنے ہی ہوا کرتے ہیں، عافیہ بیگم۔" اویس نے چبا چبا کر کہتے ہوئے اپنے پاؤں ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے آزاد کروائے اور دھاڑ سے دروازہ بند کر کے باہر نکلتا چلا گیا۔

عافیہ کے سامنے ساری دنیا گول دائرے میں آگے پیچھے گھومنے لگی۔ اس نے بار بار اپنی نظروں کا زاویہ بدلا لیکن کمرے میں کسی شے پر اس کی بصارتیں ٹک نہ سکیں۔

کتنا چاہا اس نے کہ اس جان لیوا حقیقت کے سامنے اس کے حواس کام کرنا چھوڑ دیں لیکن ہمیشہ ایسا ہی کیوں ہوتا ہے جب اندھے اور گونگے بہرے بننے کی خواہش کی جاتی ہے تبھی سب کچھ ٹھیک سے سنائی اور دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس کے وجود سے جلنے کی بو اٹھنے لگی، ایسی بساند جو سانس لینا محال کر دے۔

"کیا وہ نہیں جانتا میں نے داسیوں سے بڑھ کر اس کی خدمت کی ہے۔" اب وہ اکڑوں بیٹھی تھی، کمرے میں زرد روشنی گھلتے بلب میں اس کا چہرہ زرد رنگ سے ہم آہنگ ہونے لگا۔

"میں نے اس کے لیے اپنی کوکھ سے جنی بیٹی کی پروانہ کی۔" خیالوں میں اسے کٹہرے میں کھڑا کیے وہ سوال و جواب میں مگن تھی۔

"اسے مجھ پر شک نہیں کرنا چاہیے، میں تو غلامی میں بھی راضی ہوں وہ مجھے جہاں بھی قید رکھے لیکن اتنی بے توقیری۔" سارے حساب میں اس کا اپنا قصور نکلنے لگا تھا۔ وہ بے دم ہو کر ڈھے گئی۔

بلاشبہ وہ رات محاسبے کی رات تھی، عافیہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ اویس کے ساتھ یوں شادی کر کے وہ اپنی نہ سہی اپنی بیٹی کی زندگی بھی تباہ کر چکی ہے۔ ایک چھوٹی سی غلطی کتنے بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہوتی ہے، یہ سوچ ہی اسے لرزانے کے لیے کافی تھی۔ معاملے کی سنگینی اس پر طلوع ہو چکی تھی۔

***

وقت گزرتا رہا، دکھ لہو بن کر اس کی رگوں میں جمتا چلا گیا وہ دکھ کی صلیب بنی بس خموشی کی نذر ہو گئی اور پھر صدف نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس کے اندیشے خوف بن کر اس کے سامنے آ گئے۔

"سیدھے لفظوں میں بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" عافیہ کی نحیف آواز میں وہ رعب اور دبدبہ پیدا نہ ہو سکا تھا جو وہ باوجود کوشش کے کرنا چاہتی تھی کہ یہ ڈھلتی عمر کا تقاضا تھا۔

"میں معاویہ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" صدف نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا۔ عافیہ کا دل کمزور پتے کی طرح کانپا جو ہوا کے زور سے بس شاخوں سے جدا ہوا ہی چاہتا ہو۔

"کب لے کر آ رہا ہے وہ اپنے والدین کو؟" عافیہ نے اپنی بیٹی سے ناتواں لہجے میں استفسار کیا۔

"اس کے والدین نہیں مان رہے۔" صدف نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

"جب وہ اپنے والدین کو لائے گا، میں تمہارے بابا سے بات کر لوں گی او کے۔" کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے وہ اسے اس بات کا اشارہ دے چکی تھیں کہ یہ معاملہ اب ختم لیکن اس بات کی تو انہیں ڈھارس تھی کہ انہوں نے ایسے خطوط پر صدف کی پرورش کی ہے کہ وہ ماں کی بات کا احترام کرے لیکن...... اگلے ہی لمحے ان کا یہ غرور بھی پاش پاش ہو گیا جب وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

عافیہ نے دہل کر اس کے تیور دیکھے، وہ انہی کے نقش پا پر تھی کہ عافیہ بھی ایک دن ایسے ہی اپنی ماں کے سامنے اویس کے لیے تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ انہیں چکر سا آیا۔ صدف نے ایک جست میں فاصلہ پاٹ کر ماں کو سنبھالا اور سہارا دے کر

بیڈ پر بٹھایا۔

''میری بیٹی مت کودو آگ میں، یہ ساری زندگی تمہیں جلائے گی۔'' عافیہ نے پیار سے صدف کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر کہا۔

''معاشرے میں سروائیو کرنے کے لیے کئی لوازمات ہوتے ہوں گے، لیکن اگر عزت نہ ملے تو زندگی پل پل زندہ درگو کرتی ہے۔'' صدف نے ناسمجھی سے ماں کو دیکھا لیکن ان کی بات میں مخل ہوئے بغیر خاموشی سے سنتی رہی۔

''باکردار عورت ہی عزت اور مان کی حق دار ہوا کرتی ہے صدف جبکہ مرد کے کردار کے ساتھ کبھی ''بد'' کا لفظ نہیں لگا کہ یہ قید صرف عورت ذات کے ساتھ ہی منسوب کی گئی ہے۔ مرد تو اس دائرہ کار میں آتا ہی نہیں شاید...... '' عافیہ کی آواز میں نمی گھلتی گئی اور اس کی آواز گھٹتے گھٹتے اتنی کم ہوگئی تھی کبھی کوئی ایک آدھ لفظ صدف کے پلے پڑ جاتا تھا۔ بس وہ خود کلامی کے انداز میں تھی۔

''یہ ہمارے معاشرے کی تنگ نظری ہے، مرد کو کیوں نہیں کٹہرے میں گھسیٹا جاتا، قصوروار صرف عورت ہی نہیں مرد بھی ہوتا ہے۔'' اب کے عافیہ کی آواز قدرے بلند ہوئی۔ جیسے وحشی پانی مہیب شور میں غلطاں فنا کی قوت لیے رواں دواں ہوں۔

''آج تمہیں جان لینا چاہیے کہ میں بھی کبھی تمہاری طرح ہٹیلے پہاڑوں کے سے انداز میں اپنے خونی رشتوں کے سامنے ڈٹ گئی تھی، انہوں نے مجھے بہت سمجھایا......'' صدف نے حیرت سے اپنی ماں کو دیکھا۔

''میں سب کچھ چھوڑ کر ادھر آ گئی، پل پل عزت کو ترسنے کے لیے زندہ درگور ہونے کے لیے۔'' پھر عافیہ نے حیرت کی اندھیر نگری میں بھٹکی صدف پر اپنے ماضی کو عیاں کر دیا۔

''میں تمہیں معاویہ کے ساتھ کبھی نہیں بیاہ سکتی، اگر ٹھوکر لگنے کے بعد بھی انسان کچھ سیکھ نہ پائے تو تف ہے اس پر کیونکہ ٹھوکر اسی لیے انسان کو لگائی جاتی ہے کہ وہ بروقت سنبھل جائے اور آئندہ کے لیے محتاط رہے۔'' وہ شدید جذباتی پن سے کہہ رہی تھی۔ ''بار بار ٹھوکر لگنا دانش مندی نہیں، اصل دانش مندی تو یہ ہے کہ انسان پہلی ٹھوکر پر ہی سنبھل جائے...... اویس جیسا بھی ہے، بھلے وہ ہمیشہ مجھے دھتکارتا ہے لیکن اس نے یہ قول پورا کیا کہ اس نے تمہاری اور میری جگہ اپنی زندگی میں بنائی، اس کی پہلی بیوی اور بچے اسے بہت مجبور کرتے ہیں لیکن وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا لیکن ہر شخص اویس جیسا قول میں پکا بھی نہیں ہوتا۔'' عافیہ نے نارمل انداز میں کہا، وہ اب بے حد پرسکون سا محسوس کر رہی تھی۔

تب ہی صدف نے دیکھا عافیہ نے مکمل آسودگی سے آنکھیں بند کرلیں اور بات کرتے کرتے خاموش ہوگئی۔ شاخ پر اٹکا لرزتا ہوا پتہ ہوا کے زور سے ایک جھٹکے سے ٹوٹا تھا اور اسی لمحے عافیہ کا ناتا اس دنیا سے کٹ گیا تھا۔

صدف حیران پریشان تھی، قسمت کی ستم ظرفی اس کی ماں ساری زندگی جس کی غلامی کرتی آئی، جس پر سب کچھ وار دیا، اسی نے ایک دن اسے چیونٹی سے بھی حقیر کر دیا تھا لیکن آج وہ منوں مٹی تلے جا سوئی تھی اور سب کو اس پر ترس آرہا تھا، اس کا خیال آنے لگا تھا۔ تب اس کا باپ دلاور اسے لینے آ گیا تو وہ تڑپ تڑپ کر اس سے لپٹ کر روتی رہی۔

''کاش بے حسی کی یہ دیواریں ماں کے مرنے سے پہلے تڑخ جاتیں۔'' وہ آزردگی سے سوچتی۔

''شاید عزتیں پامال کرنے کی سزا اتنی ہی ہوتی ہے شاید نہیں...... یقیناً۔'' اس کے اندر سے آواز آتی اور اسے خاموش ہوجانا پڑتا۔

اس کی ماں نے جو کچھ کھویا اور جو پایا وہ بھی تو اس کو راس نہ آیا تھا مگر وہ مر کر صدف کو زمانے کے سرد و گرم سے آشنا کر گئی۔ اسے رسوا ہونے سے بچا لیا۔ صدف نے ماں کی تصویر کو آنکھوں میں بسا کر اس کی روح کے سکون کے لیے دعا کی اور آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا کہ اس کی ماں نے اس کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا۔ ماں نے جو بھی کھویا مگر اس سے بہت کچھ پالیا تھا۔

صباء ایشل

تیرے بغیر جس میں گزاری تھی ساری عمر
تجھ سے جب آئے مل کے تو وہ گھر ہی اور تھا
کیا ہوتے ہم کلام بھلا ساحل و چراغ
وہ شب ہی اور تھی وہ سمندر ہی اور تھا

منزل پر پہنچنے کا شوق ہر انسان کی خواہش ہے۔ کچھ لوگ منزل تک پہنچنے کی خواہش میں عمر بھر جدوجہد کرتے ہیں، کچھ منزل تک پہنچ کر بھٹک جاتے ہیں تو کچھ بھٹکتے بھٹکتے منزل پا لیتے ہیں۔

وہ بھی ایک مسافر تھی، ایک ایسی مسافر جسے اپنی منزل و نشان معلوم نہ تھا۔ زندگی نے اس خوب صورتی سے اس پر اپنی سفاکی ظاہر کی تھی کہ اس کا ذہن اور دل خالی ہو کر رہ گئے تھے اور وہ حیران تھی۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وقت اسے پھولوں کی رہ گزر سے خاردار راستوں پر لا پھینکے گی۔ گاڑی کے شیشے سے مسلسل باہر دیکھتے ہوئے مناظر تیزی سے گزر رہے تھے لیکن اس نے پلک تک نہیں جھپکی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

چہ گویم از کہ گویم باکہ گویم
کہ این دیوانہ را راز خود خبر نیست

(کیا کہوں کس کی کہوں کس کو کہوں
کہ مجھ دیوانے کو خبر خود کی نہیں ہے)

یہ شب کا آخری پہر تھا اور وہ بظاہر آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی، ایک بات نے اسے شدید پریشان کر رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ رات بھر سو نہ پائی تھی۔

وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور ان کے جینے کی وجہ تھی۔ اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے والدین اپنا آبائی علاقہ چھوڑ کر شہر آ گئے تھے، ماں باپ کے علاوہ ایک دادی تھیں جو اس کے بچپن میں ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ ننھیال والوں سے زندگی کے ان بیس برسوں میں شاذ و نادر ہی ملاقات ہوئی تھی، نجانے کیوں اس کے والدین اسے اپنے علاقے سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس نے آج تک اس بارے میں جب بھی سوچا اسے ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی اور وہ یہ تھی

کہ اس کے والدین نے پسند کی شادی کی ہوگی جس کی وجہ سے انہیں اپنوں سے دور ہونے کا فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ غالباً اس کے والدین اسے ان باتوں سے دور رکھنا چاہتے تھے لہٰذا اس نے بھی کبھی وہاں جانے کے لیے ضد نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کی زندگی کے حوالے سے کوئی سوال کیا تھا۔ البتہ اس کے ماں باپ ہر چند ماہ بعد وہاں ضرور جاتے تھے۔ ان کے گھر سے آبائی علاقہ صرف دو ڈھائی گھنٹے کے فاصلے پر تھا۔ اس علاقے کی خوب صورتی کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے والدین کی خوشی کی خاطر وہاں جانے کا سوچا تک نہیں تھا۔ ننھیال والے کئی بار آئے تھے اور ہر بار خوش دلی سے ملاقات ہوئی اس کے لیے یہی کافی تھا کہ اس کے والدین اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان کی دنیا ہے اور خود اس کی دنیا بھی تو یہی تھی۔

❀ .... ❀ .... ❀

موسم بدل رہا تھا فضا میں خنکی کا احساس اب بڑھ گیا تھا لیکن وہ ہر احساس سے عاری بستر سے اٹھتے ہوئے دوپٹا ٹھیک کرتی باہر آ گئی، برآمدے میں پکوان کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سب گھر والے دسترخوان کے اردگرد بیٹھے کھانے کا انتظار کر رہے تھے اسے آتا دیکھ کر خاموش چھا گئی تھی۔

''خوش آمدید۔'' سب نے اسے خوش آمدید کہا تو وہ جواباً صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''میں نے سوچا بچی آرام کر رہی ہے اس لیے ناشتے پر نہیں بلایا۔'' اس کی نانی نے کہا۔

''اب کیا سونا اور کیا جاگنا مورے۔''

تا ابد سوخت باید از غم تو
چنیم بیش ازیں تو انم نیست
(تا ابد آتش غم میں مجھے جلنا ہوگا
کیا کروں اس سے زیادہ میرا مقدر نہیں)

اس نے دل گرفتگی سے شعر پڑھا تو سب نے اس کو دیکھا۔

''یہاں آؤ میری بیٹی، میرے پاس بیٹھو۔'' یہ اس کے کاکا (نانا ابو) تھے، وہ اپنے غم کو سانسوں کے گھونٹوں میں پیتی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''تم ہمارے پاس ہو، میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تم سے ہم کلام ہوں، کیا میری زندگی میں اس سے خاص بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ وہی آنکھیں، وہی چہرہ، وہی لب اور رخسار، یہاں تک کہ تمہاری آنکھوں کی اداسی بھی بالکل ویسی ہی ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے کہیں کھو گئے تھے۔

''آپ بہت چاہتے تھے انہیں؟'' وہ ان کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔

''اسے بھلا کون نہیں چاہ سکتا تھا، وہ انسان نہیں پاک روح تھی جو انسانی شکل میں ہم سب کی اصلاح کے لیے بھیجی گئی تھی۔''

''تو پھر انہیں خود سے اتنا دور کیوں کر دیا تھا؟'' وہ اپنے دل میں مچلتے سوال کو زباں پر لانے سے نہ روک پائی۔

''ہم کون ہوتے ہیں اسے خود سے دور کرنے والے، رحمتیں ہم سب سے روٹھ گئی تھیں اسی لیے وہ یہاں سے دور چلی گئی۔ ہماری آنکھیں، ہمارے دل، ہماری یادیں، گواہ ہیں ہم نے اسے مجبور نہیں کیا تھا، ہم تو اس کے ہر فیصلے، ہر خوشی میں اس کے ساتھی تھے۔'' وہ اسے پتا نہیں کس بات کا یقین دلانا چاہ رہے تھے۔

''چلو بھئی سب باتیں چھوڑو اب کھانا شروع کردو۔'' چنگیر میں عام روٹی کا نسبت کافی موٹی روٹیاں رکھتے ہوئے اس کی ممانی نے ماحول پر چھائے جمود کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس کی خالہ کپوں میں قہوہ انڈیل رہی تھیں، ساتھ ہی دو رکابیوں میں گڑ اور کچھ شریں چیزوں کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔

''یہ جست ہے...... مور نے خاص تمہارے لیے پکوائی ہے۔'' اس کی خالہ نے اس کے سامنے رکابی رکھتے ہوئے کہا۔

جست ایک روایتی روٹی ہوتی ہے جسے انتہائی خاص مواقع پر تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں ڈھیروں میوے اور گڑ آٹے میں ڈال کر گوندھا جاتا ہے اور یہ انتہائی لذیذ ہوتی ہے۔ اس نے اس کے بارے میں کافی سنا ہوا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ یہ روٹی بہت رغبت سے کھاتی لیکن اب تو اس کی بھوک مری ہوئی تھی تو کھانے کا ذائقہ بھلا کیسے محسوس کر سکتی تھی۔ مروتاً ایک چھوٹا نوالہ توڑ کر اسے نگلنے کی کوشش کرنے لگی۔

از تو یک ساعت جدائی خوش نمی آید مرا
باد گر کس آشنائی خوش نمی آید مرا
(تجھ سے ایک لمحہ جدا ہونا مجھے بھاتا نہیں
ان کسی سے آشنا ہونا مجھے بھاتا نہیں)

***

آج اس نے کالج سے چھٹی کی تھی اس لیے وہ دیر سے اٹھی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آئی، چائے کا پانی چولہے پر رکھا اور سر درد کی گولی لینے مور جی کے کمرے میں آگئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح کشیدہ کاری میں مصروف تھیں۔

''مور جی، یہ تو بہت خوب صورت لگ رہا ہے۔'' اس نے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔

''تمہاری طبیعت خراب ہے کیا؟'' وہ بھی اس کی ماں تھیں۔

''بس ہلکا سا سر درد ہے اور تو کچھ نہیں، سستی ہو رہی تھی اسی لیے آج یونیورسٹی نہیں گئی۔'' اس نے وضاحت دی۔

''یہی بات ہے ناں؟'' وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''جی...... جی یہی بات ہے، بس سر درد کی گولی لینے آئی تھی۔'' انہوں نے سامنے رکھی شیشے کی طشتری کی طرف اشارہ کرتی اسے بغور دیکھا، ایک سایہ سا اس کے چہرے پر لہرایا تھا۔

"نین سکھ...... میرے قریب آؤ۔" مورجی کی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔

"جی...... مورجی۔" وہ ان نے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"اگر کبھی دل کا کوئی راز آشکار کرنا ہو تو یاد رکھنا کہ تمہارے راز کا تمہاری ماں سے بڑھ کر کوئی نگہبان نہیں۔ اس دنیا میں تم نے دل کی بات بتانے کے لیے ماں کے سوا کسی دوسرے شخص کا انتخاب کیا تو وہ راز راز نہیں رہے گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی اسے ایسے سمجھا رہی تھیں جیسے وہ اس کا اندر پڑھ چکی ہوں۔

"یا اللہ...... کیا مورجی نے میرا دل، میری سوچ، میرا چہرہ پڑھ لیا ہے؟" اس نے ماں سے نظریں چرا کر سوچا۔

"میں آپ سے کچھ نہیں چھپا سکتی مورجی، یقین رکھیے کہ میری ہم راز آپ ہی ہیں۔ آپ ہیں تو مجھے کسی دوست کی ضرورت ہے اور نہ کسی ہم راز کی، مجھے جب کبھی اپنے راز کسی کو بتانے ہوں گے ہر بار میرا انتخاب آپ ہی ہوں گی۔" اس نے ماں کے ہاتھ اس کی ہاتھوں میں لے کر کہا تو جواباً وہ مسکرا دی تھیں۔

"چولہے پر چائے رکھی تھی لگتا ہے جل گئی۔" جلنے کی بو محسوس کر کے وہ تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی اور مورجی اس کی پشت دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم ہوگئی تھیں۔

❁ ❁

"آؤ باہر چلتے ہیں۔" وہ گھٹنوں میں سر دیے اکیلی بیٹھی تھی جب اس کی ماموں زاد اسے بلانے آئی۔

"میرا دل نہیں ہے زرینہ۔" وہ بولی۔

"ہم جانتے ہیں تمہارا دکھ قیامت ہے لیکن اس قیامت کو تم پر بیتے دو ماہ گزر چکے ہیں، تمہیں اب اس سے باہر نکل آنا چاہیے۔ زندگی ایسے نہیں گزر سکتی میری بہن۔"

زندگی ذرہ کاہ یست کہ کوشش کردیم
زندگی نام نکوری یست کہ خارش کردیم
زندگی نیست بجز نم نم باران بہار
زندگی نیست بجز دیدن یار
زندگی نیست بجز عشق
بجز حرف بہ کسی
ورنہ ہر خار و خسی
زندگی کردہ بسی
زندگی تجربہ تلخ مراوان دارد
دو سہ تا کوچہ و پس کوچہ
اندازہ یک عمر بیابان رارد
ما چہ کردیم و چہ خواہیم کرد؟
در ایں فرصت کم؟
(زندگی رائی کا دانہ ہے کہ جیسے ہم نے پہاڑ بنا ڈالا
زندگی اچھائی کا عنوان تھی کہ جسے ہم کانٹا بنا ڈالا
زندگی بہار کی بارش کی رم جھم کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی یار کے دیدار کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی عشق کے نغمے کے سوا کچھ بھی نہیں
محبت کے دو بولوں کے سوا کچھ بھی نہیں
ورنہ گھاس پھوس کے پتوں نے بھی
زندگی کے کئی دن گزارے ہیں
زندگی تلخ تجربات سے بھری ہے
چند گلیوں پر مشتمل بھول بھلیاں
کہ جو عمر بھر کی مسافت پر مشتمل صحرا سموئے ہوئے ہے
آخر ہم نے کیا کیا اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں
اتنی ہی فرصت ہی کہاں باقی ہے

"میرا دل جلتا ہے زرینہ اور اس کے ساتھ میرا وجود بھی، میں ایسا کیا کروں کہ میرا دکھ کم ہو جائے، کوئی ایسا عمل جو مجھے عام کر دے۔ میرے اندر کے خالی پن کو اس دنیا کی رونقیں نہیں بھر سکتی۔ مجھے عمر بھر جلنا ہے۔ عمر بھر خالی رہنا ہے۔" اس کے لفظوں میں ایسا درد تھا کہ زرینہ دکھی ہوگئی۔ کچھ ثانیے تک خاموش رہی پھر زرینہ واپس جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔" وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہائے میرے اللہ سچ کہہ رہی ہو۔" وہ تو خوشی سے جیسے اچھل ہی پڑی، اس کے ایسے مسرور ہونے پر وہ بھی مسکرا دی جانے کتنے عرصے بعد مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوئی تھی۔

* * *

"کیا بات ہے نین سکھ، کچھ پریشانی ہے؟" وہ کھانا کھاتے ہوئے سوچوں میں مگن تھی۔ حیرانی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں بابا ایسا کچھ نہیں۔"

"یہ میرے چہرے سے کیسے جان لیتے ہیں آخر۔" باپ کو جواب دے کر وہ بڑبڑائی۔

"ماں باپ اولاد کے چہرے کو ایسے ہی پڑھ لیتے ہیں جیسے کھلی کتاب کو......" وہ شرارت سے بولے۔

"آپ نے یہ بھی سن لیا۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"میں بھی اس سے یہی پوچھ رہی تھی لیکن یہ مجھے ٹالنے میں کامیاب ہوگئی۔ اب آپ ہی پوچھیں۔" مورجی مسکرا کر بولیں۔

"اب آپ خود بولیں گی یا مجھے دوبارہ پوچھنا ہوگا۔" وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"میں نے بتایا بھی تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"نین سکھ۔" اس کی بات کے جواب میں انہوں نے اس کا نام پکارا گویا انہیں یقین نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے کھانا تو کھالیں، بتاتی ہوں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

مورجی اور بابا نے خائف ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اپنی پلیٹ کی جانب متوجہ ہوگئے تھے۔

شہر کے مقابلے میں یہاں کے مکانات کی تعمیر بالکل الگ تھے۔ یہاں گھروں کی تعمیر میں لکڑی اور پتھروں کا استعمال بہت زیادہ تھا۔ خاص طور پر بیرونی دیواروں میں بڑے بڑے پتھروں اور لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا۔ وہ بہت حیرانی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اسے یہاں آئے کئی روز ہو گئے تھے اور وہ پہلی بار گھر سے باہر آئی تھی۔ خوب صورت پہاڑ سبزہ، گھاس پر چرتے مویشی اور پھل دار درخت یہ سب اس کے مزاج پر اچھا اثر ڈال رہے تھے۔

''وہ سامنے کیا ہے؟ آؤ وہاں چلتے ہیں۔'' اس نے بڑے بڑے پتھروں سے بنی ایک دیوار کی طرف اشارہ کیا اور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس طرف بڑھ گئی۔

''بہت خوب یعنی یہاں بھی اسکول ہے، یہ تو بہت اچھا ہے۔''

قریب سے گزرنے والی سب خواتین اس سے بہت ادب سے پیش آ رہی تھیں جو بھی عورت گزرتی رک کر اسے خوش آمدید کہتی اور اس کا ہاتھ تھام کر چومتی۔

''کیا یہ سب مجھے جانتی ہیں؟'' اس نے زرینہ سے پوچھا۔

''یہ تمہارے والدین کو جانتی ہیں...... ان دونوں کی اس وادی میں بے پناہ عزت کی جاتی ہے۔''

''لیکن ان دونوں میں ایسا کیا خاص تھا؟'' وہ حیرت زدہ ہوئی۔

''میں نہیں جانتی لیکن بڑوں کو اس کا علم ضرور ہوگا۔ وادی میں ان دونوں سے متعلق کوئی بھی تم سے بات نہیں کرے گا۔ تمہارے آنے سے پہلے یہ طے ہو چکا ہے۔'' زرینہ بہت دھیمے لہجے میں بولی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو، ایسا کیا راز تھا جو مجھ سے چھپایا جا رہا ہے۔'' وہ حیران ہوئی۔

''شش...... دھیرے بولو...... اگر کسی نے سن لیا کہ میں تم سے یہ باتیں کر رہی ہوں تو میری شامت آ جائے گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی میں اپنے والدین کے حوالے سے کسی سے کچھ پوچھ نہیں سکتی، کچھ جان نہیں سکتی آخری کیوں؟'' وہ جھنجلا کر بولی تو زرینہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''فکر مت کرو جلدی سب جان جاؤ گی۔ آج سے ہم دوست ہیں۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا تو زرینہ نے خوش دلی سے اس کا سرد ہاتھ تھام لیا تھا۔

بہ شہر کن کلاباں آدمی را
خبر از حال راز آدمی نیست
(نہیں بانکوں کی بستی میں بشر کو
خبر کچھ حالت زار بشر کی)

کھانا کھا کر اس نے برتن سمیٹے اور قہوہ دم پر رکھ کر برتن دھونے لگی۔ مورجی بھی اس کی مدد کے لیے آ گئی تھیں، انہوں نے قہوہ کیتلی میں ڈال کر گڑ کی ڈلیاں ڈبے سے نکال کر رکابی میں رکھیں۔

''برتن دھل گئے ہیں تو آ جاؤ تمہارے بابا انتظار میں ہیں۔'' مورجی کی آواز آئی تو وہ قہوہ کپوں میں نکال کر کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''نین سکھ، تمہیں ہم سے کوئی بات کرنی تھی۔ ہمیں بتاؤ تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' بابا اس کے خوب صورت چہرے کو فکرمندی سے تکتے ہوئے بولے۔

''میرے ساتھ کچھ عجیب ہو رہا ہے...... بہت عجیب۔'' وہ عاجزی سے بولی۔

''کیا مطلب، کیا ہو رہا ہے؟'' مورجی جلدی سے بولیں۔

''کچھ عرصہ قبل مجھے ایک دوست کے چہرے سے عجیب سی رنگین روشنی پھوٹتی محسوس ہوئی جسے میں نے اپنا وہم سمجھا اور نظر انداز کر دیا لیکن اس کے بعد مجھے پھر کئی بار ایسا ہی محسوس ہوا اور کل تو حد ہی ہو گئی......'' وہ سانس

لینے رکی، اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اگر وہ نظر اٹھ کر دیکھتی تو وہ یہ جان لیتی کہ اس کے ماں باپ کے چہرے لٹھے کی طرح سفید ہو چکے تھے۔

"کل مجھے شدید بھوک لگی تھی میں کینٹین سے برگر لے کر آ رہی تھی تو ایک شخص بہت غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں سے مجھے ناگواری محسوس ہوئی میں نے غصے سے اسے گھورا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کے چہرے کے گرد سیاہ رنگ کا ایک گولا مجھے واضح نظر آیا ساتھ ہی اس شخص کی شکل کریہہ ہوگئی کہ میرا جی متلا گیا۔ مجھ سے برگر پھر کھایا ہی نہیں گیا۔" وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے اس کی بات بغور سن رہے تھے۔

"میں نہیں جانتی ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ ہر بار الگ رنگ کی روشنی کا نظر آنا اور پھر ہر رنگ کے نظر آنے پر میری کیفیت، میرے محسوسات الگ ہوتے تھے۔ میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے آپ لوگوں سے چھپایا۔" وہ ان کو دیکھ کر وضاحت سے بتا رہی تھی۔

"ایسا کب سے ہو رہا ہے؟" بابا نے پوچھا۔

"کئی مہینے ہوگئے، کل جو ہوا وہ پہلی بار تھا میں بہت خوف زدہ ہوگئی تھی اسی لیے آج کالج بھی نہ جا سکی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تمہاری ماں بھی پہلی بار سیاہ ہالہ دیکھ کر ایسے ہی خوف زدہ ہوئی تھی۔" وہ کہیں کھو سے گئے۔

"مورجی کو بھی ایسا نظر آتا ہے کیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نین سکھ فضول سوال مت کرو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔" مورجی غصے سے بولیں۔

"لیکن مورجی وہ بابا کہہ رہے ہیں کہ......"

"میں نے کہا ناں کمرے میں جاؤ تو فوراً جاؤ۔" وہ غصے سے بولیں تو نین سکھ دہل کر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

مرجان نے سر پر ہاتھ رکھا پھر حکم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"یہ کیا کر رہے تھے آپ؟ جس بات کو ہم چھپا رہے تھے وہ آپ اسے بتانے جا رہے تھے۔"

"آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہیں کہ اب یہ بات اس سے چھپائی نہیں جا سکتی۔ ہمیں اسے سب بتانا ہوگا اس سے پہلے کہ وہ کسی دوست کو اپنی کیفیت کے بارے میں بتائے ہر کسی میں آپ جیسی صلاحیت نہیں ہوتی مرجان، ممکن ہے کہ نین سکھ اسے استعمال کرنا چاہے پھر ہم کیا کریں گے۔" پریشانی اور تشویش ان کے چہرے سے ظاہر تھی۔

"وہ ہماری بیٹی ہے حکم، جیسا ہم سمجھائیں گے وہ ویسا ہی کرے گی۔ مانا کہ اس حقیقت کے ساتھ جینا اس کے لیے مشکل ہے لیکن اسی میں اس کے لیے بہتری بھی ہے۔" مرجان کا نرم و ملائم چہرہ اور اس پر سجی اس کی نیلی آنکھیں، اس عمر میں بھی کمال کا حسن رکھتی تھیں۔

"میں سمجھی تھی کہ پڑھائی کی وجہ سے پریشان ہے، اس طرف تو میرا دھیان گیا ہی نہیں تھا کہ وہ بھی ہماری طرح کچھ خاص صلاحیت رکھتی ہے۔" حکم نے کہا۔ ان کے خوب صورت چہرے پر داڑھی بے پناہ جچ رہی تھی۔ جوانی کی طرح ان کی ادھیڑ عمر بھی بے مثال تھی۔

"میرا خیال ہے اب اس کو سب بتا دینا چاہیے۔"

"ابھی نہیں حکم، نین سکھ کے امتحان قریب ہیں جب تک وہ امتحانوں سے فارغ نہیں ہو جاتی اسے ایسے احساس میں مت ڈالیے، میں خود اسے کسی طرح بتا دوں گی۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" حکم نے گاؤ تکیے سے کمر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، کپوں میں موجود قہوہ بھاپ اڑا اڑا کر تھک کر ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"نین سکھ پچھلے کئی روز کے مقابلے میں آج بہت بہتر محسوس ہو رہی ہو۔ شاید یہ کل کے خوب صورت مناظر کا اثر ہے۔" شامتودہ (نانی) اپنی بیٹیوں سے

بات کر رہی تھیں۔
"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، آج کافی دیر وہ ہم سے بھی باتیں کرتی رہی۔ غم بھی تو بہت بڑا ہے۔ لگتا ہے کہ اب وہ جلد سنبھل جائے گی۔" شہرینہ نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔
"ہمیں تو اب اپنے اپنے گھر جانا ہے لیکن آتے جاتے رہیں گے یہ اچھا ہے کہ زرینہ اور نین سکھ کی دوستی ہوگئی ہے اب مجھے بھی سکون رہے گا۔" یہ شہرینہ تھی مرجان کی دوسری بہن اور نین سکھ کی خالہ۔
شہرینہ اور شبرینہ دونوں کی شادی روایات کے مطابق قبیلے میں ہی کی گئی تھی۔ شہرینہ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جب کہ شہرینہ کے چار بچے تھے دو بیٹیاں اور دو بیٹے دونوں ہی دریا پار وادی کے آخری گاؤں میں رہتی تھیں۔
نین سکھ کی آمد سے پہلے وہ دونوں اس سے ملنے کی خاطر یہاں چلی آئی تھیں اور آج دونوں واپس لوٹ رہی تھیں۔
"سب خیر ہوگی...... تم دونوں اپنے گھر سنبھالو یہاں ہم سب ہیں سنبھال لیں گے۔" یہ نین سکھ کی ممانی اور زرینہ کی والدہ تھیں۔
"وہ میں زرینہ کو تلاش کررہی تھی۔" وہ کمرے سے باہر آئی تو سب خاموش ہوگئے وہ بلاوجہ وضاحت دینے لگی۔
"زرینہ ہمارے کیسہ (بیگ) لے کر آرہی ہے۔" شہرینہ نے کہا۔
"آپ لوگ جارہی ہیں؟" وہ اداس ہوئی۔
"میری بچی، میری پیاری بیٹی تمہیں یوں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں کرتا۔ مجبور ہیں اپنے گھر جانا بھی ضروری ہے۔ مجھے امید ہے اگلی بار جب ہم آئیں گے تو تمہارا غم کم ضرور ہوگیا ہوگا، اداس اور زرد چہرے پہ خوشی کے رنگ پھیلے ہوں گے۔" شہرینہ نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔

"اپنے دل کو ہمیشہ مضبوط رکھنا۔ زندگی میں ہزاروں غم آنے کے بعد اگر سانس کا رشتہ جسم سے جڑا ہو تو جان لینا چاہیے کہ ہمارے وجود میں مزید حادثات زندگی برداشت کرنے کی قوت باقی ہے ہم حالات کا مقابلہ کرسکتے ہیں خود کو غموں کے بھروسے چھوڑ دو گی تو ہار جاؤ گی۔ ہم سب تمہیں ہارتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، ہمارے لیے خود سے لڑو۔" شبرینہ بھی اٹھ کر اس کے قریب آئیں اور اس کے دونوں شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے اس کو سمجھانا چاہا۔
"میرے پاس کوئی امید نہیں ہے، میں جن کی عاشق ہوں ان کی آواز سنائی نہیں دیتی، وہ کہیں دکھائی نہیں دیتے، یہ سماعتیں ان کی پکار کے بنا، یہ آنکھیں ان کے دیدار کے بنا اور میرا وجود ان کی موجودگی کے بنا کچھ بھی نہیں۔ اے کاش میں سننے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتی، میری آنکھوں کی بینائی چھین لی جاتی، میرے بدن سے روح کھینچ لی جاتی، مجھے کسی دکھ کی پروا نہیں ہوتی، میرا وجود مجھ سے چھین لیا گیا، میں کیسے صبر کرو، کیسے خود سے لڑوں، کہاں سے لاؤں حوصلہ۔" وہ زاروقطار روتی ہوئی شہرینہ سے لپٹ گئی۔

دنیا ہمہ ہیچ و اہل دنیا ہمہ ہیچ
ای ہیچ برای ہیچ بر ہیچ مپیچ
دانی کہ پس از عمر چہ ماند باقی
مہر است و محبت است و باقی ہمہ ہیچ

(دنیا کچھ بھی نہیں ہے اور دنیا والے کچھ بھی نہیں
اے ہیچ (کچھ بھی نہیں) برائے ہیچ خی داؤ پیچ کرتا ہے
جانتا ہے عمر کہ بچے گا یہاں کیا
بس محبت و پیار ہے باقی تو کچھ نہیں ہے)

⁂

وہ بستر میں دبکی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔ آج پہلی بار مور جی اس سے سختی سے پیش آئی تھیں، حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس کا نازک سا دل اس بات کو برداشت کرنے سے

قاصر تھا۔ مرجان کو بھی اپنے رویے کا احساس تھا اسی لیے وہ اس کے پاس چلی آئیں۔ کمبل میں ہچکیاں لیتے وجود کو دیکھ کر وہ شدید تاسف کا شکار ہوئیں۔

"نین سکھ، میری آنکھوں کا سکھ، میرے دل کا قرار میں معذرت خواہ ہوں کہ میری وجہ ہے یہ خوب صورت آنکھیں اشک بہا رہی ہیں۔" وہ اب اس کو پچکارتی ہوئیں کہہ رہی تھیں۔

"ایسا نہ کہیں آپ میری ماں ہیں، آپ سب کچھ کہہ سکتی ہیں، میں جانتی ہوں اس میں بھی میری بہتری ہی ہوگی۔" وہ تڑپ کر ماں سے لپٹ گئی۔

"تمہیں کچھ سمجھانا چاہتی ہوں میں جو بھی کہوں اسے بغور سنو اور اسے اپنے ذہن میں بٹھا لو اور اس پر عمل کرو۔" وہ اس کو خود سے الگ کرتی اس کے آنسو صاف کرتی ہوئی بولیں۔

"سب سے پہلے یہ جان لو کہ ہر راز امانت ہوتا ہے امانت میں خیانت کرنے والا اپنا راز دار بھی نہیں ہوسکتا۔ تم آج کے بعد کوشش کرو گی کہ کسی کا بھی چہرہ بغور نہ دیکھو۔" وہ کہہ کر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ الجھی، اس کی ماں اس سے یہ کیوں کہہ رہی تھی وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"یہ کیفیت تم پر طاری نہیں ہوسکے گی۔ تم نے آج تک جتنے چہرے اور ان کے گرد ہیولے دیکھے تم وہ سب بھول جاؤ، تم نے کچھ نہیں دیکھا ہر چہرے کا راز تمہارا راز ہے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی مورجی، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں بولی۔

"نین سکھ صرف اتنا سمجھ لو کہ تم کسی کا چہرہ غور سے نہیں دیکھو گی اور جتنے چہروں کے گرد تم نے رنگوں کے ہالے دیکھے ہیں تم ان کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"مورجی اس کا مطلب ہے آپ اس بارے میں کچھ جانتی ہیں بابا ٹھیک کہہ رہے تھے؟" نین سکھ نے ان کو کھوجتی نظروں سے دیکھتے پوچھا۔

"یہ وقت صحیح نہیں ہے میری بچی۔ میں اس بارے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی لیکن پہلے تم اپنے امتحانات سے فارغ ہو جاؤ پھر میں تمہیں کچھ ایسے راز بتاؤں گی جس سے دنیا تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے گی۔ تم خود اپنا راز پالو گی لیکن اس وقت کے آنے تک تمہیں خاموش رہنا ہے اور اس بارے میں اپنے ذہن اور دل کو خالی رکھنا ہے سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔" اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے تائید چاہی۔

"میں پوری کوشش کروں گی ایسا ہی ہو آپ فکر نہیں کریں۔" وہ بظاہر مطمئن تھی لیکن اس کے اندر تجسس اور سوالات تھے جن کو وہ فی الوقت زبان پر نہیں لانا چاہتی تھی۔

مرجان چلی گئیں تو وہ اپنی ڈائری تھام کر کچھ لکھنے لگی اور لکھ لیا تو اسے زیر لب پڑھنے لگی۔

خاموش کہ خاموشی بہت از عسل نوشی
در سوز عبارت راہ گزار اشارت را
(خاموش کہ خاموشی ہے شہد سے بھی بہتر
اب پھونک عبارت (مخلوں) کو اور چھوڑ اشارت
(حوالوں، اشارے کو)

دن گزرتے چلے گئے نین سکھ کو وادی میں آئے کئی مہینے ہو گئے تھے، شہرینہ اور شبرینہ اس دوران باری باری کئی بار آتی رہی تھیں۔ وہ چاہ کر بھی اپنے خول سے باہر نکل نہیں پائی تھی۔ وادی میں کسی میلے کی تیاری جاری تھی جس میں شامل ہونے کے لیے ہر قبیلے اور ہر گاؤں کا ہر فرد کئی دنوں سے تیاریوں میں مصروف تھا۔ ایسے میں وہ زرینہ کے ساتھ کبھی کبھار باہر چلی جاتی تھی۔

زرینہ اپنی دادی اور ماں کے ساتھ رنگین کپڑے کاٹ کر ان کی جھنڈیاں بنانے میں مصروف تھی۔ نین سکھ کچھ دیر تو بے دلی سے ان کو دیکھتی رہی پھر شال لپیٹتی ہوئی بوجھل قدموں سے گھر سے باہر نکل آئی۔ گھر کے

بالکل سامنے کچھ ہی فاصلے پر دریا بہہ رہا ہے۔ لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے شاید اسی لیے آج کوئی دریا کے کنارے نظر نہیں آ رہا تھا۔ ورنہ یہاں کی خواتین کا دلچسپ مشغلہ فارغ وقت میں دریا کنارے کپڑے دھونا اور ساتھ ساتھ گھریلو باتیں کرنا تھا۔

اپنے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ کر وہ ایک بڑے پتھر تک آئی اور اس پر بیٹھ کر پیر پانی میں ڈال دیئے۔ پانی کافی سرد تھا لیکن اس کے اندر چھائے یخ بستہ جمود سے زیادہ نہیں تھا۔ اسی لیے پانی اپنی ٹھنڈک کا احساس اس کے وجود کو نہ بخش پایا تھا۔

''کہنے والے کہتے ہیں کہ تم ہزاروں سال سے پہلے چلے آ رہے ہو، کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اوپر والے کی ان پر خاص رحمت ہے اسی لیے ان اونچے پہاڑوں سے تم گزر رہے ہو، لوگ تمہیں ہزاروں سال سے بہنے والی رحمت سمجھتے ہیں اور مجھے تم ہزاروں سال پرانا ایسا افسانہ لگتے ہو جو اپنے اندر لاکھوں داستانیں سموئے بیٹھا ہو۔ ان داستانوں کے بچھڑ جانے، ادھورے رہ جانے کا دکھ نجانے کس قدر ان گنت داستانوں کے تم چشم دید گواہ رہے ہو، نجانے کن کن صدموں کے ماتم میں صدیاں بیت جانے کے بعد بھی اشک نہیں روک سکے۔ یہاں ہم سے ایک دکھ نہیں سنبھالا جاتا۔''

''انسان کا دل دریا اور کسی سمندر سے بہت گہرا ہے۔

ہمارا دل ہر صدمہ برداشت کرسکتا ہے اور ایسے ہزاروں صدمے جھیل سکتا جسے دیکھ کر یہ دریا اور سمندر تھم سکتے ہیں۔''

وہ دریا کے پانی میں پیر ڈبوئے اردگرد کے ماحول سے بیگانہ، خود کو تنہا سمجھ کر آنکھیں موندے بہتے پانی کے ساتھ سرگوشیاں کررہی تھی جب ایک مردانہ آواز نے اسے چونکایا۔ خیالوں کا تسلسل ٹوٹنے پر ناگواری کی ایک سرد لہر اس کے چہرے پر آ کر گزری۔

''ایسی بات صرف وہی کرسکتا ہے جس نے کوئی صدمہ کبھی نہیں جھیلا ہو۔'' اس نے رخ موڑ کر اس نوجوان کی طرف دیکھا اور سر جھٹک دیا۔

''صد شکر کہ صدمے چہرے پر ظاہر نہیں ہوتے ورنہ آپ کو ایسی بات کرنے سے پہلے کئی بار سوچنا پڑتا۔'' وہ اب بغور اس کو دیکھ رہا تھا، اس کی سفید رنگت میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔

''میں دعا کروں گی کہ تم جیسا حسین شخص کسی صدمے سے دوچار نہ ہو ورنہ یہ شگفتگی خاک ہوجائے گی۔'' وہ جانے لگی تو اس نے فوراً کہا۔

''آپ کا حسن کسی کہانی کی پری سے کہیں زیادہ ہے، کیا ایسا اس لیے کہ آپ نے کوئی دکھ نہیں جھیلا۔'' اس نے جواباً اسی پر چوٹ کی۔

''اس حسین وادی میں تمہاری موجودگی وادی پر اضافی بوجھ ہے میں نہیں چاہوں گی کہ تمہیں دوبارہ کبھی دیکھوں۔'' وہ غصے میں بول کر گھر کی طرف بڑھ گئی جبکہ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''یقین رکھیں کہ یہ ہماری آخری ملاقات نہیں تھی۔'' پیچھے سے آتی آواز ان سنی کرکے وہ لکڑی کے کھلے دروازے سے گھر میں داخل ہوگئی تھی۔

چہ پرسی از سر و سامان من
عمر یست چوں کاکل
سیہ بختم، روزگارم
خانہ بردوشم

(میرے ساز و سامان کے متعلق کیا پوچھتے ہو
کہ میری ساری عمر تو زلفوں جیسی (سیاہ) ہے
میرا نصیب سیاہ ہے روزگار پریشان ہے
کندھوں پر گھر ہے (ان زلفوں کی طرح جو کندھوں پر کسی خانہ بدوش کی طرح رہتی ہے)

وقت کے ذمے دنیا کی ہر شے کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جانا ہے سو وہ اپنی ذمہ داری بخوبی سرانجام دے رہا

ہے، بڑے بڑے قدآور درخت خشک ہوکر ڈھے جاتے ہیں، بلند و بالا پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر اپنا وجود کھو دیتے ہیں، اعلیٰ عہدوں پر فائز عمدہ نام ونسب کے لوگ جن کا کوئی ثانی نہیں ہوتا خاک ہو جاتے ہیں، کیا چرند، کیا پرند، شجر و حجر، مٹی سے بنے اربوں کروڑوں انسان خاک میں مل کر خاک ہوگئے۔

وہ بیتابی سے اپنے والدین کا لوٹنے کا انتظار کر رہی تھی۔ آج اس کا آخری پرچا تھا حکم نے شہر میں ایک بڑی دکان کھولی تھی جس میں روایتی لباس کے علاوہ ہاتھ کی کڑھائی کے کپڑے، چادر اور دستر خوان رکھے گئے تھے اور ان کے علاوہ دیگر ثقافتی چیزیں رکھی گئی تھیں۔

یہ کاروبار مسلسل ترقی کر رہا تھا۔ حکم نے دکان کی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی وادی کی محنت کش اور باصلاحیت خواتین سے مناسب معاوضے پر بنوائی تھیں۔ دکان پر دو لڑکے دیکھ بھال کرتے تھے لیکن شہر سے وادی سامان لانے لے جانے کا کام وہ خود کیا کرتے تھے۔ اسی مقصد سے حکم نے وادی جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو مورجی بھی خلاف توقع ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئیں، آج سے پہلے وہ دونوں کبھی وہاں ساتھ نہیں گئے تھے، نین سکھ والدین کی شدت سے منتظر تھی کیونکہ جس بات نے اسے مہینوں سے پریشان کیے رکھا تھا آج اس کا راز کھلنے والا تھا۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ دوپہر کے بعد شام ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے رات ہوگئی۔ اس کے دل میں اندیشوں نے جگہ بنالی۔ دل خوف زدہ ہوگیا۔ کانپتے ہاتھوں سے پہلی بار ننھیال فون ملالیا۔ پتا چلا کہ وہ سرِ شام ہی وہاں سے نکل گئے تھے۔ اس کے فون پر ان سب کو بھی فکر ہوگئی۔ اس کے نانا قبیلے کے چند مردوں کے ساتھ ان دونوں کو ڈھونڈنے نکلے۔

زندگی میں پہلی بار اسے خود سے بھی خوف محسوس ہوا تھا۔ زندگی میں ایسا کچھ بھی ہوگا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا صبح کے وقت دروازے پر دستک ہوئی جن کا انتظار تھا وہ تو نہ تھے البتہ اسے لینے وادی سے اس کے نانا نانی آئے تھے ان کے چہروں پر چھائی ویرانی اور سناٹا اسے بتا رہا تھا کہ کیا ہوا ہے لیکن وہ ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔

''میرے کاکا اور مورجی کہاں ہیں؟'' اس نے پریشانی سے پوچھا۔

''وہ ہم سے بہتر جگہ پر ہیں۔'' اس کی نانی کے لب ہلے۔

''میں نہیں مان سکتی۔'' وہ چلائی۔

''ہم جانے والوں کو خوشی خوشی رخصت کرتے ہیں، ہر آنے والے کو جانا ہوتا ہے میری بیٹی۔'' اس کے نانا آگے بڑھے، وہ وحشت زدہ ہوکر پیچھے ہوگئی۔

''آخری دیدار کا وقت ہے آؤ چلیں۔ جی بھر کر دیدار کرلینا پھر نہ کرسکوں گی۔'' اس کی نانی اس کے کپڑے اور ضروری سامان لینے اندر چلی گئیں۔ وہ میکانکی انداز میں ان کے پیچھے چل دی۔ اس کی سانس چل رہی تھی لیکن اس کے اندر سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔

کل کے دن اس کے سامنے ہنسنے مسکرانے والی، اسے سینے سے لگا کر پیار کرنے والی اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس پر وار دینے والی اسے جان سے عزیز، دونوں محترم ہستیاں خون میں لت پت پڑی تھیں۔

''ان کی گاڑی پر ایک بڑی چٹان آن گری جس کی وجہ سے موقع پر ہی دونوں جاں بحق ہوگئے۔'' کسی نے آگے بڑھ کر اسے بتایا، وہ ساکت نگاہوں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ قبیلے کی روایت کے مطابق کسی مردہ شخص کے لیے آنسو نہیں بہائے جاسکتے تھے۔ وہ تو خود مردہ ہوگئی تھی۔

یکی خندرز آبادی
یکی گریدز بربادی
یکی از جان کند شادی
یکی از دل کند غوغا

(کوئی ہنستا ہے خوش ہوکر
کوئی روتا ہے غم سہہ کر
کسی کی جان بے غم ہے
کسی کا دل پرغم ہے)

"میں اپنے والدین کی قبر پر جانا چاہتی ہوں، کیا تم میرے ساتھ چلوگی؟" اس نے زرینہ سے پوچھا۔

"آہستہ بولو...... مرواؤں گی کیا، کوئی سن لے گا تو شامت آجائے گی۔" زرینہ سرگوشی میں بولی۔

"کیوں اس میں کیا غلط ہے؟" اس نے خشمگین نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"غلط تو کچھ نہیں ہوگا لیکن تم واحد ہو جسے اپنے مرنے والوں کا اس قدر غم ہے کہ اب تک ماتم منا رہی ہو، تمہیں پتا ہے ناں ہم مرنے والوں پر بین نہیں کرتے، خوشی خوشی رخصت کرتے ہیں۔ ایسے میں کسی کو علم ہوا کہ میں تمہیں قبرستان لے گئی تھی تو یہ میرے لیے کسی مصیبت سے کم نہیں ہوگا۔"

"تم جاؤ گی یا نہیں؟" وہ جھنجلا کر بولی۔

"چلتے ہیں لیکن کسی سے بھی ذکر مت کرنا۔"

"مور بے میں نین سکھ کے ساتھ سیر کے لیے جارہی ہوں۔" وہ وہیں سے اونچی آواز میں بولی اور اسے اشارہ کرتے ہوئے باہر چلی آئی۔

سردی کافی بڑھ گئی تھی، چند روز میں برف باری شروع ہونے والی تھی۔ زرینہ وادی کی دیگر خواتین کی طرح اپنے روایتی لباس سنگاچی میں ملبوس تھی۔ سر پر گول ٹوپی تھی جو پشت تک لمبائی میں جاتی تھی۔

اس نے البتہ ہلکے گلابی رنگ کی پیروں کو چھوتی فراک پہنی ہوئی تھی۔ جس پر اس نے سیاہ سویٹر اور سیاہ شال اوڑھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے کافی دور نکل آئی تھیں۔ یہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ وادی میں سال کے آخری تہوار کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ گلیاں جھنڈیوں سے بجی نظر آرہی تھیں۔

"وہ سامنے جو پل ہے وہ عبور کرکے ہم قبرستان پہنچ جائیں گے۔" زرینہ نے دریا کے پل کی طرف اشارہ کیا۔ پل پار کرکے دونوں قبرستان میں داخل ہوئیں۔ کچھ قبریں مسلسل تابوت کی شکلوں میں تھیں تو کچھ زیر زمین تھیں جن کے اوپر چارپائیاں الٹی پڑی تھیں۔

"پہلے یہاں تابوت دفنایا کرتے تھے اور روایت کے مطابق مردے کا سامان بھی ساتھ ہی دفن کردیتے تھے لیکن بعد میں چوریاں ہونے لگیں چور میت کا سامان چوری کرکے تابوت کھلے چھوڑ دیتے تھے اسی لیے اب مردے دفنائے جاتے ہیں اور جس چارپائی پر مردہ لے کر آتے ہیں اسے قبر پر الٹا بچھا دیتے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں موجود سوال کو زرینہ نے زبان تک آنے سے پہلے پڑھ لیا تھا لہٰذا بنا سوال کے اس کی الجھن دور کی۔ قبروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ایک جگہ زرینہ رک گئی اور ہاتھ سے دو قبروں کی طرف اشارہ کیا۔ نین سکھ کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھوں سے مٹی کو چھو کر ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔ دونوں ہاتھوں کو باری باری بوسہ دیا۔

"آہ...... زمین کے اس حصے کی کیسی عظیم خوش نصیبی ہے کہ اس میں آپ دونوں دفن ہیں۔ آہ میری کیسی عظیم بدبختی ہے کہ میں آپ دونوں کے لمس، قربت، شفقت و محبت سے محروم ہوگئی ہوں۔ میری آنکھیں آپ کے دیدار کی منتظر ہیں، میری سماعت آپ کی ایک پکار کے لیے ترستی ہیں، میرا دل آپ کی موجودگی کے لیے ہمکتا، بلکتا اور تڑپتا ہے۔ کاش میری آنکھیں جل جاتیں، سماعت پھٹ جاتیں، میرا دل آتش ہجر میں جل کر راکھ ہوتا، میرا بدن ریزہ ریزہ ہوجاتا۔ کاش میں آپ کی جدائی کا صدمہ جھیلنے سے قبل اپنی روح، اپنے وجود سے باہر نکالا سکتی۔ یہاں سب کہتے ہیں مرنے والوں کو خوشی خوشی رخصت کرتے ہیں ان کا دکھ منانا گناہ ہے، ان کے لیے رونا گناہ ہے مجھ پر قیامت گزر گئی میرا سب کچھ ختم ہوگیا اور مجھے رونا نہ آئے یہ کیا ہے۔ آہ

کاش...... مور جی کا کا جی آپ دونوں میرے سامنے آسکتے اور مجھے اس بات کا یقین دلاتے کہ میرا آپ دونوں کے جانے سے جو نقصان ہوا ہے اس نقصان کا ماتم میں نہ مناؤں۔ آپ نے میرا نام نین سکھ رکھا، نین سکھ جس کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی تھی۔ کاش، کاش آپ دیکھ سکتے کہ آپ کی نین سکھ کے نین دکھ کا عنوان بن گئے ہیں۔ آپ کی نین سکھ سکھی نہیں رہی، سب سکھ دکھ سے بدل گئے۔ جانے سے قبل مجھے ایک اشارہ کردیتے تو میں یہاں رہنے سے ہزار درجے بہتر آپ کے ساتھ جانا تسلیم کرلیتی۔'' وہ پتا نہیں کتنی دیر تک بے ربط بولتی رہی۔ روتی رہی، ہچکیاں لیتی رہی، زرینہ ایک طرف خاموش بیٹھ کر اسے دیکھتی رہی تھی۔ زرینہ چاہتی تھی کہ وہ آج دل کا سارا غبار ایک بار ہی نکال لے، دل کھول کر رو لے، اس لیے اس نے کوئی دخل نہیں دیا۔ نین سکھ کچھ پل بعد اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور رونے سے اس کی نیلی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔

''نین سکھ منہ دھولو پھر گھر چلتے ہیں۔'' دریا کے کنارے پہنچ کر زرینہ نے کہا۔

دریا کے ٹھنڈے یخ پانی کے چھپاکے چہرے پر پڑنے اس کی سرخ آنکھوں کے شعلے کچھ مانند پڑ گئے تھے۔

''تمہیں پتا ہے اس قبرستان میں ایک انگریز کی قبر بھی ہے۔'' زرینہ اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھی اس لیے اسے باتوں میں لگانا چاہا۔

''انگریز......! وہ یہاں کیسے آیا؟'' نین سکھ اس کی بات غائب دماغی سے سن رہی تھی لیکن زرینہ کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی اس لیے مروتاً بات چیت میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔

''اس کا نام جورڈی میکنز تھا، وہ یہاں سیاحت کے لیے آیا تھا اسے وادی کا حسن اس قدر بھایا کہ اس نے یہیں قیام کرلیا۔ کہتے ہیں کہ یہاں جو عجائب گھر ہے وہ اسی نے اپنے گھر میں بنایا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہاں گھوڑوں کو بھی پالا تھا۔ کافی امیر آدمی تھا، اس نے وادی کی ترقی و تعمیر کے لیے بہت کام کیے۔ وادی سے اسے اس قدر محبت تھی کہ قبیلے والوں نے اس کے مرنے کے بعد اس کو قبیلے کے قبرستان میں دفنا دیا تھا۔''

''واہ کافی دلچسپ داستان ہے ایسے سر پھرے لوگ بھی دنیا کا حصہ تھے جو نظاروں کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر آگئے۔'' نین سکھ نے زرینہ کو دیکھ کر کہا۔

مردہ بدم، زندہ شدم
گریہ بزم خندہ شدم
دولت عشق آمد
و من دولت پایندہ شدم
(مر چکا تھا جی اٹھا
رو رہا تھا ہنس پڑا
عشق لافانی ملا
میں بھی فنا ہوا)

✿ ...... ✿ ...... ✿

وہ پہاڑ کے بیچوں بیچ ایک پتھر پر کھڑی تھی۔ ہر طرف سورج کی کرن بادلوں کی اوٹ سے نکل کر زمین کے ایک مخصوص حصہ پر پڑ رہی تھی۔ اس کے دائیں بائیں مرجان اور حکم کھڑے تھے وہ دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس کا پاؤں پھسل جاتا ہے اور وہ پتھر سے گر جاتی ہے۔ اچانک سبزہ سیاہی میں بدل گیا تھا۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھا گئی تھی۔ وہ خوف سے ادھر ادھر دیکھنے لگی لیکن کچھ سجھائی نہیں دیا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی، کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن حلق خشک تھا، زبان گنگ تھی، چلنا چاہتی تھی تو پیر لڑکھڑا رہے تھے۔

''نین سکھ۔'' یکایک کسی نے اس کا نام پکارا تھا۔ وہ پکارنے والے کو دیکھنا چاہتی تھی پر مڑ کر دیکھتی ہے اس اندھیرے میں اس شخص کے گرد سفید روشنی کا حصار آس پاس کی ہر چیز منور کر رہا تھا۔

''مجھے بچالو۔'' اچانک قوت گویائی لوٹ آئی اور وہ زور سے چلائی۔

"کیا ہوا نین ڈر گئی ہو کیا؟" زرینہ اس کا شانہ پکڑ کر ہلا رہی تھی۔ چند لمحوں تک تو اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔

"عجیب سا خواب دیکھا، ڈر گئی تھی۔" چند لمحوں کے بعد نیند والی کیفیت سے باہر نکلی تو زرینہ نے اسے پانی کا گلاس دیا۔

"کیا دیکھا؟" زرینہ نے پوچھا۔

"کاکا اور مور جی تھے وہ اچانک چلے گئے ان کے جاتے ہی ہر چیز کا رنگ بدل گیا پھر ایک شخص نظر آیا جس کے ارد گرد روشنی تھی۔ سفید روشنی میں اسے مدد کے لیے پکار رہی تھی پھر آنکھ کھل گی۔" وہ دھرے سے بتا رہی تھی اس کے چہرے پر چھائے رنگ بتاتے تھے کہ وہ ابھی تک اسی خواب کے سحر میں ہے۔

"کون تھا وہ شخص؟"

"میں نہیں جانتی، اس کا چہرہ واضح نہیں تھا لیکن وہ آواز میں پہلے سن چکی ہوں اس نے میرا نام پکارا تو ایسا لگا جیسے پوری دنیا میں وہ میرا واحد سہارا ہے۔"

"اچھا چھوڑو، خواب تھا، خواب کا کیا بھروسا؟" زرینہ نے اسے سمجھایا جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا اور لیٹ کر لحاف او بر تک اوڑھ لیا۔ زرینہ بھی مطمئن ہو کر بستر میں دبک گئی تھی۔

رسیدہ مژدہ کہ ایام غم نخواهد ماند
چنان ماند، چنین نیز هم نخواهد ماند
(مژدہ آن پہنچا کہ ایام غم نہ رہیں گے
وہ دن نہ رہے، یہ دن بھی نہ رہے گے)

وہ اپنی ممانی اور نانی کے ساتھ برآمدے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ برآمدے میں مختلف پھولوں اور پھلوں کے درخت تھے جن کے آس پاس چھوٹی چھوٹی سبز گھاس تھی یہ گھر کا کچا حصہ تھا جو چھوٹا باغ بانی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس کی ممانی سیدھی سادی خاتون تھیں۔ ہر وقت

کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی تھیں۔ فرصت بھی ملتی تو کوئی نہ کوئی کام تلاش کرلیتی تھیں، اس وقت بھی وہ درخت سے اترے تازہ سیب ایک ایک کرکے باسکٹ میں رکھ رہی تھیں، ان سے کچھ ہی فاصلے پر اس کی نانی کسی کپڑے پر کشیدہ کاری کررہی تھیں۔

''کیا مورجی نے بھی آپ سے ہی دستکاری سیکھی تھی۔ وہ بھی فرصت کے اوقات میں مختلف چیزیں بناتی رہتی تھیں۔'' وہ خاموشی سے نانی کے ہاتھ کی نفاست دیکھتی رہی پھر سوال کیا۔

''تمہاری ماں نے مجھ سے کچھ نہیں سیکھا، اس نے تو سب کچھ خود ہی سیکھ لیا تھا، جو مہارت اور نفاست اس کے ہاتھ میں تھی وہ میرے ہاتھ میں کہاں؟'' اس کی نانی نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر سوئی دھاگے سے الجھتے ہوئے جواب دیا۔

''مرجان کے ہاتھ کی بنی سنگاچی تو وادی میں اب تک یاد کی جاتی ہے، ایسے ایسے نمونے تراشتی تھی کہ آنکھیں دنگ رہ جاتی تھیں۔'' وہ ایک بار پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ایک بات پوچھوں مورے؟'' مرجان کے دیکھا دیکھی وہ بھی نانی کو مورے کہہ کر پکارنے لگی تھی۔

''پوچھو۔'' ان کا پورا دھیان کڑھائی پر تھا۔

''مورجی اور کاکاجی دونوں کو یہاں سب پسند کرتے تھے، عزت دیتے، جب بھی کسی سے ان کا ذکر سنا عزت واحترام والا سنا پھر ان کے شہر منتقل ہوجانے کا سبب آخر کیا تھا؟'' بالآخر وہ سوال جو کب سے دل میں تھا زبان پر لے آئی۔

''ایشالا۔'' اچانک ایک لمبا تڑنگا نوجوان دروازے سے اندر داخل ہوا۔

''ایشالا...... خوش آمدید۔'' ممانی اور نانی نے کھڑے ہوکر استقبال کیا۔ نین سکھ بھی اس کو دیکھنے لگی۔

''آپ کیسی ہیں؟'' نوجوان دونوں خواتین کا حال چال پوچھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اپنی نانی کی طرف دیکھا گویا پوچھ رہی ہو کہ یہ کون ہے؟

''یہ تمہارا ماموں زاد ہے، زرینہ کا بھائی فراخ، کاروبار کے سلسلے میں اس کا مختلف ممالک میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ پورا سال کہیں بھی رہے میلے کے موقع پر باقی قبیلے والوں کی طرح اپنی وادی میں ضرور لوٹ آتا ہے۔'' ممانی نے مسکراتے ہوئے بتایا وہ اپنی بے خبری پر افسوس کرکے رہ گئی۔

''میری جانب سے بھی خوش آمدید۔'' اس نے مروتاً چہرے پر مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

''امید ہے اس بار یہاں زیادہ دل لگے گا۔'' اس نے کھل کر مسکراتے ہوئے جواب دیا، جواباً نین سکھ مروتاً بھی نہیں مسکرائی۔ خاموشی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی وہ اس کے پیچھے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

بروی غیر چہ خندی، بہ من تبسم کن
نمک مپاش بہ ہر دل ببین کہ داغ کجاست
(بطرف غیر نظر کرکے مسکرانا کہا
نمک وہاں پہ چھڑک، داغ جہاں موجود ہو)

***

''یہ نقاشی کس قدر خوب صورت ہے۔'' وہ اور زرینہ بازار آئے ہوئے تھے۔ کل سے میلہ شروع ہورہا تھا۔ گھر میں کچھ چیزوں کی ضرورت تھی تو نانی نے اسے بھی زرینہ کے ساتھ بھیج دیا۔ خریداری کرکے وہ واپسی کے لیے لوٹ رہی تھی کہ ایک دکان پر مختلف رنگوں سے مزین گلدان، برتن اور مصوری کے دیگر نمونے دیکھ کر رک گئی۔

''یہ برتن اور دیگر اشیا یہاں بہت پسند کی جاتی ہیں، تمہیں پتا ہے نین سکھ تینوں وادیوں میں صرف ایک شخص یہ ماہرانہ شاہکار نمونے تیار کرتا ہے۔'' وہ ایک بڑی رکابی پکڑ کر دیکھ رہی تھی جس میں آبشار سے پانی گرنے کا منظر اس قدر واضح تھا کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔

"اگر آپ کو یہ پسند ہے تو آپ اسے رکھ لیجیے۔" مردانہ آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا یہ تو وہی شخص تھا جو اس دن دریا کنارے موجود تھا۔

"میں خیرات نہیں لیتی، بہت شکریہ۔" وہ رکھائی سے بولی اور زرینہ کو دکان سے چلنے کا اشارہ کیا۔

"یہ خیرات نہیں، ایک مہمان کے لیے میرا تحفہ ہے۔" اس نے وہ رکابی اس کی جانب بڑھائی۔

"مہمان......!" وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مقامی لوگ روایتی لباس کے سوا کوئی لباس نہیں پہنتے، آپ مہمان ہی ہو سکتی ہیں۔" اس نے وضاحت دیتے ہوئے رکابی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"میں اجنبیوں سے تحائف نہیں لے سکتی۔" اس نے وہ رکابی ایک طرف رکھ دی۔

"اجنبی کیسے، ہم تو پہلے مل چکے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"چلو زرینہ۔" زرینہ جو آنکھیں پھاڑے دونوں کی نوک جھونک سن رہی تھی چونک اٹھی۔ نین سکھ اس شخص کی بات کا جواب دیے بنا زرینہ کا ہاتھ تھامے تیزی سے دکان سے باہر نکلی۔ اس نے مسکرا کر نین سکھ کو دیکھا۔

"تم شہنشاہ سے پہلے بھی مل چکی ہو، کہاں، کیسے؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔" زرینہ سوال پر سوال کر رہی تھی۔

"تو اس کا نام شہنشاہ ہے۔" بجائے جواب دینے کے وہ اپنی ہی دھن میں بولی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"دریا کنارے ایک دن دیکھا تھا۔ وہ محض ایک اتفاق تھا اسے ملاقات نہیں کہہ سکتے۔" نین سکھ نے کہا۔

"اوہ...... اچھا، شہنشاہ اکثر دریا کنارے بیٹھ کر مصوری کرتا ہے۔ اب تو برف باری شروع ہونے والی ہے وہ کچھ عرصہ وہاں نظر نہیں آئے گا۔" زرینہ نے کہا جواباً نین سکھ نے کندھے اچکا دیے گویا کہہ رہی ہو مجھے اس سے کیا لینا دینا۔

نہ ہر کلکی شکر دارد، نہ ہر زہری زیر دارد
نہ ہر چشمی نظر دارد، نہ ہر بحری گہر دارد

(نہ سب برتن شکر رکھیں
نہ سب زہریں زبر رکھیں
نہ سب آنکھیں نظر رکھیں
نہ ہر دریا گہر رکھے)

اس کے پیچھے آتے شہنشاہ نے شعر پڑھا اور خاموشی سے ان کو دور جاتا دیکھتا رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" زرینہ ایک گہرے برتن سے چمچ کی مدد سے انتہائی رغبت سے کچھ پی رہی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بادام کا شوربہ ہے...... انتہائی لذیذ ہوتا ہے اس کا پسندیدہ ہے اس لیے پکنے سے پہلے ہی نکال لیا۔ صبر تو اس لڑکی کو چھو کر بھی نہیں گزرا۔" زرینہ کے بجائے کمرے سے باہر آتے فراخ نے کہا۔ مٹی کے چولہے پر رکھی ہانڈی سے بھاپ اڑ رہی تھی۔

ممانی دوسرے چولہے پر توا رکھ کر مکئی کا آٹا مسل رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ درمیان میں پھوکنی (چھوٹا سا پائپ) کی مدد سے بجھتی آگ کو پھونک مار کر تیز بھی کرتی جاتی تھیں۔

"آپ کا یہاں دل لگ گیا ہے۔" فراخ موڑھا کھینچتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا۔

"دل لگنا اہم نہیں ہے...... اہم تو سانس لینا ہے، سانس لے رہی ہوں۔ آپ کے سامنے ہوں زندہ ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"سانس لے رہی ہو اس کا مطلب ہے دل دھڑک رہا ہے۔" وہ اس کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"دھڑکتا ہے مگر خالی ہے۔ اس کے اندر موجود

خواہش، خواب سب جانے والوں کے ساتھ چلے گئے، میرے دل نے اپنا سب کچھ گنوا دیا نہ کوئی راستہ بھائی دیتا ہے نہ منزل دکھائی دیتی ہے۔ برگ و بار جھڑ چکے ہیں سمندر میرے لیے خشک ہیں یہ دنیا میرے لیے سرائے (مہمان خانہ) ہے اور میں اس کی مہمان ہوں۔'' وہ اداسی سے کہہ رہی تھی۔ فراخ کا دل اس کے ایسے دکھی ہونے پر غمگین ہوا۔

''آپ اس کیفیت سے نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔''

''دشوار ہے...... جنت کی خواہش تھی اور خلا میں معلق ہوں، میرے وجود کی روشنیاں، تاریک شب میں بدل گئی ہے، میں اس تاریکی کا حصہ بن گئی ہوں، اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔'' اس کی آنکھوں میں غم کے رنگ ابھرے تھے۔

''شب تاریک ہو تب بھی فلک سے نظر آتی روشنیاں دور ہی سہی لیکن روشن ضرور ہوتی ہیں، تمہارے اندر جتنی بھی سیاہی ہو امید کرتا ہوں ان میں کوئی کرن ضرور ہوگی۔'' اس کی آنکھیں فراخ کو رنج پہنچ رہی تھیں۔ وہ اتنا کہہ کر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

شب تاریک و بیم موں و گردابی چنین ہایل
کجا دانند حال ماس سبک جالان سا ملھا
(شب تاریک ہے طوفاں ہے اور گرداب میں کشتی
ہمارا حال کیا جانیں ساحل پر کھڑے بے خبر)

وقت گزر رہا تھا اور وہ ایک ہی جگہ ٹھہر گئی تھی۔ آگے کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے، کیا ساری عمر یونہی گزر جائے گی؟ یہ سوچ کر وہ وقت ضائع نہیں کرتی تھی۔ بنا راستے، بنا منزل اور بنا ارادوں کے وہ کسی پینڈولم کی طرح اپنے دکھوں اور زندگی کے درمیان جھول رہی تھی۔

وادی میں رونقیں عروج پر تھیں۔ تینوں وادیوں میں بسنے والے لوگ آہستہ آہستہ جمع ہونے لگے تھے، شہرینہ اور شبرینہ بھی اپنے بچوں سمیت آ گئی تھیں۔ وہ مروتاً سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

شہرینہ اور شبرینہ اس کے لیے تحفتاً روایتی لباس لے کر آئی تھیں۔ تہوار میں شامل ہونے کے لیے اس کی نانی نے بھی اس کے لیے روایتی لباس بنوائے تھے، سیاہ لمبی فراکوں پر رنگین دھاگوں سے دیدہ زیب ہاتھ کی کڑھائی اور موتیوں کا خوب صورت کام تھا۔ ہر سوٹ کے ساتھ سر سے پشت کی طرف جاتی لمبی ٹوپی تھی جو سر پہ آ کر گول ہو جاتی تھی۔ ہر ٹوپی پر موتیوں اور سیپیوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں، یہ کام بہت باریکی اور نفاست کیا گیا تھا۔ وہ ٹوپی ہاتھ میں لے کر بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''واللہ آپ بہت حسین ہیں، اس لباس میں خوب جچیں گی۔'' یہ شہرینہ کی بڑی بیٹی تھی جو عمر میں اس سے چھوٹی تھی۔ اس کے ایسے تعریف کرنے پر وہ مسکرا دی۔

''ویسے سچ کہوں تو میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ تم جس قدر دلکش ہو یہ لباس پہن کر جہاں اس کی وقعت میں اضافہ ہوگا وہیں سب کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔'' شہرینہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تو وہ خوامخواہ موضوع گفتگو بن جانے پر خجل سے ہوئی۔

''چلو لڑکیو، سب فوراً تیار ہو جاؤ، رقص و موسیقی کے لیے ہمیں کچھ دیر میں جانا ہے۔'' نانی کی آواز پر سب اٹھ کھڑی ہوئیں، وہ بھی ایک فراک اٹھا کر چلی گئی۔ اس کے دل میں اس میلے کی سرگرمیوں کا حصہ بننے کی ذرہ بھی خواہش نہ تھی لیکن روایت کے مطابق وہ انکار نہیں کر سکتی تھی۔

ای نشتہ تو درین جانہی پر نقش و خیال
خیز ازین خالہ، برو، رخت ببر، ہیچ مگو
(اے کہ اس نقش وخیال سے بھرے گھر میں بیٹھے ہوئے ہو
کھڑے ہو، اس گھر سے چلو، سامان اٹھاؤ
کچھ نہ کہو)

''بنانے والے نے تمہیں کسی خاص مٹی سے بنایا ہے، ایسی دلکشی کہیں اور نہ دیکھی۔ اللہ تمہیں بدنظر سے محفوظ رکھے۔'' نانا نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی تو وہ مسکرا دی۔

روایتی لباس میں وہ شہزادیوں سا حسن لیے کسی اور دیس کی پری لگ رہی تھی۔ سب نے باری باری کئی مرتبہ اس کی تعریف کی سب تیار ہو کر آ گئے تو وہ پہاڑوں کے درمیان موجود بڑے میدان کی جانب ہم قدم ہو گئے۔

''لوگوں کا یہ رش اگلے ہفتے تک مزید بڑھ جائے گا، سیاح بھی یہاں کا رخ کریں گے۔'' شہرینہ اس کو بتا رہی تھی۔

رات کو ہونے والی برف باری کی وجہ سے سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ راستہ طے کر کے وہ میدان میں داخل ہوئے، یہاں الگ ہی عالم تھا۔ میدان کے اطراف میں مختلف دکانیں بجی ہوئی تھیں جن پر گاہکوں کا رش تھا۔ کھانے کی خوشبو فضا کو مہکا رہی تھی۔

کیا خواتین کیا مرد سب ڈھولک کی تھاپ پر محو رقص تھے۔

کسی کے گانے کی دلکش آواز سنائی دینے لگی تو سب ہی خواتین اس طرف متوجہ ہوئیں۔ دف بجاتے ہوئے وہ خاتون خوب صورت گیت گا رہی تھی۔ باقی خواتین بھی اس کا ساتھ دینے لگیں۔ ایک دوسرے کے شانوں پر بازو رکھتے ہوئے کچھ خواتین نے گول دائرہ بنا لیا اور گول گول گھومتے ہوئے ذرا سا سر کو جھکاتی پھر اٹھاتی تھیں۔ یہ ان لوگوں کا خاص رقص تھا۔ ساتھ ہی گیت گانے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دائرے سے باہر موجود خواتین تالیاں بجا کر رقص کرنے والے خواتین کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔

نین سکھ ان کے چہرے سے ظاہر ہوتے جوش کو دیکھ کر بے زار ہو رہی تھی۔ اس کے اندر ڈھولک کی تھاپ اور رقص کی محفل نے کوئی احساس پیدا نہ کیا تھا۔

وہ خاموشی سے محفل سے نکل کر پہاڑ کی طرف بڑھنے لگی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کو اٹھتے کسی اور نے بھی دیکھا ہے اور اس سے فاصلہ اختیار کیے اس کے ہم قدم ہے۔

وہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئی۔ دور سے آتی آوازیں اس کو اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ چوٹی پر کھڑی ہو کر پہاڑ سے نیچے دیکھنے لگی۔

''نین سکھ۔'' اس کی سماعت سے آواز ٹکرائی۔ کوئی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے واضح ہونے لگا۔ پہاڑ کی اونچی چوٹی اطراف میں سبزہ، پہاڑ کی چوٹی پر اکیلی کھڑی وہ خود تاریکی اور پھر وہ ایک آواز۔

''نین سکھ، واپس پلٹو پیر پھسل گیا تو گر جاؤ گی۔'' بلاشبہ یہ وہی آواز تھی جو اس نے خواب میں سنی تھی۔ اسے اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا وہ ایک جھٹکے سے پیچھے مڑی اور آواز دینے والے شخص کو دیکھ کر برف ہو گئی۔

گفتم ایں روی فرشتہ است عجب یا بشر اسر
گفت ایں غیر فرشتہ است و بشر ہیچ مگو

(میں نے کہا یہ حیران کر دینے والا چہرہ فرشتے کا ہے یا بشر کا
دل نے کہا کہ یہ فرشتہ ہے نہ انسان، کچھ نہ کہو)

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارہ میں)

biazdill@naeyufaq.com

بیاضِ دل

میمونہ رومان

تبسم بشیر حسین...... ٹنگہ

اداس راتوں میں تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں

ماہا بشیر حسین...... ٹنگہ

بادشاہ تھے ہم اپنے مزاج مستی کے
عشق نے تیرے دیدار کا فقیر بنا دیا

نورین انجم اعوان...... کراچی

گناہ کرنے سے پہلے سوچتا ابن آدم
وقت کو روک اب جانے کی تیاری کر
تیری اوقات کیا ہے اس رب کے سامنے
مٹی سے بنا ہے مٹ جانے کی تیاری کر

انعم زہرہ...... ملتان

میں نے مانگی فقط اک بوند محبت جاناں
تم تو آنکھوں میں سمندر ہی اٹھا لائے ہو

ماریہ نذیر...... بھاگٹانوالہ

ہمارا تو خیال تھا وہ ہمارے ہوں گے
خیال تو اچھا تھا مگر رہا خیال ہی

عائشہ شکیل...... گوجرہ

زندگی سے یہی گلہ ہے مجھے
تو بہت دیر سے ملا ہے مجھے
تو محبت سے کوئی چال تو چل
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھے

فائزہ بھٹی...... گوجرہ

پھر نئے سال کی سرحد پہ کھڑے ہیں ہم لوگ
راکھ ہوجائے گا یہ سال بھی حیرت کیسی

شگفتہ خلن...... بھلوال

کسی کا عشق کسی کا خیال تھے ہم بھی
گئے دنوں میں بہت باکمال تھے ہم بھی
ہماری کھوج میں رہتی تھیں تتلیاں اکثر
کہ اپنے شہر کا حسن و جمال تھے ہم بھی

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آج پھر یاد بہت آیا وہ
آج پھر اس کو دعا دی ہم نے
کوئی تو بات ہے اس میں فیض
ہر خوشی جس پر لٹا دی ہم نے

نادیہ جعفری...... لاڑکانہ، سندھ

صاف بچ نکلے گا وہ ہے بلا کا ذہین
محبت چھوڑ دے گا قسمت کا بہانہ کرکے

کلثوم وڑائچ...... لاہور

ساری دنیا کی محبت سے کنارہ کرکے
ہم نے رکھا ہے فقط خود کو تمہارا کرکے

عاصمہ جہانگیر...... ٹنگہ

کب تک اس کے سوگ میں روئیں گے بیٹھ کر
ہم خود کو کئی بار یہ سمجھا کر رو پڑے

ارم ناصر...... وہاڑی

وہ جو دل کو قبول ہوتے ہیں
ان کے پتھر بھی پھول ہوتے ہیں

گلشن چوہدری...... پتوکی

رنگ بدلا ہوا تھا پھولوں کا
تم یقیناً اداس گزرے ہو

عروبہ وجاہت ملک...... گجرات

حوصلوں کا ثبوت دینا تھا
ٹھوکریں کھا کر مسکرانا پڑا

دانیہ آفرین...... حیدر آباد

اپنی مٹھی میں چھپا کر کسی جگنو کی طرح
ہم تیرے نام کو چپکے سے پڑھا کرتے ہیں

نوشابہ سلیم...... کراچی

سنورتے ہیں وہ آئینہ دیکھ کر
سنور جائیں تو آئینہ دیکھتا ہے

ھانیہ عبدالسلام...... کوہاٹ

تم ملو تو نجات مل جائے
روز مرنے سے روز جینے سے

ایمن...... ننکانہ صاحب

تیری خوش بو نہیں ملتی تیرا لہجہ نہیں ملتا
ہمیں تو شہر میں کوئی تیرے جیسا نہیں ملتا

رضوانہ وقاص...... ھری پور کرلاں

کاش میں اک چاند تو اک تارا ہوتا
آسماں پر اک آشیاں ہمارا ہوتا
دور بہت سے تمہیں لوگ تکتے رہتے
تمہیں چاہنے کا حق صرف ہمارا ہوتا

نجم انجم اعوان...... کراچی

گزری ہوئی زندگی کو کبھی یاد نہ کرنا
تقدیر میں جو نہیں لکھا اس کی فریاد نہ کرنا
جو ہوگا وہ ہوکر ہی رہے گا دوست
تو کل کی فکر میں آج کی ہنسی برباد نہ کرنا

فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی

جسے چاہو اسے احساس خدائی دے دو
سلسلہ پیار کا رکھو مگر عبادت جیسا
ہم بھرے شہر میں تنہا تو نہیں لیکن
پھر کوئی رشتہ نہ ملا تیری چاہت جیسا

شبیر احمد دلبر...... سرگودھا

آئینہ کہتا ہے کہنا تو نہیں چاہیے تھا
تم ابھی زندہ ہو رہنا تو نہیں چاہے تھا

مسز پروین اختر...... سرگودھا

بات چلی تو نیل گگن سے تارے توڑے لوگوں نے
کام پڑا تو جان چھڑائی جان سے پیارے لوگوں نے

ام ھانی شاھد...... ڈگری

آپ ہنس سکتے ہیں مجھ پر
آپ پر بیتی جو نہیں ہے

وقاص عمر...... بنگڑنو، حافظ آباد

دنیا کو میں جان گئی ہوں
رشتوں کو پہچان گئی ہوں
ہے محض یہ مٹی کا اک پتلا
انسان کو بھی میں جان گئی ہوں

آسیہ...... 113 این بی

چپ چاپ ہی نہ مر جاؤں تیرے ہجر میں کہیں
میں سکتے میں ہوں آ کے رلا دے مجھے

علمہٰ شمشاد حسین...... کورنگی، کراچی

غزل کے روپ میں ڈھل جاؤں میں کبھی
اداس لمحوں میں شاید وہ گنگنائے مجھے

ارم ناز...... کراچی

گلے ملتے ہیں جب دنیا میں دو بچھڑے ہوئے ساتھی
عدم ہم بے سہاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے

عکس فاطمہ...... ڈی جی خان

عجیب تماشا ہے مٹی سے بنے لوگوں کا ساحر
بے وفائی کرو تو روتے ہیں وفا کرو تو رلاتے ہیں

عائشہ صدیقہ احمد زئی...... اسلام آباد

ہلکی ہلکی سی سرد ہوا ذرا ذرا سا درد دل
انداز اچھا ہے دسمبر تیرے آنے کا

ماہ جبین خان...... بھاولپور

مر مٹے جن کی خاطر وہی چھوڑ گئے
ہمدرد و ستم گر سبھی چھوڑ گئے
میری ڈوبتی ناؤ کے سبھی تماشائی
ہمسفر اور ناخدا بھی چھوڑ گئے

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

ایک خوشبو کی طرح کوچہ روز و سب سے
جو دبے پاؤں گزر جائے وہ سال اچھا ہے

مدیحہ نورین...... گجرات

چلو کچھ دنوں کے لیے دنیا چھوڑ دیتے ہیں فراز
سنا ہے لوگ بہت یاد کرتے ہیں چلے جانے کے بعد

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

رخصت یار کا منظر بھی کیا منظر تھا یارو
ہم نے خود سے ہی خود کو بچھڑتے دیکھا
ہالہ سلیم...... کراچی
تیرے لہجے کا وہ اثر ہوتے دیکھا
ہم نے لفظوں کو امر ہوتے دیکھا
حسن یار کی تعریف میں اکثر
گونگوں کو سخن در ہوتے دیکھا
نوشین دانش...... پتوکی
حال یہ ہے کہ اپنی حالت پر
غور کرنے سے بچ رہا ہوں میں
عائشہ سلیم...... کراچی
مسلک دل میں بھی صدقہ نہیں دیتے
غیرت عشق نے خیرات پہ لعنت بھیجی
سدرہ شاہین...... پیرووال
نہ ابن آدم غیور ٹھہرے
نہ بنت حوا میں اب حیا ہے
جو میرے اندر کا ایک بشر تھا
مجھی میں گھٹ گھٹ کر مر گیا ہے
ایم مبین ایم...... شجاع آباد
ایسے ادھوری ہے میری زندگی تم بن
خوشبو سے اڑ گئی ہو خوشبو جس طرح
نگینہ بحر عمران...... چیچہ وطنی
بے سمجھ ہی رہتے تو ٹھیک تھا
الجھنیں بڑھ گئی ہیں جب سے سمجھ دار ہوئے ہیں
الفت اینڈ فائزہ عباسی...... چنار ی آزاد کشمیر
تاحشر تیری دید کو ترسیں گی یہ نگاہیں
اس دل کو وہم وگماں تک نہ تھا تیری جدائی کا
لیلیٰ شاہ...... چک سادہ، گجرات
وقت ہی نہ رہا ہمارے لیے ان کے پاس
کبھی وقت ہی وقت تھا بس وقت وقت کی بات ہے
حنا احمد رجوعہ سادات...... چنیوٹ

میرا دل تیری کلائی کی بناوٹ پر نثار
کتنے پیارے ہیں ترے ریشمی بازو جاناں
نمرہ نعیم...... کراچی
رات مچھر نے کہہ دیا مجھ سے
ماجرا اپنی ناتمامی کا
مجھ کو دیتی ہو ایک بوند لہو
صلہ شب بھر کی تشنہ کامی کا
امبر گل...... جھڈو، سندھ
یہ سنگریزے عداوتوں کے وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے ملا جو کچھ جہاں جہاں سے
تو ہم نفس ہے نہ ہم سفر ہے کسے خبر ہے کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے دے کے پوچھا بیٹھا مکیں مکیں سے مکاں مکاں سے
نوشین اقبال نوشی...... گلئوں بدر مرجان
وہ جواب طلب ہے مجھ سے اسے بھول تو نہ جاؤں گا؟
جواب کیا دوں؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
عائشہ پرویز...... کراچی
تیری دید جس کو نصیب ہے وہ نصیب قابل دید ہے
تجھے سوچنا میری چاند رات تجھے دیکھنا میری عید ہے
فیاض اسحاق مہانہ...... سلانوالی
میرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں
وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غمزدہ آسماں ہے
انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا تیرا ہم سفر کہاں ہے
ارم کمال...... فیصل آباد
زبان پر حرف خلوص اور دل میں زہر نفاق
یہ دوستی ہے تو پھر دشمنی کیا ہے

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

دال گوشت

اجزاء:۔

گوشت	سات سو پچاس گرام
مونگ کی دال	ایک سو گرام
مسور کی دال	ایک سو گرام
چنے کی دال	دو سو گرام
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
تیل	تین چوتھائی کپ
مکس ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
نمک	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا اور بھنا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا اور بھنا ہوا)	تین کھانے کے چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر (بلینڈ کیے ہوئے)	سات سو پچاس گرام
ہری مرچ (ثابت)	آٹھ عدد
لیموں والا نمک	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	گارنش کے لیے
بگھار کے لیے	
گھی	ایک چوتھائی کپ
لال مرچ چھ سے (گول)	آٹھ عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کڑی پتے	بیس عدد

ترکیب:۔

مونگ کی دال، مسور کی دال اور چنے کی دال کو بھگو کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب دالوں کو پیاز کے ساتھ ابال لیں، یہاں تک کہ وہ گل جائیں پھر ان کو ایک طرف رکھ دیں۔ تین چوتھائی کپ تیل گرم کر کے اس میں مکس ثابت گرم مصالحہ، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، دھنیا، زیرہ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اب اس میں بکرے کا گوشت ڈال کر فرائی کر لیں پھر اس میں تین کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ اب اس میں ابلی دالیں اور ثابت ہری مرچ ڈال کر اتنا پکائیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے پھر لیموں والا نمک شامل کر دیں، بگھار کے لیے گھی گرم کر کے اس میں گول لال مرچ، سفید زیرہ اور کڑی پتے ڈالیں پھر اسے دال میں شامل کر کے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ اب اسے کٹے ہرے دھنیے سے گارنش کر کے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

امینہ بتول......ڈنگہ

آلو مٹر

اجزاء:۔

آلو (دھو کر صاف کر لیں)	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
شکر	ایک چٹکی
مٹر	دو کپ
مکھن	دو کھانے کے چمچ
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ہری پیاز (سلائس کاٹ لیں)	پانچ یا چھ عدد

ترکیب:۔

سوس پین میں آلو ڈالیں اور اس میں اتنا پانی شامل کریں کہ آلو اس میں ڈوب جائیں اس کے بعد اس میں نمک اور شکر ڈال کر آلو کو درمیانی آنچ پر ابالیں۔ (آلو کو بہت زیادہ گلانا نہیں ہے) اس کے بعد پانی نتھار کر چھلکا اتار لیں اور ٹھنڈے پانی سے الو کو دھو لیں، اس کے بعد سوس پین میں مٹر اور پانی ڈالیں اس میں نمک اور شکر شامل کریں۔ تیس منٹ تک درمیانی آنچ پر ابالیں اس کے بعد نتھار کر مٹر کو ٹھنڈے پانی سے دھو لیں۔ ایک نان اسٹک سوس پین میں درمیانی آنچ پر مکھن اور تیل گرم کریں اس میں ہری پیاز ڈال کر تین منٹ تک فرائی کریں اس کے بعد آلو اور مٹر ڈال کر چمچ چلائیں اور پانچ منٹ تک فرائی کریں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کریں، مزے دار آلو مٹر تیار ہے،

سرونگ ڈش میں نکالیں اور ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

ثانیہ الطاف......حیدرآباد

عربی مچھلی

پمفرٹ یا کوئی بھی ثابت مچھلی	ایک کلو (کٹ لگا کر نمک لگا دیں)
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن	چار جوئے
ہری مرچ	ایک عدد

(ادرک، لہسن اور ہری مرچ کو پیس لیں اور اس میں دھنیا، زیرہ، مسٹرڈ پاؤڈر چٹکی بھر نمک ملا کر پیسٹ بنا لیں)

سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	آدھا چائے چمچ
مسٹرڈ پیسٹ	آدھا چائے کا چمچ
پودینہ (کٹا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
کری پتے	چھ عدد
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
سویا سوس	دو کھانے کے چمچ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
مکھن	ایک چھوٹی ٹکیہ
پیاز (آٹھ ٹکڑے کر لیں)	ایک عدد
ٹماٹر (آٹھ ٹکڑے کر لیں)	دو عدد
شملہ مرچ (آٹھ ٹکڑے کر لیں)	ایک عدد
بڑی مرچ (ثابت رکھیں)	ایک عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب:۔

نمک لگی مچھلی کو فرائی کریں، اب اس میں پیسٹ والا مسالا لگا لیں اور بیکنگ ٹرے میں رکھیں۔ اب سویا سوس لیموں کا رس والا مکسچر پیاز شملہ مرچ اور ٹماٹر کو لگا دیں اور مچھلی کے برابر میں گارنش کی طرح رکھیں۔ اب مچھلی پر کری پتے اور مکھن کی ٹکیہ لگا کر اوون میں بیک کریں تقریباً آدھا گھنٹہ تک۔ اس مچھلی کو کھانے یا سرو کرنے سے پہلے بیک کریں پہلے سے بیک کرنے پر اس کا مزہ خراب ہو سکتا ہے۔

شہزادی فرخندہ......خانیوال

مٹر تہاری

اجزاء:۔

مٹر	آدھا کلو
چاول	ڈھائی کلو
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
آلو	تین سے چار عدد
پیاز	دو عدد درمیانی
ٹماٹر	دو عدد درمیانے
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چائے کا چمچ
چکن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
کوکنگ آئل	چار کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

مٹر کے دانوں کو دھو کر چھلنی میں رکھ لیں، پیاز اور ٹماٹر کو باریک کاٹ لیں، آلوؤں کو چھیل کر دو ٹکڑے کریں، چاولوں کو دھو کر بیس منٹ کے لیے بھگو کر رکھ دیں۔ پین میں تیل ڈال کر پیاز کو سنہری فرائی کر لیں پھر اس میں ادرک لہسن ڈال کر فرائی کریں۔ لال مرچ، دھنیا، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اتنی دیر فرائی کریں کہ ٹماٹر اچھی طرح گل جائیں آلو ڈال کر ہلکا سا بھونیں اور آدھی پیالی پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر گلنے رکھ دیں۔ آلو گل جائیں تو مٹر اور چاول ڈال کر بھونیں، پھر تین پیالی گرم پانی میں چکن پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح ملائیں اور اسے چاولوں پر ڈال دیں۔ ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں اور جب پانی خشک ہونے پر آ جائے تو چاولوں کو الٹ پلٹ کر کے ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔ گرم گرم تہاری کو ڈش میں نکال کر دوپہر کے کھانے پر اچار اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

نجم انجم اعوان......کراچی

فنگر فش

اجزاء:۔

مچھلی	آدھا کلو
(بغیر کانٹے کی چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں)	
پیپریکا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
کٹی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچ

انڈا	ایک عدد
بریڈ کرم	حسب ضرورت
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

مچھلی کے ٹکڑوں میں انڈے، تیل اور بریڈ کرم کے علاوہ تمام مسالے اچھی طرح مکس کر لیں پھر مچھلی کے ٹکڑوں کو انڈے میں ڈیپ کر کے بریڈ کرم میں رول کریں اور ڈیپ فرائی کر لیں۔

ارم کمال......فیصل آباد

اسپیگھٹی سی فوڈ کے ساتھ

اجزاء:۔

مچھلی	آدھا کپ
جھینگے (پکے ہوئے)	آدھا کپ
زیتون کا تیل	تین چائے کے چمچے
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
سلاد کا پتہ	ایک عدد
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچ
سرکہ	ایک چائے کا چمچ
مکھن	دو چائے کے چمچ
نمک اور کالی مرچ	حسب ذائقہ
پودینہ (سوکھا)	ایک چائے کا چمچ
اسپیگھٹی	دو کپ (ابال لیں)
شکر	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

ایک برتن میں تیل گرم کریں، اس میں لہسن اور پیاز ڈال کر چھ سے سات منٹ تک پکائیں یہاں تک کہ پیاز نرم ہو جائے۔ مچھلی، جھینگے، ٹماٹر کا پیسٹ، لیموں کا رس، سرکہ، نمک، شکر اور سیاہ مرچ کو پیاز میں شامل کر لیں اور پانچ منٹ تک پکائیں۔ اس کے بعد ابلی ہوئی اسپیگھٹی میں مکھن شامل کر دیں۔ چکن، نمک اور پسی ہوئی کالی مرچ چھڑک دیں۔ اسپیگھٹی کو ایک کھلے منہ کے برتن یا پیالے میں نکال لیں ساتھ ہی مچھلی اور جھینگے ڈال کر پودینہ چھڑک دیں اور سرو کریں۔

ہالہ سلیم......کراچی

چکن کارن سوپ

اجزاء:۔

چکن	آدھا کلو (گوشت)
پیاز	ایک عدد
لہسن	پانچ جوے (پسا ہوا)
ادرک	آدھا کھانے کا چمچ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچ
انڈے	دو عدد
مکئی کے دانے	ایک پیالی (پسے ہوئے)
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
سیاہ مرچ (پاؤڈر)	آدھا چائے کا چمچ
چینی	ڈھائی چائے کا چمچ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کر لیں اور گوشت کے ریشے بنا لیں ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں۔ کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں۔ سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں۔ بہترین مزے دار سوپ تیار ہوگا۔

آمنہ......ننکانہ صاحب

biazdill@naeyufaq.com

نیرنگِ خیال

ایمان وقار

نیا سال

کچھ دیپ جلائے
ہیں میں نے
کچھ پھول بچھائے
ہیں میں نے
نئے سال کی سنگت
میں
تم بھول کے
پچھلی سب باتیں
لوٹ کے آؤ گے ناں تم
ہجر کی گہری قید میں
وصل کے دیپ
جلاؤ گے ناں
نیا سال مبارک ہو تم کو
یہ بات تو کہنے آؤ گے ناں

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

نیا سال مبارک

یادوں کی برسات
دعاؤں کی سوغات
اور
آنسوؤں کے بیش بہا خزانے لٹاتی
تمہاری منتظر میری آنکھیں
ہمارے لیے خوشیوں کی کلیاں ڈھونڈ رہی ہیں
اور کہتی ہیں
اے دل کے مکین
نیا سال مبارک ہو

سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد

اے خدایا
میں تجھ سے سکوں مانگتی ہوں
ہزاروں خوشیاں مانگتی ہوں
اپنے لیے نہیں
صرف اپنے سے وابستہ
ان ہستیوں کے لیے
جنہیں دیکھ لوں تو سوچتی ہوں
محبتیں بے غرض بھی ہو سکتی ہیں
چاہتیں بے لوث بھی ہو سکتی ہیں
نئے سال کے لیے

سونیا نورین گل...... دندہ شاہ بلاول

نیا سورج

نیا سال جب آتا ہے تو اس روز
ہم
نیا سورج نکلنے کی مبارک باد دیتے ہیں
سنہرا زرد سورج
اپنی کرنوں کی توانائی لٹاتا ہے
اندھیرا کھینچ لیتا ہے
تو اس سے زندگی کی روشنی
سیراب ہوتی ہے
مگر اب اس کی کرنوں کا اجالا بجھ گیا شاید
کہ اس کی روشنی دنیا کو اب
روشن نہیں کرتی
فضا کی خاموشی، راستے کا سناٹا
یونہی آباد رہتا ہے
زمین پر زرد اور سفاک موسم کا
تسلط کم نہیں ہوتا
کوئی امید کا سورج دلوں کی تیرگی کو کم نہیں کرتا
تو ایسے میں
نیا سورج نکلنے کی مبارک باد کیا دیجیے
اب نئے سال کے لمحوں میں
جیون کی تجارت میں
میں نے کیا کمایا ہے
اک آبلہ جدائی کا
ہر لمحہ نارسائی کا
اور لمحہ یہ جانے والا
نئے سال کے لمحوں میں
خسارہ اور بھی ہوگا
زیست کی نقدی کھو دیں گے
یہ سوچ کے پھر سے رو دیں گے

ارم کمال...... فیصل آباد

جنوری کی شام

سنو جاناں
تم سے آج کچھ ہم یوں مخاطب ہیں
جنوری کی اداس شام کو جب تیری یاد آئی

گر حسیاں آنکھوں سے ٹپکا تو
تم یاد آئے
سنو جاناں
مجھے اس سرد موسم میں تمہاری ضرورت ہے
جنوری کی اداس شام میں تمہارا ہاتھ تھام کر
کچھ یوں چلیں ہم دونوں
کہ فاصلے ختم ہو جائیں
یہ رنجشیں مٹ جائیں
سنو جاناں
لوٹ آؤ
کہ تم بن یہ جنوری کی شام
مجھے اور اداس کر جاتی ہے
تم بن خالی سی ہو جاتی ہے
جنوری کی شام

نوشین جوئیہ..... لودھراں

داستان دل

ذرا قریب آ تو داستان دل سناؤں تجھے
دھڑکن چلتی ہے تیرے نام سے سناؤں تجھے
آ کے دیکھ دل کے محل میں تیرا نام ہے رقم
تو اگر کہے تو دل نکال کے دکھاؤں تجھے
جتنا تڑپایا ہے تو نے پیار میں مجھے
دل تو بضد ہے اتنا ہی تڑپاؤں تجھے
دل میں رہتا ہے تیری چاہت کا دریا
آ تو سہی اس کی طغیانی دکھاؤں تجھے
آزمائش کی بھٹی میں سلگ رہی ہوں
دل تو چاہتا ہے میں بھی ایسے جلاؤں تجھے

شانزہ پرویز شانو..... ایبٹ آباد

کون کرے گا

بے لوث زمانے میں بھلا کون کرے گا
اب میرے لیے روز دعا کون کرے گا
اب کون مرے چہرے سے پڑھ لے گا میرا غم
دام کر کے عطا مجھ کو شفا کون کرے گا
ڈالے گا جہاں چاند ستاروں پر کمندیں
مٹھی میں مگر بند ہوا کون کرے گا
زخموں کے لیے وقت تو بن جائے گا مرہم
پر دل سے میرے درد جدا کون کرے گا
کب کرتے ہیں بتلا تو کسی غیر کی منت
اس دل پہ ستم تیرے سوا کون کرے گا
جب دور چلے جاؤ گے تم روٹھ کے مجھ سے
پھر شام و سحر جو جفا کون کرے گا

میں طالب امداد بنا پھرتا ہوں نیئر
لیکن یہ مرے قرض ادا کون کرے گا

نیئر رضوی..... کراچی

ساجن کے نام

میں نہ کہتی تھی کہ جاناں
محبت موم کا گھر ہے
کبھی بدگمان مت ہونا
حرارت بدگمانی کی
کہیں پگھلا نہ دے اس کو
میں نہ کہتی تھی جاناں
جہاں پر بدگمانی ہو
وہاں پھر اور ہو تو ہو
محبت ہو نہیں سکتی
میں نہ کہتی تھی جاناں
جدا مت ہونا تم مجھ سے
کیونکہ
جدائی جان لے لے گی
میں نہ کہتی تھی جاناں
جدا مت ہونا مجھ سے

رقیہ ناز..... میلسی

محبت

ذرا سنو
جاناں
دل کی نگری میں
پلکوں کی چلمن سے
ہر وقت برسات
جاری رہتی ہے
اس سے پہلے یہ بارش
ہماری محبت بہا لے جائے
تم لوٹ آؤ

سیدہ تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ

موسم

کتنا حسین ہوتا ہے برسات کا موسم
کتنا دلکش ہوتا ہے تیرے ساتھ کا موسم
دل کی دھڑکنیں بھی جھوم اٹھتی ہیں
کتنا پر لطف ہوتا ہے تیرے پیار کا موسم
سانسیں بھی بے قرار ہو جاتی ہیں
جب مجھ پر چھاتا ہے تیری چاہت کا موسم
دل کی دنیا میں عجب ہلچل مچاتا ہے
تیری قربت تیرے احساس کا موسم

تم میرے پاس ہوتے ہو تو لگتا ہے ایم
زندگی پھول بن گئی ہے مہک رہا ہے بہار کا موسم
ایم فاطمہ سیال...... محمود پور

ٹوٹی ہوئی امید

بہت دکھ ہوتا ہے
جب ہر آہٹ پہ
تیرا گمان ہوتا ہے
ہر آواز
تیری آواز لگتی ہے
بہت دکھ ہوتا ہے
جب
محبت کی بات ہوتی ہے
ہمیں تیری ہی بات لگتی ہے
جب کوئی پکارے نام کسی کا
ہمیں تیرا ہی نام لگتا ہے
کسی اجنبی چہرے پر
تیرا گمان گزرتا ہے
محبت میں بکھر جائیں جب
اور کوئی سمیٹنے والا نہ ہو
دکھ تو ہوتا ہے
جب امید ٹوٹ جاتی ہے
چاہنے والا لوٹ کر نہ آئے
تو بہت دکھ ہوتا ہے
دکھ تو ہوتا ہے
حمرہ چوہدری...... گجرات

چھوڑ دیا

مدت ہوئی ان لبوں نے ہنسنا چھوڑ دیا
سپنوں نے آنکھ میں آ کے بسنا چھوڑ دیا
تیری یاد کے تاروں کو میری آنکھ میں چمکتا دیکھ کے
اب نیند نے بھی خود کو رچنا چھوڑ دیا
منفرد تھی خو اپنی وفا کرنے کی وفا پانے کی
تسکین نہ ہوئی جب ہر رشتہ توڑ دیا ہر اپنا چھوڑ دیا
عجب چاہت تھی ہر رنگ سجا لوں ورق زندگی پہ لیکن
کھو گیا پھر ان رنگوں میں نام ترا تب ہم نے ہی سجنا چھوڑ دیا
ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں عذاب دینے لگی ہیں اب کے
جو حاصل تھا زندگی کا اسے بھی پانے کا سپنا چھوڑ دیا
وہ خوشبو کی مانند بچھڑ گیا مل کر چمن محبت میں
ہم ازل سے ہی تنہا تھے کشش اس نے بھی تنہا چھوڑ دیا
مدیحہ اکرم کشش...... کیلگ ہری پور

مجھے انتظار ہے جاناں

مجھے انتظار ہے جاناں
خزاں ہجر پر
وصل بہار آنے کا
فضا قلب میں
سسک
تڑپ
آہوں
اشکوں
کی بجائے
خوشیاں
کھلکھلاہٹ
ہنسی کے جلترنگ
بکھرنے کا
مجھے انتظار ہے جاناں
بصارت میں میرے
تمہارے چہرے پر بکھرے
دھنک رنگ سمائیں گے
سماعتوں میں میری
محسور کن
لہو دہکاتی
جذبوں کو گرماتی
سرگوشیاں ابھریں گی
مجھے انتظار ہے جاناں
ان
دلکش
خوش کن
دلفریب
ساعتوں کا
جب روح کا روح سے
ملن ہوگا
احسان ایک دوسرے کا
ساتھ ہوگا
محبت
پیار
چاہت
الفت
کا جہاں آباد ہوگا
مجھے انتظار ہے جاناں
مجھے انتظار ہے جاناں
شمع مسکان...... جام پور

پاگل دل

آنکھوں کا یہ بہتا پانی
جیسے ہو دریا کی روانی
سب کچھ تجھ کو سونپ دیا ہے
کون ہے میرے جیسا دانی
من کو کیسے میں سمجھاؤں
پیار ہے اندھا اندھی جوانی
سب تیری خوش بو سے مہکے
جوہی، چمپا، رات کی رانی
تن میں ایک آگ برسائے
برس برس کے برکھا رانی
بیتے کل نے خوب رلایا
دیکھی جب تصویر پرانی
میرے گھر جب آئے ساجن
جھوم کے ناچی میں دیوانی
پاگل دل کی خیر نہیں اب
اس نے کرلی پھر من مانی
کیسے ارم سب راز بتا دوں
وہ انجانا میں انجانی

ارم ریاض...... گوجرانوالہ

دوست نیارا آنچل

میں نے جینے کا جب بھی حوصلہ مانگا رب سے
تیری صورت میں ملا مجھ کو سہارا آنچل
ساتھ رہنے کو ہمہ وقت سرگرم ہی رہا
میں نے مشکل میں تمہیں جب بھی پکارا آنچل
مٹانا چاہا لوگوں نے میرا نام جہان فانی سے
چاہا کہ نوچ ڈالیں میرا کردار ہر کہانی سے
نا کوئی خوشیوں کی لہر مجھ کو کبھی چھو پائے
نا کوئی امید باندھوں میں اس زندگانی سے
اور جب گمنامیوں میں خود کو کھو رہی تھی میں
ملا بھنور میں مجھ کو بن کے کنارا آنچل
یہ زمانہ میری بربادی کے در پے تھا مگر
میرا کھو جانا کرتا کیسے گوارا آنچل
ملا تجھ میں مجھے اک دوست نیارا آنچل
نئے سفر کا ہے آغاز ہمارا آنچل
انجم رہتی ہے جنم دن کی بدھائی تم کو
سدا چمکے تیری قسمت کا ستارا آنچل

انجم زہرہ..... ملتان

آخری حد

وہ کہ جس کے دم سے ہمیں
جیون جیون لگتا تھا
اک مدت کے بعد
اب کی بار ملا تو اپنے
زندگی سے بیزار لگا تھا
اڑی اڑی سی رنگت اس کی
بکھرا بکھرا روپ تھا اس کا
کچھ پا کر کھو دینے کا
احساس تھا آنکھوں میں
کہ جو بستا تھا ہر پل
اور سانسوں میں
میں نے پوچھا تو یہ کہہ کر
محفل سے وہ چل دیا
سنو اے لڑکی مجھ کو چھوڑو
اپنی آنکھیں غور سے دیکھو
تم نے کس کو کھویا ہے
میرا پھیکا چہرہ نجانے
کتنی نگاہوں کی زد پہ تھا
وہ کہ جو اپنا تھا لیکن
پہنچ کی آخری حد پہ تھا

شہناز شانزے سیال...... خانیوال

عادت

میری ہر ادا پر سر خم کرنا
وہ اپنی عادت بنا بیٹھا تھا
یہی عادت مجھے خوف دلا گئی
میں اسے کھو بیٹھی تھی
میں نے ہی اک ادا کے پوچھا تھا
بھلا سکتے ہو ہمیں
اور وہ عادتاً سر کو خم کر بیٹھا تھا

فائزہ شاہ...... کراچی

ناقابل اشاعت کلام:
ثنا کنول ڈی آئی خان، رباب نور ضلع میانوالی، سہیرا اویس شجاع آباد، تہمینہ شوکت تاثیر سرگودھا، عائشہ صدیقہ احمد زئی، مصباح سلیم بہاول پور۔

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

آنچل کی حوروں، پریوں کے نام

سب ہی آنچل کی حوروں، پریوں اور چڑیلوں السلام علیکم! مانا کہ میں منظر سے غائب تھی مگر تم سب نے اس قدر محبت دکھائی تو مجھے لوٹنا پڑا ہی ہی ہی۔ دراصل جس دن میں نے واٹس ایپ پر مدیرہ آنی کے وصال کی خبر سنی میں بتا نہیں سکتی کہ کس طرح ایک خط ان کے افسوس میں لکھ کر پوسٹ کر دیا اس کے بعد نجانے کس دل سے میں نے اس ماہ کا آنچل پڑھا۔ پھر ہر ماہ گزرا نا میرا وہ خط مجھے آنچل میں نظر آیا اور نا ہی دوبارہ کچھ لکھنے کی ہمت ہوئی مگر اب مزید خاموش نہیں رہ سکتی تھی سو لوٹنا پڑا۔ ڈیئر رباب اور ڈیئر عائشہ شکیل لب یو آپ دونوں نے یاد کیا مجھے اس ماہ۔ ڈیئر فائزہ بھٹی، گلشن چوہدری، ماریہ نظیر، اوزکل، نورین، گڑیا، ایمن غفور، شانزہ شانو، ارم آصف، رمشا آصف، رضوانہ وقاص، ام ہانی ڈیئر، حمنہ کنول، اقصیٰ پارس آپ سب جان ہیں میری یقین جانیں اتنا مس کرتی ہوں آپ سب کو، خوش رہیں سب، ارم کمال آپی، نجم آپی، آنی سودائے کوثر، پروین افضل آپی، مدیحہ جانی مہک، اقرأ ممتاز، اقرأ مشتاق، تبسم سحر، تبسم بشیر، ثمرہ گلزار، این شہزادی، شازیہ اختر، فاخرہ، رقیہ ناز، کنول ناز، انعم زہرہ، تمثیلہ لطیف کیسی ہیں آپ سب، امید ہے کہ خیر وعافیت سے ہوں گے۔ اللہ ہمیشہ شاد وآباد رکھے آمین۔ آخر میں وقاص بھائی میں آپ کی اور آپ کے قلم کی جتنی تعریف کروں وہ کم ہے امید ہے کہ زندگی کے کسی موڑ پر آپ سے ملاقات ہو جائے گی تو آپ کے قلم کا راز پوچھوں گی۔ اللہ خوش رکھے آپ کو اب اجازت اللہ حافظ۔

فائزہ شاہ...... لانڈھی، کراچی

خوب صورت لوگوں کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! کیسے ہیں سب ہما احمد ڈھیر ساری محبت قبول کیجیے۔ پہلی دفعہ اس سلسلے کے لیے کچھ لکھ رہی ہوں اس محفل کے لوگوں سے انجان ہوں تو کون کون دوستی کرے گا مجھ سے ہماری پیاری لکھاری "شاہینہ چندہ مہتاب" ہم سے جدا ہو گئیں۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ پیاری اقرأ جلدی سے صحت یاب ہو جائیں اور اپنی تحریر سے ہمیں بھیجیے، نازیہ کنول نازی اللہ آپ کو شفا دے آمین۔ صائمہ قریشی اللہ آپ کے والد کو اور حرا قریشی اللہ آپ کے شوہر کو سلامت رکھے، آمین۔ نایاب جیلانی اور صبا احمد خان اللہ آپ کو صبر جمیل عطا کرے، شائستہ یاسین اللہ آپ کو خیر خیریت سے خالہ بنائے اچھا بہنوں پھر ملیں گے کوئی بھی مجھے خوش آمدید کہنا نہ بھولے، اللہ حافظ۔

شہزادی حفصہ...... کراچی

آنٹی کوثر کے نام

السلام علیکم! آنٹی کوثر آپ کیسی ہیں آپ، بہت اچھی لگتی ہیں ریئلی آپ کی حمد ونعت بہت پیاری ہوتی ہے آنٹی ایک بار میری آپ سے بات ہوئی تھی یقین جانیے آپ کا کیوٹ سا انداز مجھے بہت پسند آیا آنٹی جی پلیز میرے لیے بھی دعا کیا کریں میں بیمار رہتی ہوں ایک ینگ لڑکی ہونے کے باوجود بھی میری کمر اور گھٹنوں میں درد رہتا ہے پتا نہیں کیا مسئلہ ہے ہر جگہ سے میڈیسن بھی لیتی ہوں پر آپ دعا کریں گی ناں سب پڑھنے والے کریں گے ناں۔ آپی جویریہ دکھی، ماہا تبسم بشیر، عائشہ شکیل، ام ہانی، انجم انجم آنٹی، فائزہ شاہ، نورین انجم آپ کے کیا حال ہیں شانزہ شانو آپ کے بابا کا بہت دکھ ہوا آپ کے بابا کی اللہ مغفرت کرے سب پڑھنے والوں کو پیارا سا سلام اللہ حافظ۔

ثمرہ گلزار...... کوٹلی، گجرات

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! ملیحہ احمد اینڈ سوئٹ فرینڈز، سب سے پہلے تو میری پیاری فرینڈ نور چودھری کہاں ہو؟ بھئی تمہارے بغیر محفل بہت روکھی پھیکی لگتی ہے۔ جلدی سے واپس آؤ، نہیں تو ہم سب کمالیہ پہنچ جائیں گے تمہاری تلاش میں کم بیک، ثناء فرحان، کیسی ہیں ڈیئر فرینڈ میں آپ کو بالکل بھی نہیں بھولی۔ حجاب کی رونق تو آپ سے ہی ہے ڈیئر۔ یہ سچ ہے کہ بابا کی کمی کبھی پوری نہیں ہو سکتی لیکن آپ کے تسلی آمیز الفاظ زخموں پر مرہم بن کر لگتے ہیں۔ تھینک یو سو مچ بہنا۔ آپ کینیڈا سے کب واپس آئی ہیں؟ اور فرحان بھائی کیسے ہیں؟ وہ بھی واپس آگئے ہیں میری دعا ہے کہ آپ فرحان بھیا کے سنگ

ہمیشہ خوش رہیں۔ دکھ کا کوئی لمحہ آپ کی زندگی میں نہ آئیں۔ ہمیشہ مسکراتی رہیں آمین۔ تبسم بشیر کے لیے

عادتیں ڈال کے توجہ کی
یک دم جو بدلتے ہیں ستم کرتے ہیں

تبسم آپ سے ہی لکھنا سیکھا۔ محفل میں جگہ ملی اور آپ ہی غیر حاضر رہتی ہیں۔ وِس ناٹ فیئر۔ عائشہ شکیل اینڈ ام ہانی۔ آپ دونوں کا بھی بہت شکریہ فرینڈز، آپ نے میرے بابا کی دعائے مغفرت کی اللہ آپ کو سلامت رکھے، ہمیشہ خوش رہو، حمنہ شاہد، موسٹ ویلکم فرینڈ۔ رمشا آصف اینڈ ارم آصف، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ فرینڈز، گلشن گل، اللہ کا شکر ہے آپ سب فرینڈز ہر ماہ لکھا کریں پلیز۔ مجھے آپ سب کو پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ اینڈ پر اللہ رکھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے لیے کیا لکھوں؟ کیسے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ جیسے پر خلوص لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ بابا جانی کے لیے دعاؤں کا نذرانہ دینے کے لیے بہت شکریہ۔ اگرچہ یہ شکریہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے مگر میں بھی آپ کو صرف دعائیں ہی دے سکتی ہوں خوش رہیں اپنے پیارے بابا جان کے لیے۔

صرف تصویر رہ گئی ہے باقی بابا
جس میں ہم ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں

بابا آئی مس یو سوچ اینڈ آئی لو یو سوچ۔

شانزہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد

دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے، سردیوں کی آمد آمد ہے ساتھ ہی نیا سال بھی آنے والا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کے لیے نیا سال خوشیاں، کامیابیاں اور صحت وتندرستی لائے۔ شانزہ پرویز سسٹر بہت دکھ ہوا آپ کے والد کی وفات کا سن کر اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین اور آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو صبر دے آمین۔ کنول ناز آپ کے والد کی وفات کا سن کر بھی بہت دکھ ہو، اللہ انہیں جنت میں جگہ دے اور آپ کو صبر دے۔ رمشہ آصف نہیں ڈیئر میرے نانا ابو ڈائجسٹ نہیں پڑھتے تھے ویسے آپ کیوں پوچھ رہی ہیں، حمنہ شاہد کیسی ہو ڈیئر، کبریٰ خان، رضوانہ وقاص، ام ہانی، بنت حوا، شانزہ پرویز شانو، عائشہ شکیل، ثمرہ گلزار، فائزہ شاہ، ذکا زرگر، صبا زرگر، (کہاں گم ہو زکا آپ کے گاؤں کے ساتھ گاؤں میں میری آپی رہتی ہیں جنڈ پیر میں وہ بھی لکھتی ہیں آپ جوڑا سے ہوناں) تابی کھرل آپ سب کو بہت بہت سلام و پیار اس امید کے ساتھ کہ زندگی رہی تو پھر ملیں گے اور اپنا سہارا خود بنیں اس دور میں کوئی ساتھ نہیں نبھاتا، سگے رشتے بھی، فی امان اللہ۔

گلشن چوہدری گل...... گجرات، چک محمود

تمام آنچل فرینڈز اور کچھ اپنوں کے نام

پیاری مما جانی (نجم انجم) اور میرا بھائی (نعمان انجم) آپ دونوں کو میری طرف سے سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو اللہ پاک سے دعا ہے کہ میرا بھائی ہر امتحان میں کامیاب ہو اور میری مما جانی ہمیشہ سلامت رہیں خوش رہیں، آمین۔ آنچل فرینڈز، آپیز، سسٹرز، میرے اسکول کھل گئے میں بے چاری چھوٹی سی نورین انجم بھاری بھرکم بیگ اپنے کندھوں پر ڈالے صبح اسکول شام کو ٹیوشن اور رات کو ہوم ورک کرکے تھک جاتی ہوں اس وجہ سے آپ کی محفل میں حاضر نہیں ہو سکوں گی امید کرتی ہوں کہ آپ میری پرابلم سمجھ گئی ہوں گے۔ آنچل کی جتنی بھی میری فرینڈز ہیں اور جو بھی مجھے یاد کرتا ہے ان سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کسی کا نام نہیں لکھوں گی کیونکہ بے شمار ہیں جگہ کم پڑ جائے گی۔ کوئی غلطی ہوئی ہو معاف فرمانا سب کو نیا سال مبارک ہو زندگی رہی تو ضرور ملوں گی اللہ حافظ۔

نورین انجم...... کراچی

سب کے نام

سب سے پہلے میں اپنی پیاری نند فریدہ جاوید فری سے مخاطب ہوں آپی آپ کی طبیعت اب کیسی ہے، ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت وتندرستی عطا فرمائے، آمین۔ حمنہ شاہد اور اللہ رکھا چودھری میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ۔ گلشن چودھری گل ہمیں آپ کی دوستی پر ناز ہے۔ ثنا فرحان میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں کیسی ہیں۔ رمشا آصف جی ہاں ہمارا منیب الحسن ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہے۔ ام ہانی شاہد میں تو مسلسل ہی آنچل اور حجاب میں لکھ رہی ہوں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آنچل کی دوستوں کے نام

نئے سال کا پہلا سلام کرتی ہوں
اپنا پیار ومحبت سب دوستوں کے نام کرتی ہوں

السلام علیکم آنچل کی تمام دوستو آنچل ٹیم آپ سب کو نیا

سال مبارک ہو۔ پچھلا سال کچھ خوشیاں دے گیا تو کچھ آنسو بھی جھولی میں ڈال گیا۔ نومبر میں میری اور نعمان انجم کی سالگرہ بھی اور شادی کی سالگرہ بھی تھی ہم بہت خوش ہوئے تھے ملک صاحب کی جاب بھی لگ گئی تھی مگر اسی نومبر میں حاجی صاحب کے بھتیجے کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی اور پھر دو گھنٹے کے بعد وہ اس دنیا فانی سے کوچ کر گیا یہ خبر تمام خوشیوں پر بھاری ثابت ہوئی کیونکہ میرے ملک صاحب کے پورے خاندان میں ایک وہی شخص تھا جس سے ہم سب بے پناہ محبت بھی کرتے تھے آپ تمام آنچل فرینڈز سے گزارش ہے کہ ہمارے بھتیجے محمد صادق کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں میں آپ سب کی شکر گزار رہوں گی۔ اکتوبر میں میرے بچوں کی تائی امی کا بھی انتقال ہوا تھا اللہ پاک ان دونوں کی مغفرت فرمائے، آمین اور میرے ملک صاحب بھی جلال پور والا گئے تھے میں نہیں جا سکی بس ادھر ہی فاتحہ خوانی کر دی تھی۔ آنچل فرینڈز آپ سب کو دعائیں سلام اور بہت سارا پیار اگر زندگی رہی تو سب کے نام یاد کروں گی اس وقت میں بہت پریشان اور دکھی ہوں اگر غلطی ہوئی ہو یا اس گزرے سال 2020ء میں کوئی بات بری لگی ہو تو دل سے معاف فرمائیں۔ اللہ نگہبان۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

دوستوں کے رائٹرز کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف، قارئین، رائٹرز کیسے ہیں آپ سب لوگ آنچل فرینڈز مجھے شکوہ ہے آپ سے کسی نے یاد کرنے کی زحمت نہیں کی، پورا ڈائجسٹ اچھی طرح دیکھ لیا مگر مجال ہے جو میرا پیارا سا نام کہیں نظر آ جائے مگر خیر کوئی بات نہیں میں سب کو پھر بھی یاد رکھوں گی کیونکہ آنچل اینڈ آنچل ریڈرز۔ اللہ پاک سے دعا ہے آنے والا سال خوشیوں کی نوید لے کر آئے کرونا وائرس سے نجات ملے۔ نازیہ کنول نازی جی آپ کی والدین کی وفات کا بہت دکھ ہوا اللہ پاک آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ اقرا صغیر، سمیرا جی کہاں غائب ہیں آپ لوگ پلیز جلدی سے اچھے سے ناول کے ہمراہ انٹری دیں۔ پروین افضل، مدیحہ مہک، ثمرہ مسکان، حرا گل، ماریہ، تبسم، نجم انجم، ام ہانی، شانزہ پرویز سب کو سلام اور ہاں دسمبر میں میرے کزنز کی اینورسری ہے فیضان بھائی، نرگس بھابی، فائزہ اینڈ توقیر آپ کو شادی کی سالگرہ بہت مبارک ہو آپ لوگ ہمیشہ خوش رہیں فرخندہ، منیزہ میری کزنز کیسی ہو آپ لوگ سب کو میری طرف سے سلام۔

شہرین اسلم...... چوک شاہدرہ

ابو جان شبیر احمد دلبر کو سالگرہ مبارک

پیارے ابو جان السلام علیکم! امید کرتی ہوں آپ اور امی جان خیریت سے ہوں گے ابو جان آپ کو 11 نومبر 2020ء زندگی کی چونسٹھ (64) ویں سالگرہ مبارک ہو اللہ آپ کو یونہی صحت اور تندرستی کے ساتھ سلامت رکھے آمین۔

آپ کی بیٹیاں نوشین اعظم، سعدیہ خرم، سدرہ عامر ام ایمن، ام حبیبہ، ام مروہ...... سرگودھا

قیصر آرا اور پریوں کے نام

موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے کسی بھی ذی روح کو انکار نہیں قیصر آرا آنٹی کی موت ہم سب کے لیے دکھ کا باعث ہے آنٹی سے بات کبھی بھی نہیں کی لیکن جب جب انہوں نے سرگوشیاں میں بات چیت کی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آنٹی ہمارے ساتھ ہیں ہاتھ یہ لکھتے ہوئے کانپ رہے ہیں الفاظ بھی نہیں ہیں اللہ سے دعا گو ہوں کہ یا اللہ آنٹی قیصر کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ آنٹی کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ انہوں نے آنچل وحجاب کو بہت اچھے طریقے سے سنبھالا میری بہت سی پریوں نے مجھے یاد رکھا ان کا شکریہ۔ این کمالیہ، حفصہ نور، کنول ناز، کوثر پھوپو نانی بننے پر مبارک باد۔ جویریہ وہی شادی کی ڈھیروں مبارک باد سدا خوش رہو اور ثمرہ گلزار ٹماٹر اور انار جیسی دوستی کیسی ہو جلدی سے نمبر سینڈ کرو مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ دوسرا نمبر بند ہے۔ مدیحہ نورین شادی کی ڈھیروں مبارک باد۔ عائشہ شکیل کیسی ہو بہنا۔ آپ کی محبتوں کی مقروض ہوں تبسم بشیر، ثمرہ گلزار دونوں کو سالگرہ کی مبارک باد۔ ماہا کیسی ہو سحر سحری بیٹے کی مبارک۔ طیبہ نذیر آپ کی فیملی کیسی ہے۔ ام ہانی، ام ایمن، ربیعہ آپ کی دوستی قبول ہے۔ دوستی کیا ہے اس کا مفہوم بھی یاد رکھنا۔ محسن اذان ایڈوانس میں سالگرہ مبارک۔ میاں جانی آپ کو شادی کی سالگرہ مبارک گفٹ تیار رکھیں۔ ہم دونوں ماں بیٹے کا۔ کنول ناز آپ کے بابا کی ڈیتھ کا افسوس ہوا۔ اللہ جنت میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ گلشن چودھری، رضوانہ وقاص، لیبا رضوان، مہر نزاکت مہری، خوشی سرانوالی، انعم زہرہ، انعم خضر، پروین افضل

بیٹے کی مبارک باد۔ اقراٗ ممتاز، ثناء کنول، نورین انجم، کرن شہزادی، تبسم بشیر آپ کی مما کیسی ہیں ماہ رخ سیال شادی کی مبارک باد، خوش بہنا تبسم اور ماہ رخ آپ سے بات ہوسکتی ہے بتانا کیسے۔ پھوپو کوثر آپ کی محبتوں اور چاہتوں کا بے پناہ شکریہ۔ سچ میں آپ نے میری پھوپی ہونے کی کمی کو پورا کیا۔ اللہ پاک تمام امت مسلمہ کو دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ تمام امت مسلمہ اور میری فیملی میری دوستوں اور بہنوں اور میری پیاری کلیوں کو اللہ پاک حسد اور بغض کینہ سے بچائے آمین۔

نجمہ نذیر......ڈی جی خان

قیصر آرا آنی اینڈ آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ڈیئر فرینڈز عزت مآب رائٹرز، ریڈرز اینڈ ایڈیٹرز کیسے ہیں آپ سب؟ قیصر آرا آنی کی اچانک رحلت کا جان کر دلی دکھ پہنچا۔ بہت دلگرفتہ ہوں، چند الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں لیکن پھر بھی دل کی خواہش ہے کہ آنی کے لیے کچھ لکھ سکوں، قیصر آرا آنی کے لیے یہ الفاظ لکھنا کہ ”وہ اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں“ آسان کام نہیں ہے۔ یہ سوچ کر ہی دل دکھ رہا ہے کہ وہ خوش بو کی سی شخصیت اب ہم میں نہیں رہی۔

پھول کو خوش بو سے جدا کون کرے
اس قدر ستم ظریفی یہ بتا کون کرے
جانے والے تیرے لہجے کی مہک باقی ہے
پر تیرے ہجر سے اے دوست نبھا کون کرے

وہ خوش بو کی مانند تھیں حالانکہ ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی فون پر بات ہوئی اس کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ ان سے کوئی بہت ہی قریب کا تعلق ہے۔ ان کے لفظوں سے محبت چھلکتی تھی۔ میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن میں ان کی تعریف کا حق ادا ہوسکے۔ زندگی میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم جانتے ہیں رابطے میں رہتے ہیں مگر مل نہیں پاتے مگر اس کے باوجود ان سے بہت گہرا رشتہ استوار ہوجاتا ہے۔ ان میں سے ایک آنی بھی تھیں۔ آنی بلاشبہ ادب کی دنیا کے اثاثوں میں سے تھیں۔ ان کا در جواب آں میں فرداً فرداً سب کی خیریت دریافت کرنا حال احوال سے واقفیت رکھنا خوشی، غم میں انہیں ساتھ ہونے کا اپنا احساس دلانا، ہمیں مان دے دیا کرتی تھیں اور اس وابستگی اور مان کے احساس نے ان کے ہمارے درمیان نہ رہنے کی خبر نے آنکھوں کے گوشے بھگو دیے وہ ہمیں کبھی نہیں بھولیں گی اس لیے ہم بھی کبھی بھی انہیں فراموش نہیں کر پائیں گے ہمارے دل و ذہن کے آنگن میں وہ ہمیشہ بہار کے پھول کی طرح شاد و آباد رہیں گی۔ اللہ رب العزت قیصر آرا آنی کی کامل مغفرت و بخشش فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اعلیٰ اعلیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ انعم زہرہ کیوٹ گرل، شادی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک آپ کو دائمی خوشیاں نصیب کرے اور آپ کی زندگی کو خوشیوں اور سکون سے بھر دے آمین۔ اب کبھی بھی اداس مت ہونا ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہنا۔ میں آپ کے لیے ہر نماز کے بعد دعا کرتی ہوں فائزہ بھٹی سویٹی میں ٹھیک ٹھاک ہوں آپ کی دعاؤں کی بدولت۔ (لیٹ ہونے کے لیے سوری) آپ کے کیا حال ہیں لائف کیسی جارہی ہے۔ شانزہ پرویز ڈیئر میں بھی بہت مس کرتی ہوں آپ کو آپ کے باباجانی کی رحلت کا جان کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت و بخشش فرمائے کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔ گھر کے سربراہ کے رخصت ہونے سے گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے سب پسماندگان تنکا تنکا ہوکر خود کو جوڑتے ہیں اللہ آپ کو اور آپ کی فیملی کو ہمت اور حوصلہ عطا کرے آمین اور ہاں ”شانزے“ یہ نام مجھے بہت پسند ہے۔ میں آپ کو شانزے بول سکتی ہوں؟ ماریہ نذیر دعاؤں کے لیے جزاک اللہ آپ کو بھی سلام اور ڈھیروں دعائیں۔ ایمن غور اینڈ حرا گل یاد رکھنے کے لیے تھینکس کیا ہورہا ہے آج کل (یو آر سونائس)۔ گلشن چودھری آپ سے تو میں بہت ناراض ہوں، کتنے عرصے سے میں شرکت نہیں کر پائی آنچل میں اور آپ نے کبھی جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا کہ میں زندہ ہوں یا مر گئی ہوں (اٹس ناٹ فیئر یار) دوست کیا ایسے ہوتے ہیں۔ ہماری دوستی کس شرط پر ہوئی تھی۔ یاد ہے ناں کہ آپ مجھے ہر پیغام میں یاد کریں گی۔ خیر میں نے سوچا میں ہی یاد کرلیتی ہوں شکیلہ رضوان ڈیئر آپ کی دوستی دل و جان سے قبول ہے۔ ماہ رخ سیال شادی کی ڈھیروں مبارک باد اللہ پاک آپ کو ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے آمین۔ نجم انجم آپی کیسی ہیں آپ ثناء کنول آپ کے کیا حال ہیں؟ زرناب خان آپ کے لیے ڈھیر سارا پیار

اور دعائیں افشاں سراج ڈیئر میں ٹھیک ٹھاک ہوں آپ سنائیں، ثمرہ گلزار آپ کو گزری ہوئی سالگرہ مبارک ہو۔ رخسانہ مبین ویلکم ٹو آنچل یہ جان کر اچھا لگا کہ آپ گلشن چودھری کی سسٹر ہیں گلشن چودھری بہت کیوٹ گرل ہیں میری بہت سوئٹ فرینڈ ہے تو یار آپ سے دوستی تو بنتی ہے ناں، عائشہ شکیل آپ کی دوستی دل وجان سے قبول ہے۔ کبریٰ خان آپ کے لیے ڈھیر سارا پیار اور دعائیں مدیحہ نورین مہک رقیہ ناز شادی کی مبارک باد قبول کیجیے اللہ آپ دونوں کی زندگیوں کو خوشیوں سے بھر دے آمین۔ رضوانہ وقاص کیسی ہیں آپ؟ آنٹی کوثر خالد سودا، آنٹی ارم کمال، اقرا جٹ تبسم، بشیر حسین، پروین افضل، شہرین اسلم، سعدیہ قریشی، عائشہ پرویز، جاذبہ عباسی، ام ہانی، سحر تبسم سحری، ماہا بشیر، نور چودھری، ایس این شہزادی کرل، انیلا طالب، حسینہ ایچ ایس، رانی اینڈ تحریم بھٹی، اقرا ممتاز، فائزہ شاہ، ذکا زرگر آپ سب کو اس ناچیز کی طرف سے ڈھیروں دعائیں اور سلام، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

سعدیہ حورعین حوری...... ہوں، کے پی کے

حرا کی پیاری سی دوستوں کے نام

کیا بتائیں کتنا یاد کرتے ہیں تمہیں فرینڈز

حساب لگانا ہو تو اپنی سانسیں گن لینا

السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ سب خیر وعافیت سے ہوں گے اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ سلامت اور خوش رکھے کوئی دکھ آپ کو چھو کے بھی نہ گزرے اللہ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، آمین ثم آمین، پیاری سی ملیحہ آپی پلیز اپنی محفل میں شامل کر لیجیے گا مہربانی ہوگی۔ گلشن چودھری آپ ٹھیک کہتی ہو ہم سب کا سوائے دوستی کے علاوہ اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ آپ سب سے عجیب سی محبت ہے کہ آپ ہنسو تو میں ہنستی ہوں۔ اگر آپ روتی ہیں تو میں روتی ہوں، آپ سب کا دکھ اپنا لگتا ہے اور آپ کی ہر خوشی میں اپنی لگتی ہے مجھے اور ایمن غفور کو آنچل وحجاب فرینڈز سے بہت زیادہ محبت ہے آپ سب بہت اچھی ہیں اور آپ سب کا بہت شکریہ آپ لوگ ہمیں اتنی محبت دیتی ہو اور اتنے پیار سے ہمیں یاد کرتی ہو تو بہت اچھا لگتا ہے آپ سب بہت اچھی ہیں اللہ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ اینڈ گلشن لو یو ڈیئر ثناء فرحان آپی کیسی ہیں آپ آپی ثنا ہمیں بھی اپنی فرینڈ لسٹ میں ایڈ کرلیں خوشی ہوگی مجھے اور ایمن کو، پیاری عائشہ شکیل اگلی بار اپنے پیغام میں میرا نام دوبارہ لکھنا او کے آپ سے بات کرکے بہت اچھا لگتا ہے آپ بہت اچھی ہو اللہ آپ کا نصیب اچھا کرے اور ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو آمین۔ سوئٹی رمشا یار سب سے پہلے تو آپ کو نیو گھر بہت مبارک ہو، اللہ آپ کو آپ کے نئے گھر میں ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ آپ مجھے بتاؤ کہ آپ دونوں سسٹرز کہاں تھیں کتنا مس کیا تم دونوں کو اگر کوئی مصروفیات تھیں تو بندہ بتا دے کہ ہم مصروف ہیں یار تم دونوں کی بہت زیادہ یاد آتی ہے۔ اب پلیز آتی رہنا نہ آئی تو میں نے خود آجانا ہے خان گڑھ ہی ہی ہی ہی۔ اینڈ لو یو سو مچ ارم ورمشا اور بھائی شکیلہ آپ کو سلام کہہ رہی ہیں اور رمشا اپنوں کا شکریہ نہیں کرتے جانی دوستی میں تو تھینکس نو سوری او کے۔ ام ہانی ہم بالکل ٹھیک ہیں آپ سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل۔ آپ بہت پیاری ہو ہانی اللہ نصیب بھی پیارا بنائے آمین۔ لو یو اینڈ مس یو ہانی، حمنہ جی ہم فرینڈ ہی ہیں ڈیئر آپ آتی رہنا ویسے آپ ہانی کی سسٹر ہو ناں، زرناب خان زری آپ سے بات کرکے بہت اچھا لگتا ہے آپ اپنی آواز کی طرح بہت خوب صورت ہوں گی میرا دل کہتا ہے میرا خالص سونا لو یو زری ڈیئر۔ مدیحہ نورین مہک پپی انیورسری اینڈ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو میری بیسٹ وشز آپ کے لیے ہیں ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو، آمین۔ پیاری مدیحہ مہک رقیہ ناز میری جان کیسی ہو آپ اور آپ کو بھی فرسٹ انیورسری بہت مبارک ہو اینڈ اداس ہیں اور کیا مصروفیات ہیں جانی انٹری دو یار بڑی یاد آتی ہے آپ کی اور اپنی سالگرہ کی تاریخ بتاؤ ہمیں، اللہ پاک میری رقیہ کو ہمیشہ سلامت رکھے اور پیارا سا بے بی بھی دے آمین ثم آمین۔ ڈیئر انعم زہرہ آپ بھی مجھے اچھی لگتی ہو میری دعا ہے کہ آپ کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے آپ ہمیشہ خوش رہو ہنستی مسکراتی رہو آمین اور بہت سارا پیار اور مس یو سو مچ یار انعم زہرہ۔ سونیا پپی (اداس یار) فائزہ بھٹی، فائزہ شاہ، آپی روبینہ کوثر، تبسم و ماہا بشیر، ایم سحر، نورے ایمان، اقرا جٹ، اقرا ممتاز، صائمہ مشتاق، شانزہ شانو، نجم آپی و نورین انجم، آنی ارم کمال، ایمن غفور سسٹر، شاہ کنول، کنول ناز، ماریہ نذیر، ثمرہ گلزار، آپی پروین افضل شاہین، آپی رضوانہ وقاص، ڈاکٹر زارا تعبیر، ثمرین ذوالفقار اینڈ رباب، عروسہ شہوار، جویریہ وسی، کرن شہزادی (کہاں ہو یار انٹری دو) سب کو میرا بہت سارا سلام اور پیار آپ سب اپنا

بہت بہت خیال رکھنا اگر کوئی رہ گیا ہے تو سوری نیکسٹ ٹائم ان کا نام لکھ دوں گی اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دینا اور آپ سب فرینڈز کے لیے یہ شعر

تیری یاد میں ہمیشہ سویرے ہی رہیں گے
تیری محفل میں چرچے میرے ہی رہیں گے
اپنا بنا دے ہم کو یا توڑ توڑ ڈال
تیرے ہی تھے تیرے ہی ہیں تیرے ہی رہیں گے

حرا گل غفور...... خانیوال

اسپیشل لوگوں کے نام

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب کیا حال ہیں؟ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ پاک سب کو خوش وخرم رکھے اور کرونا سے بچا کر رکھے آمین..... میں 14 ماہ کے بعد آنچل میں حاضری دے رہی ہوں بہت سی وجوہات ہیں خیر میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مجھے کبھی بھی فراموش نہیں کیا اور ہر ماہ مجھے باقاعدگی سے یاد رکھا تھینک یو سوچ فرینڈز۔ آپی کنول ناز آپ کے بابا کی ڈیتھ کا جان کر بہت ہی افسوس ہوا یقیناً باپ کی کمی تو کوئی پوری نہیں کرسکتا۔ میں نے آپ کو اسپیشل لیٹر لکھا تھا لیکن شاید کرونا کی وجہ سے پہنچ نہیں پایا۔ اللہ پاک آپ کو صبر عطا فرمائے اور آپ کے بابا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ آپی شانزہ پرویز شانو جی، زارا تعبیر میں کسی کو کبھی بھی نہیں بھولتی اور آپ تو پھر میری بہت ہی کیوٹ سی آپی ہیں ناں آپ کو کیسے بھول جاؤں بھلا ہاں؟ آپی رقیہ ناز آپ کو شادی بہت بہت مبارک ہو۔ ہمیشہ خوش رہیں اور خوش رکھیں۔ آپی ام ہانی کیسی ہیں آپ؟ حرا گل غفور اور ایمن گل غفور جناب میں واپس آچکی ہوں، فرینڈز اور اب آپ دونوں بھی آجائیں اقرأ ممتاز، رمشا آصف، فائزہ بھٹی، تابی کھرل، شرمیلا نگین، عظمیٰ بتول، ثانیہ الطاف اعوان اور نجم انجم آنٹی آپ سب لوگ کیسے ہیں؟ مائی موسٹ فیورٹ آپی افشاں سراج آپ کہاں غائب ہیں، میں آپ کے لیے اتنا زیادہ اداس ہوئی ہوں پلیز آنچل میں انٹری دیں پلیز پلیز۔ پیاری فرینڈز زرناب خان کیسی ہو؟ آپ نے نے مجھے یاد رکھا شکریہ۔ فائزہ شاہ آپی خیر تو ہے آپ کہاں ہیں؟ آپی ماریہ نذیر آپ کہیں مجھے بھول تو نہیں گئیں، صائمہ مشتاق ڈیئر ہاؤ آر یو نور چودھری اینڈ گلشن چودھری رزلٹ تو بتایا نہیں آپ لوگوں نے میٹرک کا اور غائب ہوگئیں دونوں ثمرہ گلزار صاحبہ آپ نے پوچھا تھا کہ میں کسی کی تعبیر ہوں تو جناب میں اپنے مما پاپا کی تعبیر ہوں، آپی مدیحہ نورین مہک آپ کی شادی ہوگئی اور آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں چلیں کوئی بات نہیں عائشہ آپ بھی گم ہیں لگتا ہے مجھے مسجد میں اعلان کرانا پڑے گا۔ جاذبہ عباسی اینڈ ایس این شہزادی کھرل آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں سوسوئٹ آف یو آپی تبسم بشیر اینڈ سحر تبسم سحری آپ آج کل آنچل میں کیوں نہیں لکھتی۔ آپی افشاں سراج پھر بتا رہی ہوں واپس آئیں ورنہ میں آپ سے ناراض ہوجاؤں گی۔ چلیں جی اب اجازت دیں ورنہ پھر خط لمبا ہونے کے چکر میں ہما آپی نے مجھے ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا ہے۔ اللہ حافظ فی امان اللہ۔

ڈاکٹر زارا تعبیر...... قصور

فیملی اینڈ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آنچل فرینڈز کیسی ہیں آپ سب اللہ آپ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے لمبی اور صحت وسلامتی والی زندگی عطا کرے آپ کے گھر والوں پر اپنی رحمتوں کا سایہ قائم رکھے آمین اور آپ سب سے بھی گزارش ہے کہ میرے والدین اور گھر والوں کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمام مشکلات حل کریں اور میرے والدین کا سایہ ہم پر ہمیشہ قائم رکھے ان کو صحت وسلامتی سے خوشیوں سے بھرپور زندگی عطا کرے، آمین۔ محمد علی اور ادم فاطمہ آپ کو سالگرہ کی بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ دونوں کی عمر دراز کرے۔ محمد امیر حمزہ میری ننھی سی جان اللہ تمہیں لمبی زندگی اور صحت عطا کرے، آمین۔ اللہ میری سسٹر اقرأ اور سعدیہ ثناء کے نصیب اچھے کرے اچھا گھر اور بر عطا کرے، خوشیاں نصیب کرے۔ صفیہ منگنی کی بہت بہت مبارک ہو۔ بشریٰ اللہ تمہارے بھی نصیب اچھے کرے اور تم بھی ہمیں اپنی منگنی پر بلاؤ۔ سونیا بھابی بیٹے کی بہت مبارک ہو اور مشکور ماموں سالگرہ کی مبارک ہو۔ اللہ لمبی زندگی عطا کرے کاروبار میں برکت عطا فرمائے اور اولاد جیسی نعمت عطا کرے آمین۔ نازش تمہاری یاد آتی ہے اسکول میں تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ زارا افشاں پلیز اب تو شادی کرالو اور علی بھائی آپ نے کیا سکندر اعظم کی طرح دنیا فتح کرلی ہے جو شادی ڈیلے کررہے ہیں کلثوم تم مجھے بہت یاد آتی ہو اللہ تمہیں اور تمہارے بیٹے کو لمبی زندگی عطا

کرے اور تمہاری جلد شادی ہوجائے۔ ثناء آج کل اداس گانے کیوں گا رہی ہو۔ سمیع اللہ پاک تمہارے فرینڈ کے گھر والوں کو صبر عطا فرمائے اور تمہارے فرینڈ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔ ماریہ نذیر کیسی ہیں آپ اور کہاں غائب ہیں اللہ رکھا بھائی ہم منتظر ہیں آپ کے نام کی کہانی سننے کے لیے...... ظہیر ملک بھائی آپ نے آنچل پہلی دفعہ پڑھا پھر سرورق ہر دفعہ کی طرح عمدہ کیوں لگا کیا آپ اس کا سرورق ہی دیکھتے تھے دعا ہے اللہ سے کہ وہ آپ کی ہر جائز خواہش پوری کرے آمین۔ ناز کیسی ہو تم بلی تم ہمارے گھر کیوں نہیں آتی۔ ثمرین اللہ تمہیں صبر دے۔ شہنیلہ منگنی بہت مبارک ہو۔ نورین انجم آپ نے ہمارا تو پوچھا ہی نہیں۔ ڈیئر کبریٰ خان خوش رہو، مجھے بھی آپ بہت اچھی لگی ہیں۔ شائستہ میں اللہ سے دعا کررہی ہوں کہ آپ کی بہن کو صحت اور زندگی والا مہمان عطا کرے آمین۔ فائزہ بھٹی منگنی بہت بہت مبارک ہو اللہ آپ کے نصیب اچھے کرے، ارم آصف، ماریہ نذیر، تبسم بشیر، ام ہانی و ثمرہ گلزار، مدیحہ نورین ماہا بشیر کہاں غائب ہیں آپ لوگ عظمیٰ بٹ، شائستہ یاسین، پروین افضل، رباب اینڈ سمرن، ارم کمال، ناز یہ کنول، رقیہ ناز، شانزہ پرویز، بی زہرہ عباس، گلشن چودھری، نجم انجم، اقصیٰ شہزادی، کوثر خالد، ایم ایچ فاطمہ، ماہی خان، عروسہ شہوار آپ سب کو میرا اسلام جن کا نام نہیں لے سکی ان کو بھی سلام سدا خوش رہیں آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔ رقیہ ناز آپ کو شادی کی بہت مبارک ہو۔

سعدیہ خان...... بہاولپور

سوئٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! اس امید پہ کے سب لوگ ایمان وصحت کی بہترین حالت میں ہوں گی۔ سب سے پہلے آنچل سے جڑی بہنیں فرح طاہر، نادیہ کامران، ایس انمول اور فائزہ بھٹی کو ہمارا پیار بھرا اسلام اس امید پہ کہ بخیر وعافیت ہوں گی آپ لوگ۔ ڈیئر سسٹر سائرہ سترہ دسمبر آپ کو سالگرہ مبارک ہو، بہت بہت، بھانجے بلال کو بھی چودہ دسمبر ہیپی برتھ ڈے اور یکم دسمبر کو بڑے بھیا آپ کی سالگرہ ہے مبارکاں بھابی اور بجو آپ کو بھی شادی کی دسویں سالگرہ مبارک ہو ہمیشہ خوش شاد و آباد رہیں۔ مائی فیورٹ رائٹر سمیرا شریف طور آپ کو بھی جنم دن مبارک ہو شاد و آباد رہیں ہنستے مسکراتے ہوئے۔ سب لوگ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ نگہبان۔

عائشہ صدیقہ احمد زئی...... اسلام آباد

دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آپ سب کے امید ہے کہ آپ سب بخیر وعافیت سے ہوں گے اللہ تعالیٰ سب کو خوش و خرم رکھے ڈیئر حمنہ کنول آج سے آپ میری سب سے پیاری دوست ہو اب آپ آنچل میں میرے لیے آتے رہنا اور جی ام ہانی میری سسٹر ہیں۔ رمشاء آصف، ارم کمال، ارم آصف (شکریہ خوش آمدید کے لیے) ایمن غفور (جی ام ہانی میری سسٹر ہے) آپ سب کا بہت شکریہ میری نگار شات پسند کرنے کے لیے اسی کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

حمنہ شاہد...... ڈگری

آتے لمحوں کے نام

السلام علیکم! اے جاتے ہوئے لمحو یوں گزرنا کہ ساری تلخیاں اپنے ساتھ لے جانا اور اے آتے ہوئے لمحوں اپنی آمد کے ساتھ ڈھیروں خوشیاں لانا کہ زندگی کی تمام تر تلخیاں ختم ہو جائیں سب کو نیا سال بہت مبارک ہو اللہ سے دعا ہے کہ اس نئے سال کی آمد ہم سب کی زندگیوں میں بہت ساری خوشیاں اور سکون لے کر آئے آمین۔ یکم جنوری کو میری سالگرہ ہوتی ہے اور نا صرف میری بلکہ میرے دونوں چھوٹے چاچو کی سالگرہ یکم جنوری کو ہوتی ہے ہیپی برتھ ڈے ڈیئر چاچووووز اور کیوٹ سی عروہ دس کو آپ کی سالگرہ ہے پرنسس ہیپی برتھ ڈے ٹو یو تمام پڑھنے والوں کو بہت سا سلام اور ڈھیروں دعائیں اور مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے
نا رہی تو قیامت کے دن ملیں گے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

yaadgar@naeyufaq.com

جویریہ سالک

حدیث رسول مقبول ﷺ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"انسان ایک بات کہہ دیتا ہے اور اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن اس کی وجہ سے جہنم کے ستر سال کی مسافت کے برابر نیچے گر جاتا ہے۔" (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"بندہ بے سوچے سمجھے ایک ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ دوزخ میں گر جاتا ہے۔ (مسلم)

آمنہ افسر خان...... چیچہ وطنی

عورتوں سے متعلق امور

❖ سب سے پہلے اون کات کر سوت حضرت حواؑ نے تیار کیا۔

❖ سب سے پہلے سینے کا کام عورتوں میں حضرت سارہؓ نے کیا۔

❖ سب سے پہلے کان حضرت ہاجرہؓ کے بندے (چھیدے) گئے۔

❖ عورتوں میں سب سے پہلے مشرک کو قتل کرنے والی حضور ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہؓ ہیں۔

حلیمہ زمان...... ٹوپی

مصائب پر صبر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا۔

"تیری بارگاہ میں میرا کون سا فعل پسندیدہ ہے تاکہ میں اسے زیادہ کروں اور بار بار کروں۔" حکم ہوا "یہ فعل ہمیں پسند آیا ہے کہ زمانہ طفلی میں جب تمہاری ماں تمہیں مارا کرتی تھی تو تم مار کھا کر بھی اسی کی طرف دوڑتے تھے اور اس کی جھولی میں گھستے تھے۔ پس طالب اللہ کو بھی یہی لازم ہے کہ کسی ہی سختی ہو، کیسی ہی ذلت ہو، خواری پیش آئے ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اس کے فضل کا طلب گار رہے۔"

اقتباس "اشفاق احمد کے بابا صاحب"

عروسہ شہوار...... کالا گوجراں جہلم

اقوال موتی

○ اللہ سے محبت کرو جو آزمائش تو دیتا ہے مگر آزمائش میں اکیلا نہیں چھوڑتا۔

○ دنیا کے سب انسان خوب صورت ہیں بدصورتی ہمارے رویوں میں ہے۔

○ اپنے آپ کو ہمیشہ زیر بحث مت لاؤ کیونکہ کل کو پیش بھی ہونا ہے۔

○ تکلیف دکھ سے نہیں دکھ دینے والے سے ہوتی ہے۔

○ عقل بادام کھانے سے نہیں دھوکا کھانے سے آتی ہے۔

عائشہ مبین...... گوجرانوالہ

آپ کا تعلق

ایک شخص نے دروازے پر دستک دی اندر سے گھر کا مکین باہر آیا تو دستک دینے والا شخص ہاتھ باندھ کر نہایت رقعت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

"بھائی زندگی چار دن کی ہے مرنے کے بعد سب کچھ یہیں رہ جائے گا حدیث ہے کہ بہترین خرچ وہ ہے جو اہل و عیال پر کیا جائے۔"

گھر کا مکین متاثر ہو کر پوچھنے لگا۔

"حضرت آپ کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے؟" اس شخص نے جواب دیا۔

"نہیں حضور میں انشورنس ایجنٹ ہوں۔"

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

باتوں سے خوش بو آئے

⌘ کبھی کبھی ایک غلطی سے ایک دل، ایک امید، ایک خواب، ایک رشتہ اور بھروسا سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔

⌘ جب کوئی اور دل کو بھا جائے تو پچھلی محبتوں پر لوگ مٹی ڈال دیتے ہیں۔

⌘ رکاوٹیں تو زندہ انسانوں کے لیے ہوتی ہیں میت کے لیے تو ہر کوئی راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

⌘ جو تمہارے سامنے اوروں کی برائی کرتا ہے وہ اوروں کے سامنے تمہاری برائی بھی کرتا ہے۔
⌘ ہار اور جیت تو اپنے اندر ہوتی ہے مان جاؤ تو ہار ہے ٹھان لو تو جیت ہے۔

شانزہ پرویز شانو...... ایبٹ آباد، ہزارہ

لطائف

ایک دفعہ ایک پٹھان کے امتحان میں آیا کہ He, It, She, Thay کو سینٹینس میں یوز کریں تو اس نے اس طرح سے جملے بنائے۔
وہ ہر وقت "ہی ہی" کرتا رہتا ہے۔
مزدور کے سر پر "اٹ" لگ گئی۔
بچے نے بستر پر "شی" کردی۔
ڈرائیور نے دیوار میں گاڑی "دے" ماری۔

اقراء ممتاز...... سرگودھا

زندگی

⌘ زندگی سے زیادہ محبت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سب سے آخر میں سب سے حسین دھوکا بھی زندگی دیتی ہے۔
⌘ زندگی کا آنکھوں کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق ہے جب انسان کو زندگی ملتی ہے تو آنکھیں کھولتا ہے اور جب زندگی روٹھتی ہے تو آنکھیں بند کرلیتا ہے۔
⌘ ہمیشہ مسکراتے رہو زندگی خود بخود خوب صورت ہو جائے گی کیونکہ ہر غم میں مسکرانا بہادری کا کام ہے۔
⌘ عمل کے چراغ سے زندگی کو منور کرو جس طرح چاند ستارے اپنی کرنوں سے دنیا کو منور کرتے ہیں۔

نورین انجم اعوان...... کراچی

چٹکلے

بیوی: ہفتے کو شاپنگ پر چلیں گے، اتوار کو امی کے گھر جائیں گے۔ سوموار کو پارلر جائیں گے۔ منگل کو ڈنر کرنے ہوٹل جائیں گے۔ بدھ کو سہیلیوں کے گھر دیکھنے چلیں گے اور جمعرات کو پکنک پر جائیں گے۔ ٹھیک ہے۔
شوہر: اور جمعہ کو مسجد چلیں گے۔
بیوی: وہ کیوں؟
شوہر: بھیک مانگنے۔

قاضی صبا ایوب...... اٹک

انمول موتی

☆ اگر خوشی کا ایک در بند ہو جائے تو اللہ پاک ایک اور در کھول دیتا ہے مگر ہم وہ در کھلا دیکھ نہیں پاتے کیونکہ ہم اس بند دروازے کے پیچھے رو رہے ہوتے ہیں۔
☆ انسان خود قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اس کا کردار اور اس کی سچائی اسے قابل اعتبار بناتی ہے۔
☆ دوسروں کے لیے دعا مانگ کر دیکھو تمہیں اپنے لیے دعا مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔
☆ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نظر نہیں آتا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جب انسان مصیبت میں ہوتا ہے تو اسے اللہ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا۔
☆ جب انسان اپنے ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو صدقہ پانچ باتیں کہتا ہے۔ میں فانی مال تھا تو نے مجھے بقا دے دی، میں تیرا دشمن تھا لیکن تو نے مجھے اب دوست بنا لیا ہے آج سے پہلے تو میری حفاظت کرتا تھا لیکن آج سے میں تیری حفاظت کروں گا۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

صبر کی اہمیت

صبر کبھی نہ مانگیں کیونکہ صبر کسی چیز کو کھو دینے کے بعد حاصل ہوتا ہے اللہ پاک سے ہمیشہ رزق حلال اور سکون مانگو سکون حاصل کرنے کے لیے کسی چیز کو کھونا نہیں پڑتا بلکہ سکون اللہ پاک کے آگے سجدے میں رکھتا ہے۔

شبیر احمد دلبر بابا جانی...... سرگودھا

اچھی بات

تمہارے والدین تمہیں بچپن میں شہزادوں کی طرح پالتے ہیں لہٰذا تمہارا یہ فرض بنتا ہے کہ ان کے بڑھاپے میں انہیں بادشاہوں کی طرح رکھو۔

علشبہ خان...... بھیر کنڈ

پاکیزگی

نفس کی پاکیزگی یہ ہے کہ انسان بہت دیر سے غصے میں آئے اور بہت جلد معاف کردے۔

فیصلہ

خوشی میں وعدہ اور غصے میں فیصلہ کرنا اکثر اوقات ساری زندگی شرمندگی اور بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔

عیب

بدگمانی اور بدزبانی ایسے عیب ہیں جو انسان کے ہر عمل کو

زوال میں بدل دیتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

کاہلی

ماسٹر صاحب نے کاہلی پر مضمون لکھنے کے لیے کہا۔ ایک شاگرد کی کاپی چیک کی تو تمام صفحات خالی تھے آخری صفحے کے نیچے لکھا تھا۔

"اسے کہتے ہیں کاہلی۔"

سحر تبسم سحری...... مغل پورہ

مہکتی کلیاں

❁ زندگی میں اتنا نازک مت بنو کہ کوئی پھول سمجھ کر توڑ دے اور نہ اتنا سخت بنو کہ کوئی پتھر سمجھ کر چھوڑ دے۔

❁ کبھی بھی خود کو اتنا قیمتی نہ سمجھنا کہ ہر کوئی تم کو دل سے نکال دے کیونکہ جس چیز کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اسے اکثر لوگ چھوڑ دیتے ہیں۔

❁ جو لوگ اپنی دعاؤں میں دوسروں کو شامل کرتے ہیں خوشیاں سب سے پہلے اس کے دروازے پر دستک دیتی ہیں۔

❁ ضروری تو نہیں کہ زندگی دولت ہی سے مالا مال ہو اچھے دوست بھی زندگی کی جاگیر ہوتے ہیں۔

❁ سیکھ جاؤ وقت پر کسی کی چاہت کی قدر کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں احساس دلاتے دلاتے کوئی اپنے اندر جینے کی امنگ ہی ختم کردے۔

اقرأ ماریہ...... نامعلوم

ہنسنا منع ہے

استاد شاگرد سے علامہ اقبال کہاں پیدا ہوئے اور کہاں سے تعلیم حاصل کی۔

شاگرد علامہ اقبال اسپتال میں پیدا ہوئے اور اسکول میں تعلیم حاصل کی۔

ایک پنجابی نے کسی آدمی سے پوچھا یہ شادی کے جوڑے کہاں بنتے ہیں۔

آدمی نے جواب دیا جی آسمان پر۔

پنجابی نے جواب دیا اوہ میں تو درزی کو دے آیا اب کیا ہوگا۔

بیوی آسمان پر ستاروں کو حسرت سے دیکھتے ہوئے شوہر سے بولی وہ کون سی چیز ہے جسے آپ دیکھ سکتے ہیں مگر توڑ نہیں سکتے۔

شوہر تیرا ابو تھا۔

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

اچھی باتیں

۞ زندگی میں ہمیشہ اپنے چاہنے والوں کو اپنی کمی کا احساس دلاؤ مگر یہ دوری اتنی لمبی نہ کرو کہ کوئی آپ کے بغیر جینا سیکھ لے۔

۞ کوشش کرو کہ زندگی کا ہر لمحہ ہر کسی کے ساتھ اچھے سے اچھا گزارو کیونکہ زندگی نہیں رہتی پر اچھی یادیں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔

۞ جب آپ کو کسی کا ایس ایم ایس ملے تو یہ مت سمجھو کہ اس کا ایس ایم ایس فری ہوگا اس لیے ایس ایم ایس کیا ہے بلکہ سوچو کہ اس نے اپنی زندگی کے کچھ قیمتی لمحے آپ کو یاد کرنے میں گزار دیے۔

اقرأ ارشد...... شاہ نکڈر

حیرت

ایک مکرانی سے پٹھان نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

مکرانی "میں ٹائی ٹینک کا ہیرو ہوں۔"

پٹھان حیرانی سے "ابے بھائی ٹائی ٹینک ڈوبا تھا جلا تھوڑی تھا۔"

ثمینہ الطاف...... خان پور

سنہرے موتی

◉ خواہش بادشاہ کو غلام اور صبر غلام کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔

◉ خاموشی عالم کا زیور اور جاہل کی جہالت کا پردہ ہے۔

◉ زیادہ بولنے سے انسان کی عقل مفلوج ہو جاتی ہے۔

◉ عقل مند عورت خاوند کو بادشاہ بنا کر اس کی ملکہ بن جاتی ہے۔

◉ بدبخت ہے وہ انسان جو خود تو مر جائے مگر اس کا گناہ نہ مرے۔

◉ جب ضمیر ملامت کرنا بند کردے تو سمجھ لو انسانیت کا جنازہ اٹھ گیا ہے۔

◉ حرص اور زیادہ خواہش بری ہی نہیں بلکہ ہلاکت خیز بھی ہے۔

ارم آصف...... مظفر گڑھ

محبت کیا ہے؟

محبت کیا ہے، فقط ایک بھرم، ایک مان، ایک بھروسا، عزت کے دو بول، تحفظ کا یقین، ہاں ایسا ہی ہے ان سب کو باہم ملا کر جو مرکب تیار ہوتا ہے اس کو محبت کہتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اب سب کے ٹوٹ جانے سے محبت میں کوئی فرق نہ پڑتا لیکن ایسا نہیں ہے بھرم ٹوٹ جائے مان کی کرچیاں کردی جائیں تو محبت کو دیمک لگنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یقین اٹھ جائے بھرم ٹوٹ جائے تو محبت اس مچھلی کی مانند ہوجاتی ہے جو جال میں پھنس جاتی ہے تو ہار جاتی ہے بے بس ہوجاتی ہے اور بالآخر تڑپ تڑپ کر مرجاتی ہے۔

سعدیہ حورعین حوری...... بنوں

اچھی باتیں

☐ محبت اگر چٹان جتنی بھی طاقت ور ہو غلط فہمی کے ایک ہتھوڑے کی ضرب سے ٹوٹ کر بکھر سکتی ہے۔

☐ عادتوں کو وقت پر بدل لینا چاہیے ورنہ عادتیں فطرت بن جاتی ہیں اور فطرت کو بدلنے کے لیے عمریں لگ جاتی ہیں۔

☐ لوگ دنیا کے بدلنے کی بات کرتے ہیں مگر بدل خود کو نہیں سکتے۔

☐ لوگ کہتے ہیں زمانہ بدل گیا ہے نہیں زمانہ نہیں بدلا بلکہ لوگ اور لوگوں کی سوچ بدل گئی ہے۔

☐ بعض اوقات نفرت اتنی طاقت ور ہوتی ہے کہ محبت بھی اس سے ہارنے لگتی ہے۔

☐ بعض اوقات ہمیں پتا نہیں چلتا ہم وقت گزار رہے ہیں یا وقت ہمیں گزار رہا ہے۔

شبانہ کوثر...... خانیوال

سہارا

زندگی میں سب سے مضبوط سہارا فقط اللہ کی ذات ہے خود کو فقط اسی کے سہارے جوڑے رکھیے وہی ذات ہے جو ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے ہر پل ہر گھڑی ہر لمحہ ہمیں تھامے ہوئے ہے۔

کڑوا سچ

جو شخص تمہارا آج ہاتھ نہیں تھام سکتا وہ کل بھی نہیں تھامے گا۔

ماہ جبین خان...... بہاولپور

اچھی باتیں

☆ ضرورت مند لوگوں کی سفارش کردیا کرو، اس میں تمہیں بدلہ ملے گا۔ (بخاری حدیث نمبر 6028)

☆ بیماریوں میں موت کے سوا ایسی کوئی بیماری نہیں، جس کے لیے کلونجی میں شفا نہ ہو۔ (مسلم 5899)

☆ جب تم لوگ کھانے کے لیے بیٹھو تو چپل اتار دیا کرو کیونکہ یہ چیز تمہارے پیروں کے لیے راحت کا سبب ہے۔ (کنزالعمال 4026)

اللہ رکھا چودھری...... ہارون آباد

اگلا سال

دل میں منافقت رکھنے سے کچھ نہیں ملتا
پر درگزر کرنے سے دل کو سکون ملتا ہے
ہوگئی ہم سے غلطی جانیں ان جانیں ایش
ہے یہ موقع کر دو سب کو معاف کرلو دل صاف
موقع آئیں نہ آئیں کہ پھر آئے نہ اگلا سال

عائشہ خان...... ڈسکہ

ہمسفر

بات صرف اتنی ہے کہ زندگی کی راہوں میں ساتھ چلنے والوں کو ہمسفر نہیں کہتے۔

جواب

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے جواب میں بس ٹھیک ہے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے حالانکہ وہ کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہوتیں۔

خواہش

اپنی کسی بھی خواہش کو جنون مت بنانا کیونکہ زندگی میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہمیں کبھی نہیں مل سکتیں۔

صبر

سہنے والے کو اگر صبر آجائے تو کہنے والے کی اوقات دو کوڑی کی رہ جاتی ہے۔

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

aayna@naeyufaq.com

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ نئے سال کا پہلا پرچا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ پچھلے سال کرونا کی وجہ سے سب ہی پریشان رہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس سال ہمیں ایسی بیماریوں سے محفوظ رکھے اور ہم پر اپنا کرم بنائے رکھے، آمین۔ اب بڑھتے ہیں آپ سب کے تبصروں کی جانب۔

رضوانہ وقاص...... ہری پور ہزارہ۔ سب بہنوں دوستوں کو محبتوں بھرا اسلام، امید کرتی ہوں کہ سب دوستیں بہنیں ٹھیک ہوں گی۔ اس دفعہ آنچل 23 تاریخ کو ملا۔ میں خود پیر والے دن ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔ ان دنوں بہت تکلیف ہے۔ جب مجھے آنچل ملتا میں اپنی بیماری اور درد بھول جاتی ہوں۔ میرے ساتھ میرا بھائی بشارت، بھابی نائلہ، کزن سمیر چھوٹا بیٹا ارسلان تھا اب سب کو پتا ہے کہ میں آنچل میں لکھتی ہوں تو سب میرا نام دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو گاڑی میں ہی تبصرہ پڑھ لیا بارش بھی ہو رہی تھی، بہت تیز۔ ماڈل مسکان خان کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ واہ کیا بات ہے جی مسکان خان کے گلے میں ہار ہاتھ میں گھڑی بہت ہی اچھی لگ رہی ہے کیونکہ اب نئے سرے سے گھڑی باندھنے کا رواج آ گیا ہے لڑکیوں کا۔ میرے لیے بھی میرا بھائی گھڑی لے کر آیا ہے۔ سلور کلر کی شکریہ جی پیارے بھائی لیکن آنکھیں اداس ہیں۔ "سرگوشیاں" پڑھی واقعی وقت جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے لیکن اس کرونا جیسی مہلک بیماری سے ہم سب کو اللہ ہی بچائے آمین اور اسے جلد از جلد ختم کرے، آمین۔ سردی کی کیا بات کروں، سردی اچھی خاصی بڑھ گئی ہے جی۔ دوسرا تیسرا مہینہ ہے افسوسناک ہی خبر پڑھنے کو ملتی ہے۔ اب شاہینہ آپا اللہ کو پیاری ہو گئی اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ "حمد و نعت" دونوں پڑھی اللہ ہمیں اپنے سوہنے مدینے کی حاضری کرائے یہ تو ہر مسلمان کی خواہش ہے کہ ہم اپنے اللہ کے گھر جائیں ایک مرتبہ ہی صحیح لیکن جائیں ضرور۔ "ربنا اتنا" اچھا سلسلہ ہے۔ "ہمارا آنچل" میں مجھے کب جگہ ملے گی نبیلہ بابر پہلے آپ سے پوچھنا ہے کہ آپ ایبٹ آباد میں کس جگہ رہتی ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ مجھے ٹھیک کر دے آمین۔ نبیلہ بابر آپ کا انٹرویو پڑھا اچھا لگا۔ مہمانوں سے باتیں سننے سے پہلے ہی بول دیں کہ میری بیٹی رو رہی ہے۔ فرحانہ اسلم آپ کا انٹرویو بھی اچھا لگا آپ جو بننا چاہتی ہیں اللہ آپ کو کامیاب کرے آمین۔ "اسیر محبت" ابھی پوری نہیں پڑھی لیکن غزلیں شعر اچھے لگے۔ تبصرہ مکمل کہانی پڑھ کر کروں گی۔ "سامنے کچھ دکھتا کچھ" یہ کہانی کچھ خاص پسند نہیں آئی، سبین نے اچھا کیا شیراز کو ٹھکرا کر جو لڑکے لڑکیوں کے پیچھے پڑتے ہیں مجھے سخت زہر لگتے ہیں۔ "سانسوں کے اس سفر میں" میرا دل جبر کے لیے بہت اداس ہے، اتنی پیاری لڑکی پر ترس آ رہا ہے۔ اللہ کرے آیت کا مکروہ چہرہ سب کے سامنے آ جائے۔ تائی جان کو بھی پتا چلے کہ ان کی بھانجی نے سب کچھ کرایا ہے موحد کو پانے کے لیے۔ عبدالحنان کو ٹھیک کر دیں۔ بشرہ کی پریشانی کم ہو عبدالحنان کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہے۔ "محبت ہو گئی ہے" شرجیل کی ماں اور بہن کا رویہ نائمہ کے ساتھ اچھا نہیں تھا لیکن چلیں شرجیل کو دیر سے ہی صحیح عقل آ گئی۔ بیٹے ہوتے ہیں تو بہوئیں آتی ہیں، بہن اپنی جگہ، بیوی اپنی جگہ لیکن بہنوں کو اگر بھائیوں سے پیار ہے تو پھر بھابیوں سے کیوں نہیں۔ "وہ جو ایک لمحہ یقین ہو" عیشل اپنی دادی کی پسندیدہ پوتی ہر کام ان کی مرضی کا کرتی ہے لیکن فرحان کے دل میں جگہ بنانے میں ٹائم لگا۔ عیشل فرحان دونوں کا کردار پسند آیا ہے۔ "تیرا آسرا بس" نازیہ جمال ویلڈن جی چھا گئی ہیں۔ آپ رمشا آپ نے ماسی نوراں کے ساتھ آپ کا رویہ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ ہم کیا کسی کو دے سکتے ہیں۔ دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔ غزالہ بی کو بھی عقل آ گئی۔ ان کا شوہر بیمار ہوا غزالہ کی یہ باتیں اچھی لگی میرے سر کا تاج میری آنکھ کا سرمہ میرے چہرے کا سنگھار میرا شوہر، مشکل وقت میں ہمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ ڈاکٹر تو وسیلہ ہوتے ہیں لیکن اتنے پیسے نہ لیں جو غریب ہو گئے کہاں سے دیں گے۔ "اکائی" پڑھی چلے جی وقار اور فاطمہ آپس میں باتیں تو کرنے لگے۔ جہانگیر اور آیت کی جوڑی اچھی رہے گی۔ وقار الحق، اکرام الحق آپس میں بھائی تو نہیں۔ ریحان کا کچھ نہیں بتایا کہاں گیا۔ نواب صاحب کو اس عمر میں عشق ہو گیا۔ کیا غزل لکھی محبت لوٹ جا، محبت الوداع "تو میرے وجود کا حصہ" ثاقبہ، بشرہ دونوں بہنوں میں پیار اچھا لگا۔ ثاقبہ محبت پر فلسفے کرنے والی لیکن جب منہام کو اس سے محبت ہو گئی تو اس کا یقین ہی نہیں کیا۔ منہام نے تو ایسی محبت کی اب ایسی لڑکیاں بھی نہ کریں۔ منہام کا پیار ثاقبہ کے لیے اچھا لگا اور سبی کہنا اچھا لگا۔ "بیاض دل" ماہا بشیر، نازیہ نازی، شانزہ پرویز، رخسانہ نبین، رمشا آصف، ارم کمال، زینب دلبر، ایمان مسکان، قرۃ العین، ارم شہزادی، ریحان ملک اس دفعہ "بیاض دل" سارے کا سارا ہی اچھا ہے لیکن وقاص عمر سب پر بازی لے گئے۔ قیصر آرا آنٹی کے لیے شعر لکھ کر واہ جی کیا بات ہے۔ مجھے کب جگہ ملے گی "بیاض دل" میں جی۔ "ڈش مقابلہ" مچھلی کے

بیسنی کباب، زعفران الائچی دودھ، ڈرائی فروٹ کیک، آلو اور قیمہ کی پوریاں ٹرائی کریں گے، ان شاء اللہ۔ ”نیرنگ خیال“ کوثر خالد، معصوم بچے کی فریاد، اعتبار، سکہ، دسمبر، غزل، نظم ہم مسکراتے رہے پسند آیا ہے۔ ”دوست کا پیغام آئے“ شائستہ یاسین آپ کی بہن کے لیے دعا کریں گے۔ فائزہ آپ کے بھائی کا سن کر دکھ ہوا۔ بھائی بہنوں کا مان ہوتے ہیں آپ کے بھائی۔ رقیہ ناز میں آپ کے لیے دعا کروں گی۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہر پل ہر لمحہ ان شاء اللہ۔ رمشا آصف آپ کو میرا تبصرہ پسند آیا شکریہ۔ آپ کی بات پڑھ کر میں بہت ہنستی ہوں شکریہ جی بہت، بہت جب کوئی بہن دعا کرتی ہے تو اچھا لگتا ہے۔ ”یادگار لمحے“ سب کا سب اچھا ہے۔ ”آئینہ“ میں ایمن شانزہ پرویز، ارم آصف، رمشا آصف، آپ دونوں بہنیں ہیں تبصرہ اچھا ہے۔ ارم، رمشا آپ کا شکریہ آپ نے میرا تبصرہ پسند کیا۔ آپ کو نئے گھر کی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ کو نئے گھر میں ہنستا مسکراتا رہنا نصیب کرے، آمین۔ ام ہانی آپ کا تبصرہ بھی اچھا لگا آپ کے دونوں ماموں کی ڈیتھ کا سنا بہت افسوس ہوا کیا ہوا تھا ماموں کو، کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہوا تھا۔ اللہ رکھا چودھری آپ کو میرا تبصرہ پسند آیا بہت، بہت شکریہ آپ بھی بہترین تبصرہ کرتے ہیں۔ ارم کمال آپ کا تبصرہ بھی اچھا لگا۔ آپ تو جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ کیا بات ہے جی۔ ظہیر ملک ہماری دعا ہے کہ آپ کی جلد از جلد شادی ہو جائے آمین۔ ”ہم سے پوچھیے“ کیا بات ہے شمائلہ آپی آپ کی واہ واہ آخری میں جی شہلا آپی اس دفعہ مجھے درد بھی بہت ہے لیکن میں نے کہا خط لکھ لوں پھر سوؤں گی خط لیٹ ہوا آپ شائع نہیں کریں گی خط لکھتے ہوئے میرا چھوٹا بیٹا ارسلان جاگ گیا لیکن پھر بھی خط مکمل کر لیا۔ بتائیں گا تبصرہ کیسا لگا سب دوستوں، بہنوں کو سلام کوئی غلطی ہوئی تو معاف کرنا دعاؤں میں یاد رکھنا ہے سب دوستوں بہنوں نے اللہ حافظ فی امان اللہ۔

شہرین اسلم...... چوک شاہدرہ، بہاولپور ۔السلام علیکم! جی کیا حال ہے؟ امید ہے جہاں ہوں گے خیریت سے ہوں گے اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین۔ نیا سال بہت، بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے، آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین۔ بات ہو جائے ٹائٹل کی بس ٹھیک تھا آئی میک اپ کچھ خاص نہیں لگا۔ دسمبر کے لحاظ سے سوبر اینڈ ڈیسنٹ ٹائٹل ہونا چاہیے تھا جیسے ہی ”سرگوشیاں“ پڑھی افسوسناک خبر دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا۔ شاہینہ جی اب ہم میں نہیں رہی اللہ پاک ان کو جنت میں اعلیٰ درجات دے، آمین۔ کوثر خالد کوثر سودا کی حمد بہت پسند آئی انٹرویوز میں نبیلہ بابر وسیم اور فرحانہ اسلم کے انٹرویوز اچھے تھے۔ آپ سے یہ پوچھنا تھا شہلا جی انٹرویو کے لیے جوابات کے ساتھ سوالات لازمی لکھنے ہیں یا پھر صرف جوابات دے سکتے ہیں۔ ”ربنا اتنا“ میں ہمیشہ کی طرح معلومات کا خزانہ تھا۔ سلسلے وار ناولز میں ”سانسوں کے سفر میں“ جو سوچا تھا وہی ہوا مگر ام ایمان جی موحد اور شجر کو جدا کرنا لازمی تھا۔ کیا شجر کے حوصلے پر ہمارا حوصلہ بڑھا ورنہ مت پوچھیں کیا کیفیت تھی عبدالحنان جی کچھ زیادہ ہی حساس نہیں ہو رہے۔ تھوڑی ہمت دیں عبدالحنان کو، یشعرہ کو مزید کسی امتحان میں مت ڈالیے گا۔ ”اکائی“ بس سو سو تھا۔ وقار الحق کی محبت ہماری سمجھ سے باہر ہے پلیز جلدی سے اختتام کر دیں عشنا جی۔ مکمل ناولز میں ”اسیر محبت“ بیسٹ تھا مگر پلیز زیادہ لمبا مت کیجیے گا جلدی اختتام کر دیجیے گا۔ افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ”آئینہ“ میں میلو بھی شرکت کر رہے ہیں جان کر خوشی ہوئی بھائی اللہ رکھا چودھری اور ظہیر بھائی کے تبصرے شاندار تھے ظہیر بھائی اللہ سے دعا ہے کہ جلد آپ کی شادی ہو جائے۔ میرے بھائی ڈائجسٹ نہیں پڑھتے مذاق بناتے ہیں میرا، مگر آپ بھی تو میرے بھائی ہیں۔ پروین افضل، مدیحہ مہک اور سب فرینڈز کو سلام۔

☆ پیاری شہرین! کوشش تو ہماری سوبر ٹائٹل دینے کا تھا پر آپ کو یہ بھی پسند نہیں آیا دکھ ہوا۔

سعدیہ خان...... بہاولپور ۔تمام قارئین اور اسٹاف کو بہاولپور کی شہزادی نے سلام بھیجا ہے اور یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ لوگ سدا خوش رہیں آمین۔ آپ سب خیریت سے ہیں اور کیا ہو رہا ہے آپ لوگوں کی زندگی میں، اب بات ہو جائے ڈائجسٹ کی اس بار کا ٹائٹل بہت پسند آیا اور بہت افسوس کی بات ہے کہ میں نے اتنی منت کر کے اپنے پاپا سے ڈائجسٹ منگوایا کیونکہ پاپا پانچ تاریخ تک لے کر آتے ہیں اور میں لیٹر نہیں لکھ پاتی پچھلے ماہ بڑی مشکلوں سے ٹائم نکال کر لیٹر لکھا اور پیغام بھی جس دن پوسٹ کرنا تھا اس دن دونوں غائب ہو گئے۔ سسٹر نے کہا اگر پوسٹ کرانا ہے تو جلدی سے لکھ کر دو پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس جلدی سے پوسٹ کرایا لیکن وہ بھی نہیں آیا قیصر آرا آنی کی وفات کا بہت دکھ ہوا۔ وہ ہمیشہ ہمارے دل میں رہیں گی اللہ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ اب بات ہو جائے ”حمد و نعت“ کی تو پڑھ کر بہت سکون ملا پھر ”ربنا اتنا“ پڑھ کر نیت کی کہ آئندہ کے بعد کسی کا دل نہیں دکھانا اگر جنت میں حصہ لینا ہے۔ ”سانسوں کے اس سفر میں“ ام ایمان آپ نے ٹھیک کیا شجر اور موحد کی شادی نہ کرا کر موحد اور اس کی ماں اس قابل نہیں کہ شجر جیسی لڑکی اس کی زندگی میں آتی اگر موحد چاہتا تو موحد کی شادی آیت سے ہوتی آیت کے کزن سے بھی شجر کی شادی نہیں کرانا امید ہے اگلی قسط میں کچھ ہٹ کر پڑھنے کو ملے گا۔ بشریٰ ملک کی ”اسیر محبت“ میں عشنا کو منگنی کے بعد نعمان سے رابطہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس نے جب اپنے ماں باپ کی مان ہی لی تھی تو اس پر

قائم بھی رہتی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس کو سزا ضرور دیں لیکن زیادہ نہیں مجھے لگتا ہے نعمان اسفند کی پھوپو کا بیٹا ہے یا بہت ہی قریبی رشتہ دار ہے مہربانی کر کے اسے طویل نہ کرنا اور جلد ہی اینڈ کر دینا عشفا کی اسفند سے ہی شادی ہوگی۔ کوثر ناز کی ''سامنے کچھ دکھتا کچھ'' اسٹوری اچھی لگی کاش، دنیا کے تمام مرد حمزہ جیسے ہو جائیں ویسے ہوتا نہیں ہے۔ قراۃ العین آپ کی اسٹوری ''محبت ہوگئی ہے'' اچھی تھی میری امی کہتی ہیں کہ سسرال کا دوسرا نام آزمائش ہے یہاں وہی جیت سکتا ہے جو اپنی زبان کو اپنے میکے چھوڑ کر جائے اور کچھ سال صبر کرے۔ عالیہ حرا کی ''وہ جو اک لمحہ یقین ہو'' ہر لڑکی کو عیشل جیسا ہی ہونا چاہیے اپنے شوہر کے ساتھ ایسا ہی مخلص اور باوفا ہونا چاہیے اچھی اسٹوری تھی۔ نازیہ جمال کی ''تیرا آسرا'' اسٹوری چھوٹی ضرور تھی لیکن سبق بڑا دیا ہے۔ واقعی مشکل وقت میں ہمیں دوسروں کا ساتھ ضرور دینا چاہیے۔ عشنا کوثر جی یہ کیا ظلم کیا آپ نے نواب صاحب کو جس عمر میں اللہ اللہ کروانا تھا اس میں عشق کرا دیا مہربانی کریں۔ فاطمہ اور وقار الحق کے درمیان اعتبار کا رشتہ قائم کریں۔ آیت اور جہانگیر کی جوڑی بہت اچھی ہے ان کی شادی کرا دیں اور جلدی سے اینڈ کر دیں سعدیہ عابد کی ''تو میرے وجود کا حصہ'' اچھی اسٹوری تھی مجھے یقین ہے کہ نیکسٹ ٹائم آپ اس سے بہتر اور کچھ نیا لے کر آئیں گی نائمہ غزل کی ''ممتا'' اچھی اسٹوری تھی میں نے پوچھنا یہ تھا کیا ہر ساس اتنی ہی اچھی ہوتی ہے اگر ہاں تو پھر دعا کریں مجھے بھی اتنی اچھی ساس ملے، او کے جی دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ۔

☆ پیاری سعدیہ! ہر انسان کی اپنی سوچ ہوتی ہے اور اپنی سوچ کے مطابق وہ دوسرے انسان کو دیکھتا ہے پرکھتا ہے۔ ساس خلائی مخلوق نہیں ہوتی آپ ان کو سمجھ جاؤ گی تو اچھی نہیں تو بری۔

نورین انجم اعوان...... کراچی۔ السلام علیکم! آنچل ٹیم، فرینڈز، سسٹر آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔ سردی کے بڑھ جانے سے اسکول جانے کا دل بھی نہیں چاہتا۔ آنچل کا شمارہ ملا سرورق دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ شہلا آپی آج آپ کی محفل میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں تا کہ آپ سے اجازت مل جائے بات یہ ہے کہ میں افسانے ناولٹ وغیرہ ریڈ نہیں کرتی صرف آنچل کی چیکنگ کرتی ہوں کہ آنچل کتنا خوب صورت ہوتا جا رہا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کہانیوں پر تبصرے کے بنا کیا میں آپ کی محفل میں شامل ہو سکتی ہوں یا پابندی ہے۔ اسکول ورک میں الجھی رہتی ہوں اس لیے ٹائم نہیں ملتا مگر جو نہیں یاد کرتی اس سب کا شکریہ تو ادا کرنا ہوتا ہے اور ''ہم سے پوچھیے'' کی محفل ضرور پڑھتی ہوں اور ''دانش کدہ'' اور ''در جواب آں'' ''یادگار لمحے'' بس اتنا ہی پڑھتی ہوں۔ آج تو شامل کر لیں آئندہ کیا ہوگا یہ بعد میں سوچوں گی سب کو بہت سارا پیار۔

☆ پیاری نورین! آپ ابھی طالب علم ہیں تو آپ کو اسی انداز سے سمجھاتی ہوں آپ اسکول جاؤ اور ہوم ورک نہ کر کے جائیں تو کیا ہوگا کلاس سے باہر نکال دیں گی یا پھر کوئی اور سزا دیں گی تو یہ پابندی ہر یہاں بھی ہے۔ محفل کی شرائط کے مطابق آنا ہے۔

فائزہ شاہ...... لانڈھی، کراچی۔ سلام و آداب بجالاتے ہیں سس شہلا جانی اس ماہ کا آنچل 23 کو ملا یوں تو میں کئی ماہ غائب رہی یقیناً آپ نے محسوس کیا ہوگا تو اس بار میں تبصرہ کیے بغیر نہیں رہ پائی آپی شہلا میں اپنے الفاظ کا دکھ تو نہیں مٹا سکتی مگر بس اتنا کہوں گی کہ مدیرہ آنی کی سی محبت میں نے آج تک نہیں دیکھی ہم تو پھر صرف خط تک محدود تھے آپ سب کو کس قدر عزیز ہوں گی کیونکہ آپ تو روز ملتی ہوں گی ہاں میری حسرت ہی رہی کہ کبھی مدیرہ آنی کی وہ کھنکتی آواز سن سکوں، اے کاش خیر اب کچھ نہیں ہو سکتا اللہ انہیں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین۔ جی تو سرورق میں مسکان خان اپنے لبوں کو نیم وا کیے ایک ادائے قیامت ڈھا رہی تھی آنی سعیدہ کی ''سرگوشیوں'' سے ہوتے ہوئے کوثر آنی کی خوب صورت حمد پڑھی اور نعت رسول مقبول ﷺ پڑھی پھر مشتاق انکل کی ''ربنا اتنا'' پڑھا۔ انٹرویو میں نبیلہ بابر اور فرحانہ اسلم کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ سلسلے وار ناول میں ''اکائی'' پڑھتے ہوئے مجھے فاطمہ بی بی کا ایٹی ٹیوڈ تھوڑا سا گراں گزرا، جنت بی بی پاکستان میں اف۔ ''سانسوں کے سفر میں'' اس ناول کو ام ایمان آپی بے حد خوب صورتی سے موڑ دیتے ہوئے منزل کی طرف لے جا رہی ہیں نیج میں اللہ زور قلم اور مضبوط کرے آمین۔ افسانوں میں اس ماہ سب ہی اس قدر عمدہ تھے ہائے کسے پہلا نمبر دوں مگر پھر بھی ''تو میرے وجود کا حصہ'' اور ''تیرا آسرا'' بس دل کے تاروں کو چھو گیا۔ ماشاء اللہ بے حد اعلیٰ ناولز ''اسیر محبت'' عشفا تم اس قدر بے وقوف اور ناشکری ہو یار اپنا ہیرے جیسا کزن چکس دوست پر اس یونی والے کو فوقیت کیوں دے رہی ہو، حیرت ہے تمہیں ذرا پروا نہیں یار آنکھیں کھولو اور لو جی یہ کیا اگلے ماہ باقی حصہ اف۔ آئی ئی امی کیسے انتظار کروں گی اب؟ وہ جو ایک لمحہ یقین ہو۔ واہ واہ اس فرحان کے ڈھیٹ پن کو سلام یار مطلب حد ہے نا عالیہ حرا آپی قسمیں اللہ کی کوئی مجھے اتنا پیار دے میری امی ابا کی اتنی خدمت کرے ہائے میں تو ایسی سگھڑ بیوی پا کر بار بار اس کے ہاتھ پاؤں چوموں، ہی ہی ہی (فائزہ قابو یار) اچھا اینڈ تھا ویسے ''بیاض دل'' اف میمونہ ڈیئر سلام ہے کہ یار کیسے اتنے پیارے پیارے مگر بے شمار اشعار میں سے بھی عمدہ اشعار کا انتخاب کر لیتی ہیں۔ اس ماہ دسمبر کے بجھے پرندوں نے میلا لوٹ لیا۔ ''ڈش مقابلہ'' میں اس ماہ کیک کی ریسپیز اچھی تھیں۔ ''نیرنگ خیال'' میں کوثر آنی، حرا، انجم زہرہ، شانزہ، سید عبادت کاظمی بہت خوب سیدہ فائزہ رازق اوہ میری ہم نام لب یو شگفتہ خان،

ثناء قدیر، سعدیہ قریشی الغرض سب ہی روشن ستاروں سے کم نا تھے الحمدللہ۔ "دوست کا پیغام آئے" میں فائزہ بھٹی آپ کے بھائی کا جان کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے، آمین۔ شائستہ یاسین اللہ تمہاری بہن کو اپنی رحمت ونعمت دونوں سے نوازے، آمین۔ زیلش ڈیئر تم کہاں غائب ہو؟ طیبہ خاور میں روٹھ جاؤں گی یار لوٹ آؤ خدارا۔ دلکش مریم، تمنا بلوچ، میں آپ سب کی راہ تک رہی ہوں۔ "یادگار لمحے" لطیفوں نے مجھے مجبور کردیا سو میں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئی (ہی ہی ہی) جبکہ باقی سب کی خوب صورت باتوں نے دل چرالیا ہائے۔ "آئینہ" میں اس ماہ تبصرے میں آنی کا ذکر (ہائے پھر سے زخم تازہ ہوگئے)۔ "ہم سے پوچھیے" سمیرا سواتی فائنلی یوکم بیک ویلکم جان فائزہ۔ آخر میں بس یہی کہنا ہے کہ میں آپ سب سے رابطہ چاہتی ہوں جس کا انسٹا ہے پلیز مجھ سے رابطہ کرے سیدہ فائزہ جی کے نام سے آئی ڈی ہے۔ (Syeda-faiza-gee) اکاؤنٹ پبلک ہے۔

کوثر خالد سودا...... جڑانوالہ۔ پیاری شہلا عامر اور آنچل کے قاریوں۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

جتنے بھی رنگ برس سے تیری یاد کے تھے
اتنے ہی گل مہکے دل شاد کے تھے

ارم کمال ودیگر یاد کرنے والوں ہم تبصرہ لیے حاضر ہیں۔ ابتدائیہ میں "سرگوشیوں" کی صورت اختتامیہ کا ذکر ہوا۔ سال ختم شد نیا سال سب کو مبارک ہو۔ حالانکہ غم تو پھر بھی آئیں گے۔ البتہ ان پر صبر کر کے اللہ کی قربت حاصل کرنا دل میں سکون بھر دیتا ہے۔ رو پیٹ کر بھی آخر کیا ملتا ہے جانے والے تو نہیں آیا کرتے تو کیوں نہ دل کو مضبوط کرلیں۔ بھئی ہم تو ایسے ہی ہیں خوشیوں پر بھی خوش نہیں ہوتے اور غم میں واویلا اور بے صبری نہیں دکھاتے۔ بس اللہ کی رضا میں خوش اور معصوم بچوں میں، بہت خوش، خود بھی بچہ ہی بن جاتے ہیں نماز پڑھوں تو پوتے کاندھے پر جھولے لیتے ہیں "حمد" الحمدللہ ہماری کتاب "ہر تسنیم" سے بھیجی تھی جو شائع ہو کر زمانے بھر کی نگاہوں میں سمائے گی۔ "نعت" نعیم النصر کی بہت نفیس رہی۔ ہم نے طرز بنا کر دوبارہ پڑھی اور ہاں تبسم بشیر نے بھی حمد لکھی بہت خوشی ہوئی۔ ہماری دعا ہے تمام مسلمان یہ سعادت حاصل کرنے میں کوشاں رہیں۔ "در جواب آں" تمام غمگین لوگوں کو دلاسے کے پھول قبول ہوں۔ "ربنا اتنا" مشتاق بھیا خوش بخت ہیں اللہ نے انہیں اپنے ذکر کے لیے چن لیا ہم بھی ان کے لیے دعا گو ہیں۔ انٹرویو نبیلہ اور فرحانہ دونوں سے مل کر اچھا لگا کچھ فرق سے سب کے جواب ملتے جلتے ہی ہوتے ہیں۔ "سانسوں کے اس سفر میں" بہت امتحان باقی ہیں۔ "اکائی بہتری" کی طرف آئی ارے فاطمہ ابھی 20 سال کی ہے بس؟ "اسیر محبت" کا حال برا ہی ہوتا ہے۔ "وہ جو اک لمحہ یقین ہو" اسے تمام لینا چاہیے۔ سامنے کچھ دکھتا کچھ جنون عشق میں محبت ہوگئی ہے کہیں اب جانے نہ دوں گی۔ تیرا آسرا بس کافی ہے یا اللہ۔ تو میرے وجود کا حصہ بن ہی گیا پھر متاثر ہی کی آخر "بیاض دل" بہت سے شعر دل میں اتر گئے۔ چند نام لکھتی ہوں۔ سیاس گل تبسم نازی شہزادی کھرل، کرن، ملالہ، عابدہ۔ "نیرنگ خیال" منظوم شاعری اچھی لگتی ہے پھر بھی حرا، تبسم ثناء قدیر کی شاعری اچھی رہی۔ "دوست کا پیغام" شائستہ یاسین آپ کی بہن کو ہزاروں بار دلی دعا قبول ہو۔ فائزہ بھٹی سمیت سب کی خیالی صورت بنا کر مل لیتے ہیں ہم۔ عائشہ شکیل اور اپنے تمام دیوانوں کو کامیابی کی دعائیں حاضر ہیں۔ صائمہ مشتاق اور غائب لوگ حاضری دیں جویریہ وہی اب کہاں ملو گی شادی کے بعد مگر دعا ہے کہ ملو۔ رقیہ ناز تمہیں نئی گڑیا نئی خوشی مبارک ہو۔ مجمہ نذیر، ارے محسن کے بارے میں کچھ لکھوں تاں ہمارا نواسہ عمار تو سال کا ہوگیا مگر ہم اسے مل نہیں سکتے یا سر کورونا کا وہم ہے۔ "یادگار لمحے" پتا چلا بیٹے سے یہ موبائل میں بھی ہوتے ہیں۔ خیر ہمیں تو ارم آصف کی ماچس اچھی لگی۔ سنہری اقوال تو سو بار بھی پڑھیں تو پرانے نہیں لگتے۔ "آئینہ" اس بار طویل خط لایا۔ رضوانہ وقاص تو شعاع میں بھی دیکھا وہ تو بیمار تھی۔ شکر ہے تم تو ٹھیک ہو مگر خبر بری سنائی ہے اللہ رحم کرے سب پر بھئی ماریہ پارس بتائے کہ اسے اپنی نظم کیسی لگی حجاب میں شازیہ ہاشم کی لکھی نعت بھی میں نے درست کی ہے وہ بھی اسے دکھاؤں گی اصل میں جب تک بحر درست نہ ہوں طرز سے پڑھ نہیں سکتے اور مجھ جیسے کم پڑھے بحر کی مدد سے ہی شاعری کا وزن دیکھتی ہیں۔ ہائے جی یہ اللہ رکھا کو بددعا کس لیے کس بہن نے دی ہو گی اللہ رکھا ہمارے ابا کا نام ہے۔ ان کا پس منظر تو یہ تھا کہ دادی کے بچے بچتے نہیں تھے یہ بچ گئے تو سب نے کہا اسے اللہ نے رکھا ہے۔ لو جی یہی نام رکھ دیا۔ آپ کی کہانی لمبی کیوں بھئی رکھا بھائی بلکہ رکھا بیٹے۔ اللہ تمہیں رکھی عنایت کرے۔ ظہیر کو بھی ظہری مل اور شمائل کو بھی شمالہ ملے کیونکہ ہم پوچھتے نہیں دعا دیتے ہیں۔

☆ پیاری کوثر! آپ کی آمد سے تو بہار ہے محفل میں۔ آپ کی دعا پر شائلہ جھوم ہی گئی اور فوراً آمین بھی کہہ دیا۔

صائمہ علی شیر...... خانگڑھ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ کیسے مزاج ہیں آنچل والیوں کے؟ امید ہے کہ تمام پڑھنے اور لکھنے والی بہنیں آپیاں اور آنٹیاں سلامت ہوں گی اور جو خیریت سے نہیں ہیں اللہ پاک ان کو صحت وتندرستی والی درازعمر عطا فرمائے، آمین۔ میں پہلی مرتبہ آنچل کے "آئینہ" میں اپنا چھوٹا سا تبصرہ لے کر حاضر ہوئی ہوں امید کرتی ہوں کہ مجھے ضرور جگہ دی جائے گی۔ (چھوٹی سی اور

تپلی سی تو ہوں زیادہ جگہ نہیں لوں گی) او کے جی اب تبصرہ کی جانب بڑھتے ہیں سب سے پہلے ماڈل کو دیکھا جس کا میک اپ بہت پسند آیا مسکان خان نام کے بالکل برعکس لگیں آپ کے ہونٹوں پر مسکان تو تھی ہی نہیں (نام کی ہی لاج رکھ لیتیں تھوڑا سا مسکرا لیتیں) خیر پھر بھی آپ ہمیں اچھی لگی ہیں۔ خاص طور پر آپ کا میک اپ، اس کے بعد کان لگا کر "سرگوشیاں" سنیں امید ہے کہ آنٹی سعیدہ ہمیں مرحومہ آنٹی قیصر آرا کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گی ان شاء اللہ۔ آنٹی کوثر خالد آپ کی حمد بہت اچھی لگی اللہ ہمیں بھی "حمد و نعت" لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ "در جواب آں" میں جن جن بہنوں کو اپنے پیاروں کی جدائی اور بیماریوں پر تسلی و دلاسا اور دعائیں دی گئی ہیں ان کے لیے ہماری طرف سے بھی دعائیں اللہ پاک تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور بیماروں کو شفا دے اور اس کرونا وائرس کو جلد از جلد تمام دنیا سے جڑ سے ختم کردے آمین۔ پھر ڈھیرے ڈھیرے انکل مشتاق احمد کی تحریر "ربنا اتنا" کو اپنے اندر اتارا واقعی انکل آپ کی تحریر پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وقتی طور پر ہی صحیح ہم نیک اعمال کرنے لگتے ہیں اللہ آپ کو اس کا دگنا اجر دے آمین۔ "ہمارا آنچل" میں نبیلہ بابر اور فرحانہ اسلم کے خیالات جان کر اچھا لگا لیکن میری ایک ریکوئسٹ ہے کہ ہمارا آنچل سلسلے کو پہلے جیسا کردیا جائے مطلب سوالات نہ پوچھے جائیں اور تعارف لکھنے والی اپنی مرضی سے تعارف لکھے (لیکن خیر یہ صرف ریکوئسٹ ہے باقی آپ کی مرضی) اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف "اسیر محبت" بشریٰ ماہا اچھا ناول ہے آپ کا اریج کا کردار پسند آیا ناول کے اینڈ میں باقی آئندہ ماہ لکھا ہوا منہ چڑا رہا تھا۔ "سانسوں کے اس سفر میں" ایمان آپی یہ کیا کردیا آپ نے؟ ہمارے خدشے کو حقیقت میں بدل دیا اب بچاری شجر کا کیا ہوگا۔ اوہ تو دل چاہ رہا ہے اس آیت کا گلا دبا دوں بدتمیز کا موحد کو تو اس نے پالیا لیکن افسوس موحد کا دل تو شجر کے پاس ہی ہے آیت میڈیم وہ چھین کر دکھاؤ تو مانیں اور دوسری طرف عبدالحنان پر بھی بے پناہ غصہ آرہا ہے (موٹی عقل کا) اپنے ہر عمل سے یشعرہ کو ہی دکھ پہنچانا ہوتا ہے آپ نے اس بے چاری کا کیا قصور بھلا؟ انٹرسٹنگ ہے یہ ناول اور ام ایمان آپی ہم آپ کے ساتھ ہیں سانسوں کے اس سفر میں آپ کے ہم سفر بن کر۔ "وہ جو اک لمحہ یقین ہے" آپی عالیہ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ صابرہ و شاکرہ عیشل بہت اچھی لگی ایسے کردار میرے فیورٹ ہوتے ہیں۔ آخر اسے صبر پر میٹھا پھل مل ہی گیا۔ "اکائی" میں اب جاکر کچھ تیزی آئی ہے ورنہ بہت سلو چل رہا تھا یہ ناول اور آئی تھنک اب یہ اختتام کے مراحل پر ہے اس میں جہانگیر کا کردار میرا فیورٹ ہے۔ "تو میرے وجود کا حصہ ہے" سعدیہ عابد فرسٹ ٹائم آپ کو پڑھا ہے اور پہلی مرتبہ میں ہی آپ نے دل جیت لیا ویری نائس بہت اچھا لکھا آپ نے "یادگار لمحے" میں حرا افتخار آپ نے بھی خوب اچھا لکھا آپی ایگری ٹو یو آپ کی سوچ کافی اچھی ہے اور جاذبہ عباسی نئے سال کے لحاظ سے آپ کی نظم بھی بہت پسند آئی اور میں نے اسے موبائل میں لکھ کر سیو بھی کرلیا ہے او کے ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے اللہ حافظ۔

☆ پیاری صائمہ! پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔ تبصرہ خوب لکھا اور محسوس ہی نہیں ہوا کہ پہلی بار لکھا ہے۔

ادم آصف...... خانگڑھ۔ السلام علیکم! شہلا جانی کیسی ہو؟ آنچل مجھے 25 تاریخ کو ملا ٹائٹل پر موجود مسکان خان کچھ خاص اچھی نہیں لگی۔ بس اس کے بال بہت اچھے لگے "سرگوشیاں" آنی سعیدہ نثار سب کے کانوں میں سرگوشیاں محبت بھرے انداز میں کررہی تھیں۔ رائٹر شاہینہ چندہ مہتاب جی اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی بخشش فرمائے۔ "حمد و نعت" ہمیشہ کی طرح بہت پسند آئی۔ "ربنا اتنا" مشتاق انکل تو ہمیشہ سے ہی بہت اچھا لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کو مزید ترقی دے آمین۔ "ہمارا آنچل" بھی شاندار رہا۔ شہلا عامر آپی پلیز اب میری باری بھی لگادیں۔ "اسیر محبت" از بشریٰ ماہر واہ بشریٰ آپی واہ کیا مزیدار اسٹوری لکھی ہے ویلڈن بشریٰ آپی اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے نعمان عشفا کی پھوپو کا بیٹا ہے لیکن مجھے یہ سمجھ میں نہیں آئی کہ نعمان بدلہ کس چیز کا لینا چاہتا ہے خیر اگلی قسط میں پتا چل جائے گا کہ کس کا کیا ہوگا۔ مجھے اریج کا کردار بہت اچھا لگا۔ "سانسوں کے اس سفر میں" آیت چڑیلنی کا اینڈ بہت برا ہونا چاہیے قسم سے دل چاہ رہا ہے کہ آیت چڑیلنی کو ماردوں یا اس کا گھناؤنا چہرہ سب کے سامنے لے آؤں اور شجر اور موحد کی شادی کرادوں ہاہاہاہاہا۔ ویسے جو کچھ کریں گی ایمان آپی کریں گی اور یہ صفیہ تائی تو عمرانہ بیگم کا کردار بخوبی نبھا رہی ہیں ہے ناں شہلا آپی "وہ جو اک لمحہ ہو" از عالیہ حرا بس ٹھیک تھی تو "میرے وجود کا حصہ" سعدیہ عابد نے بھی اچھا لکھا۔ "ممتا" واہ عمار واہ تم نے اکیلے ہوکر ساس نندوں کی کمی پوری کردی فنی سی تھی پر سمجھنے والوں کے لیے بہت بڑا سبق تھا اس کے علاوہ وہ تینوں افسانے مجھے اچھے نہیں لگے۔ "در جواب آں" جو جو بہنیں بیمار ہیں اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ سب کو صحت کاملہ عطا فرمائے، سعیدہ آنی جی دعاؤں کے لیے آپ کا بہت شکریہ، قیصر آنی ہم سب کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی آنی کے لیے۔

آنکھ ہی نہ روئی ہے
دل بھی تیری یاد میں رویا ہے

"بیاض دل" میں سب دوستوں کے انتخاب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ "ڈش مقابلہ" میں مکس ڈشیں دیکھ کر منہ میں پانی آگیا جس

ہے میں نے اپنی پیاس بجھائی ہاہاہاہاہا۔ ”نیرنگ خیال“ میں سب دوستوں نے اچھا لکھا۔ ”دوست کا پیغام آئے“ ارم کمال آنٹی آپ نے دعائیں دیں شکریہ بہت ساری دعائیں آپ اور آپ کی فیملی کے لیے۔ ”یادگار لمحے“ سب کا انتخاب پسند آیا۔ ”آئینہ“ شہلا آپی آپ کی محفل مختصر کیوں ہوتی جارہی ہے آپی میرا تبصرہ شامل کرنے کا شکریہ۔ جہاں رہوں ہمیشہ خوش رہو، آمین۔ ویسے تبصرے سب کے شاندار تھے۔ شاباش دوستو نور چوہدری اچھی بچی کی طرح آنچل میں حاضری لگاؤ، اللہ رکھا بھائی کا تبصرہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ظہیر ملک بھائی کو بھی آنچل نگری میں خوش آمدید۔ ”ہم سے پوچھیے“ لو جی پوچھ رہے ہیں کہ ہم آپ کی محفل میں آئیں یا نا آئیں شمائلہ آپی، ”آپ کی صحت“، ڈاکٹر شائستہ سرفراز آپ سے کال پر بات ہوسکتی ہے۔ لو جی آنچل تو ہوگیا سارا ختم شہلا آپی کوئی بات بری لگی ہو تو معاف کر دینا اللہ حافظ۔

☆ پیاری ارم دوستوں کی بات بھی بھلا بری لگتی کیا؟ اب اس بات پر برا مت مان جانا کہ میں نے فوراً سے دوست بنالیا۔ شمائلہ کا کہنا ہے محفل میں ضرور آؤ پوچھ کر شرمندہ کیوں کررہی ہو۔ ڈاکٹر صاحبہ سے ان کے نمبر بات ہوسکتی ہے۔

سونیا اداس...... ضلع لودھراں کی شہزادی کی جانب سے آنچل والوں کو السلام علیکم سرورق پر مسکان خان پسند آئی۔ مسکان خان آپ بہت پیاری لگ دے رہی ہو سب سے زیادہ آپ کے بال اور واچ نے متاثر کیا اور آپ کے چہرے کی اداسی نے سونیا کو اپنی اداسی یاد دلادی۔ 27 جمعہ کا دن مبارک ثابت ہوا کیونکہ آنچل سے ملاقات جو ہوگئی۔ سب سے پہلے بات کرتے ہیں افسانوں کی۔ سامنے کچھ دکھتا کچھ بورنگ۔ ”محبت ہوگئی ہے“ آلسو بورنگ۔ ”تیرا آسرا“ بس سوسو۔ ”تو میرے وجود“ کا حصہ انٹرسٹنگ اسٹوری۔ سعدیہ عابد آپ نے بہت اچھا لکھا۔ آپ کا افسانہ سب افسانوں پر بازی لے گیا۔ ”ممتا“ ٹھیک ہی لگا۔ مکمل ناول میں ”اسیر محبت“ بشریٰ ماہا ویلڈن آپ نے بہت اچھا لکھا۔ عشفا ارسلان اور نعمان صدیقی کی محبت کی اسٹوری بہت اچھی لگی۔ اتنے مزے لے لے کر پڑھ رہی تھی مگر جب آپ نے آدھا حصہ اگلے ماہ پر ڈالا تو بہت غصہ آیا سارا مزہ کرکرا ہوگیا۔ ”وہ جو اک لمحہ یقین ہو“ عالیہ حرا سوری یار وہی پرانی اسٹوری ایسا ہم پہلے بہت بار پڑھ چکے ہیں۔ لڑکی جتنی صابرہ ہوتی ہے لڑکا اتنا ہی اکھڑ مزاج پھر اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے اور وہ سدھر جاتا ہے حد ہے یار کچھ تو چینج کریں۔ سلسلہ وار ناول ”سانسوں کے اس سفر میں“ بہت ہی اچھا ناول ہے اس کا ہر ماہ شدت سے انتظار رہتا ہے ام ایمان آپ نے شجر کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہم آپ کو معاف نہیں کریں گے۔ ”اکائی“ عشنا کوثر پلیز مائنڈ مت کرنا مگر پلیز اب بس کردیں اب اسے اور نہ کھینچیں بہت برا لگا ہے یار بار بار وہی باتیں فاصلے آگئے ہیں ان کے درمیان خاموشی ہے یار ہم اکتا گئے ہیں زندگی پہلے ہی بہت تلخ ہے ہم انٹرٹینمنٹ کے لیے آنچل کا سہارا لیتے ہیں اور ”اکائی“ کی تلخیاں اور بھی تلخ کردیتی ہیں اب اسے اینڈ کرکے کوئی اور اچھا سا ناول شروع کردیں۔ اب آتے ہیں مستقل سلسلوں کی طرف۔ ”بیاض دل“ میں میں نے بھی شاعری ارسال کی تھی جس کی کوئی خبر ہی نہیں کہاں غائب کردی گئی سلیم، اقصیٰ شہزادی، ثوبیہ کوثر، شزا بلوچ، ہبین رانا، ارم شہزادی، ریحا ملک کے اشعار پسند آئے گل مینا اینڈ حسینا آپ کے لیے میری طرف سے ایک شعر

میرے پاس سے وہ گزرے اور چائے تک نہ پوچھی
میں کیسے مان جاؤں وہ دور جا کے روئے

بھئی ہم تو چائے کے عادی ہیں بس ہمیں چائے ضرور پوچھ لینا۔ ”ڈش مقابلہ“ بس ہم پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ سسرال جاکے ترائی کریں گے مما سے کہا کہ مجھے کھانے پکانے کی ایک کتاب لادیں مما نے بڑے میٹھے انداز میں کہا۔ ہاں ہاں سب کچھ دوں گی مگر جو تیری گز بھر کی لمبی زبان ہے یہ نہیں دوں گی کاٹ کر اپنے پاس ہی رکھ لوں گی۔ ”نیرنگ خیال“ میں شانزہ پرویز یا آپ تو میری فیورٹ رہی ہو اور آپ کی نظم اعتبار اچھی لگی۔ ثمرہ گلزار، تمنا، سید عبادت کاظمی دسمبر، نینا خان، شب خلوت، مریم منور، بس کروائے دسمبر، خدیجہ احسان، دسمبر کی بھیگی شام، پسند آئے۔ یار دسمبر تو مجھے بہت پسند ہے۔ دسمبر کی اداسی بہت اچھی لگی ہے۔ ”دوست کا پیغام آئے“ سب کے پیغام پڑھے مگر کسی نے یاد نہیں کیا اور ہمیں دکھ بھی نہیں ہوا کیونکہ کوئی دوست ہے ہی نہیں تو گلہ کس سے کریں۔ عائشہ شکیل آپ نے اداس کو یاد کیا شکریہ۔ ”یادگار لمحے“ میں سب نے اچھا لکھا۔ ”آئینہ“ میں شہلا جی میں آپ سے ناراض ہوں زندگی میں پہلی بار طویل خط لکھا بہت محنت اور فرصت سے مگر جب دیکھا آپ نے میرا خط شائع نہیں کیا تو بہت غصہ آیا میں باقاعدہ رونے لگ گئی۔ ایک تو جس دن آنچل ملا اسی دن موڈ خراب تھا اوپر سے جب اپنا خط نہ پاکر غصہ اُفف، یار پورا ماہ کس بے صبری سے انتظار میں گزرتا ہے زیادہ بے تابی تو اپنے خط کی اشاعت کی ہوتی ہے۔ تبصرے سب کے اچھے تھے سوری تبصرے والو میں کسی ایک کی تعریف نہیں کرسکتی کیونکہ پارہ بہت چڑھا ہوا ہے۔ شمائلہ کاشف یار آپ کی محفل اب بور ہوتی جارہی ہے اب کچھ چینج کریں۔ ”ہمارا آنچل“ میں نبیلہ ارباب اور فرحانہ اسلم کی گفتگو بھی معمول کے مطابق ہی تھی وہی سوال وہی جواب پڑھ کر اب بوریت ہوتی ہے میں سوچ رہی ہوں میں نئے سوالات کے ساتھ اپنا انٹرویو بھیج دوں پھر قارئین ہر ماہ انہی سوالات کے ساتھ اپنا اپنا انٹرویو بھیج دیں گے۔ شہلا جی دو دسمبر کو خط لکھ رہی ہوں آج میری سالگرہ کا دن ہے اب آپ نے جو میرا پچھلے ماہ کا تبصرہ کھا کر ہضم کیا ہے میں

وہ ہضم ہونے نہیں دوں گی اور یقیناً اب آپ یہ کہہ کر میرا منہ بند نہیں کر سکتی کہ ڈاک تاخیر سے ملی وغیرہ وغیرہ کیونکہ میں کیم یا دو تک مکمل تبصرہ ارسال کر دیتی ہوں آپ نے مجھے جان بوجھ کر شامل اشاعت نہیں کیا اور میں آپ سے بہت سارا ناراض ہوں۔

ویسے تم اچھی لڑکی ہو
پر میری کیا لگتی ہو
میں اپنے دل کی کہتی ہوں
تم اپنے دل کی سنتی ہو

☆ پیاری سوہنی! اتنا غصہ اُف، مجھے تو پسینہ آ گیا اور اس ڈر سے کچھ کہہ نہیں سکتی، خوش رہو۔

رمشا آصف...... خانگڑھ۔ السلام علیکم! شہلا جانو کیسی ہو؟ امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ اس بار آنچل 25 تاریخ کو ملا۔ اسکول سے واپسی پر میں خود ہی لیتی آئی پہلی بار آنچل لینے کے لیے گئی تو جو خوشی ہوئی وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ ٹائٹل گرل مسکان خان پیاری لگ رہی تھی۔ لیکن ایک چیز کی پھر بھی کمی تھی وہ آپ ہمیں بتائیں ہم ماڈل کا جائزہ تنقیدی نگاہ سے لیتے ہیں اس لیے ایک کمی مجھے نظر آئی۔ سب سے پہلے پڑھی "سرگوشیاں" سعیدہ آنی مشکل الفاظ کا چناؤ کرتی ہیں۔ لکھاری شاہینہ چندہ مہتاب کا دکھ ہوا۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ "حمد و نعت" نعیم انصر ہاشمی اور کوثر خالد سودا نے بہت اچھی لکھی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بیسٹ تھی۔ اس کے بعد "ربنا اتنا" سے دل کو منور کیا۔ اس کے بعد سید ھا دوڑ لگائی "دوست کا پیغام آئے" کی طرف، سب کے محبت بھرے پیغامات پڑھے پھر پہنچے "آئینہ" کی محفل میں جہاں پر تھوڑے سے ستارے جھملا رہے تھے۔ ایمن غفور، شانزہ پرویز شانو، ارم کمال، رضوانہ وقاص، ظہیر ملک اور اللہ رکھا چودھری کا تبصرہ بیسٹ تھا۔ "نیرنگ خیال" سے اس دفعہ تبسم بشیر حسین، شانزہ شانو، انعم زہرہ، ثمرہ گلزار نے بہت، بہت اچھا لکھا۔ نعیم انصر بھائی کی کمی ہنوز برقرار ہے۔ "نیرنگ خیال" میں اس بار "بیاض دل" سے ماہا بشیر، مدیحہ نورین، ماریہ نذیر، انعم زہرہ، عائشہ سلیم، زینت اعوان، نوشین ناز، ثوبیہ کوثر، ارم شہزادی، رمشا آصف اور ریحانہ ملک کا انتخاب بہت اچھا لگا۔ "ڈش مقابلہ" سے ماہین جاوید اور نورین انجم نے اچھا لکھا اس کے بعد بڑھے انٹرویو کی جانب دونوں انٹرویو میں سے ایک بھی اچھا نہیں لگا۔ سو بورنگ پھر پہنچے "سانسوں کے اس سفر میں" آپی آپ نے اچھا نہیں کیا آیت اور سوحد کی شادی کرا کے اب آیت کی مکاریاں سب کو کیسے معلوم ہوں گی۔ آیت بی بی کچھ زیادہ ہی ہواؤں میں اونچی اڑ رہی ہیں۔ جب زمین پر ایک دم سے گریں گی تب اس کو معلوم ہوگا کہ منہ کے بل گرنا کس کو کہتے ہیں۔ "اکائی" بورنگ سی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ کہانی پڑھنے کو دل بھی نہیں کرتا اس لیے پڑھی بھی نہیں چھوڑ دی۔ "اسیر محبت" بشریٰ ماہا کی کہانی زبردست رہی۔ نعمان صدیقی کہیں عشفا کی پھوپو کا بیٹا تو نہیں شاید ایسا ہی ہے اس لیے تو عشفا کی پھوپو کے متعلق کرید کرید کر پوچھتا ہے۔ "وہ جو اک لمحہ یقین ہو" یہ کہانی بہت اچھی لگی۔ عجیب ہی بد دماغ تھا فرحان۔ "محبت ہوگئی ہے" رٹے رٹائے موضوع پر مشتمل یہ کہانی بالکل بورنگ لگی۔ "سامنے کچھ دکھتا کچھ" کوثر ناز کی کہانی بھی بورنگ رہی بالکل۔ "ممتا" از نائمہ غزل اچھی لگی یہ کہانی تو میرے وجود کا حصہ۔ جب منہام لغاری ہی ہیرو تھا تو اس کی منگنی ثاقبہ کی بہن، شعرہ سے کیوں ہوئی بعد میں منگنی توڑ دی یہ بھی بھلا کوئی تک ہوئی۔ اچھی نہیں لگی یہ کہانی۔ "تیرا آسرا بس" سو بورنگ۔ "یادگار لمحے" سے تسلیم شہزادی، مشی خان، عنایہ شہزادی، جازبہ عباسی، شانزہ شانو نے اچھا لکھا۔ "ہم سے پوچھیے" میں نجم انجم اور سمیرا مشتاق کے سوالات دلچسپ تھے۔ شہلا آپی آپ ننھے سے دماغ پر زور مت ڈالیں میں خود ہی بتا دیتی ہوں کہ کیا کمی تھی ماڈل کے کانوں میں ایئر رنگز کی کمی تھی۔ اوکے اللہ حافظ۔

☆ پیاری رمشا! ماڈل کو غور سے دیکھنا اس کی زلفوں کے نیچے ایک ایئر رنگ جھانک رہا ہے جبکہ دوسرا گر گیا تھا اس نے یہی بتانے کے لیے منہ کھولا تھا۔

اللہ رکھا چوہدری...... ہلورن آباد۔ السلام علیکم! اس بار آنچل بہت دیر سے ملا بار بار دکان کے چکر لگا لگا کر تھک گیا لیکن نہ جی پیارے آنچل کا کوئی نام ونشان نہیں لیکن میں نے حوصلہ رکھا اور پھر وقت نکال کر مارکیٹ سے جا کر لایا تین گھنٹے لگے جانے اور آنے میں۔ ویسے ایک مزے کی بات بتاؤں سچ میں پڑھ کر آپ سب کو بہت ہنسی آئے گی میں شمارے لینے چلا تو گیا جو شمارے چاہیے تھے وہ ہاتھ میں لیے بل سامنے آیا تو جب پیسے نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا کیوں کہ میرے پاس پیسے نہیں تھے لیکن پھر میرے پیارے بھائی نے میری مدد کی اور اپنے اکاؤنٹ سے پیسے نکلوا کر دیئے تو پھر بل ادا کیا اور سارے راستے آنچل کی ورق گردانی کرتا رہا۔ اس ماہ سرورق پر مسکان خان کی تصویر سے سجا آنچل بہت اچھا لگا لیکن ایک افسوس کی بات کے میک اپ کرنے والی محترمہ نے ایئر رنگ چوری کر لیے جس کی وجہ سے کان خالی تھے۔ فہرست دیکھ کر "سرگوشیاں" کان لگا کر سنی

سعیدہ نثار آپی خوب لکھا ہے۔ ''قیصر آنٹی'' اس دنیا سے گئی ہیں لیکن ہمارے دلوں میں سدا آباد رہیں گی۔ اللہ پاک مغفرت فرمائے، آمین۔ کرونا نے تو ساری دنیا پر اپنا خوف پیدا کیا ہے جو ابھی تک موجود ہے۔ اب ایک بار پھر اسکول بند ہوگئے ہیں۔ اس سال تو کوئی بچہ بھی اچھی طرح نہیں پڑھ سکا نہ امتحان دے سکا لیکن اب امید ہے کہ 2021 ان شاء اللہ ہمارے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آئے گا۔ ''شاہینہ چندہ مہتاب'' اب اس دنیا میں نہ رہی پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ پاک مغفرت فرمائے، آمین۔ ''حمد و نعت'' سے دل کو منور کیا۔ ''در جواب آں'' پہلا جواب پڑھ کر ایسا لگا جیسے اگلے ماہ ہی اقراء صغیر احمد سس کی تحریر پڑھنے کو ملے گی۔ اللہ پاک صحت دے، آمین۔ نازیہ کنول نازی آپی پر ایک ماہ میں دو پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ''ماں باپ'' کا یوں آپ کو اچانک ایک ساتھ چھوڑ جانا اللہ پاک یہ دکھ کسی کو نہ دکھائے اور نازیہ آپی کو صبر و جمیل عطا فرمائے، آمین۔ ''ربنا آتنا'' مشتاق احمد قریشی صاحب دل چاہتا ہے آپ کے ہاتھ چوم لوں میں ہر ماہ دو تین بار پڑھتا ہوں۔ ''ہمارا آنچل'' میں اس ماہ نبیلہ ابر وہیم سس کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ میری دعا ہے سدا خوش و آباد رہیں، اللہ پاک نصیب اچھے کرے۔ بشریٰ ماہا سس جب بھی جہاں بھی لکھتی ہیں کمال کر دیتی ہیں اس ماہ ''اسیر محبت'' پڑھی بہت اچھی لگی شروع کی لائن زبردست تھی باقی کہانی روانی سے چلتی گئی اور میں پڑھتا رہا لیکن یہ کیا؟ (ان شاء اللہ باقی حصہ آئندہ ماہ) پڑھ کر ایسا لگا جیسے کمرے کی ہر چیز مجھ پر ہنس رہی ہو کہ نہیں بچہ اب اختتام پڑھ کے سو لیکن کوئی بات نہیں اگلی قسط کا شدت سے منتظر۔ باقی کہانی کے ساتھ شاعری بھی خوب تھی۔ ''سامنے کچھ دکھتا کچھ'' سب سے پہلے تو کوثر ناز سس کو بہت سی داد اتنا عمدہ عنوان جس میں ساری کہانی کا خلاصہ موجود تھا۔ مجھے حمزہ کا کردار بہت پسند آیا۔ ''سانسوں کے اس سفر میں'' ام ایمان قاضی بہت خوب لکھتی ہیں ناول عمدگی سے اپنا سفر طے کر رہا ہے۔ ''محبت ہوگئی ہے'' مبارک ہو بربادی کا سفر شروع ہوگیا ہے۔ ''قرۃ العین سکندر'' سس ماشاء اللہ خوب لکھ رہی ہیں شروع کی پہلی لائن جاندار لکھی جسے میں نے اپنی ڈائری پر لکھ لیا ہے۔ شرجیل جیسے لوگوں پر ہنسی آتی ہے مجھے سچ میں اب یہ نہ پوچھیں کیوں؟ کیوں کہ میں نے شرجیل جیسے کئی دیکھے ہیں جو لڑکی کو تنگ کرتے اور پھر اکیلے بیٹھ کر خوب ہنستے ہیں لیکن نائمہ پر بہت پیار آیا۔ عالیہ حرا سس نے آنچل سے ہی لکھنا شروع کیا اور پھر اب ماشاء اللہ خوب سے خوب لکھ رہی ہیں ''وہ جو اک لمحہ یقین ہو'' شروع میں مہندی کے رنگ والی بات پڑھ کر خوب ہنسی آئی یہ بات ہی ہے صرف بس اور کچھ نہیں کیوں کہ میں اس پر پوری سرچ کر چکا ہوں اس لیے تو اپنی ہر کزن کی شادی پر اس کی مہندی کا رنگ ضرور دیکھتا ہوں اور پھر رزلٹ صفر آتا ہے۔ اب ساری بات نہیں بتاؤں گا کہ باقی ساری بات کیا ہے۔ اس لیے پوچھ کر شرمندہ مت کریں۔ ہمیشہ کی طرح ہیپی اینڈ ہوا۔ ''تیرا آسرا بس'' نازیہ جمال سس کیا لکھ دیا ہے سچ میں اتنی زبردست تحریر پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ دوبارہ پڑھی لاجواب تحریر لکھتی رہیں۔ ''اکائی'' ایک ایسا ناول ہے جس کی ہر قسط ایک سے ایک زبردست آرہی ہے ہر قسط کے بعد ایسا لگتا ہے کہ اب فاطمہ کو منزل مل جائے گی اور وقار کی زندگی میں بھی سکون آئے گا لیکن نہیں اس سے اگلی قسط میں پھر کوئی نہ کوئی امتحان دونوں کا منتظر کھڑا ہوتا ہے ویسے اب فاطمہ کو بھی چاہیے کہ وقار کی طرف قدم بڑھائے اس سے پہلے کہ وہ تھک جائے کیوں کہ وہ مرد ہی ثابت قدم رہتا ہے جسے کوئی حوصلہ دینے والا ہو اگر اس کا محبوب ہو تو پھر چاہے ساری زندگی امتحان کیوں نہ بن جائے لیکن کبھی تھکے گا نہیں۔ اس قسط میں پانچ نظمیں بھی تھیں جو ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ اس قسط کے اختتام میں لگا کہ اگلی قسط میں فاطمہ کا دل بھر آئے گا اور وہ وقار کو گلے لگا لیں گی لیکن یہ میری سوچ ہے باقی دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ ''تو میرے وجود کا حصہ'' سعدیہ عابد سس کے افسانے کی شروع کی لائن سبق آموز تھی سچ میں آج کل عشق و عاشقی کو مذاق ہی سمجھ لیا ہے ہر عاشق کی کہانی جسم پر آ کے ختم ہو جاتی ہے اگر کوئی سچا ہے تو اس کے دوست اسے سچا نہیں رہنے دیتے مجھے ایسے دوست زہر لگتے ہیں جو غلط مشورے دیتے ہیں۔ ''ممتا'' نائمہ غزل سس آپ نے یہ افسانہ لکھ کر بہت عظیم کام کیا ہے کیا خوب لکھا ہے ایک ماں کی محبت کو کتنے خوب صورت لفظوں میں بیان کیا پڑھ کر دل خوش ہوگیا لکھتی رہیں۔ ''بیاض دل'' میں سباس گل، ماہا بشیر حسین، نازیہ نازی، مدیحہ نورین مہک، انعم زہرہ، شانزہ پرویز شانو، پروین افضل شاہین، عائشہ سلیم، شہزادی فرخندہ، رمشا آصف، نورین انجم اعوان، وقاص عمر، ارم کمال، ہالہ سلیم اور ارم شہزادی سس کے شعر زبردست تھے۔ ''ڈش مقابلہ'' میں کبھی مقابلہ کروائیں پھر میں بھی حصہ لوں گا بہت اچھا کھانا بنا لیتا ہوں اس لیے تو روز میری سب کزنز میں جھگڑا ہوتا رہا ہے۔ ''میرا ہے، تیرا نہیں صرف میرا ہے'' چودھری کو کوئی پروا نہیں تماشا دیکھ کر بہت انجوائے کرتا ہوں۔ (ہاہاہاہاہا) ''نیرنگ خیال'' میں کوثر خالد سودا سس کی نعت پڑھ کر دل سے دعا نکلی کہ سدا ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شان میں لکھتی رہیں آمین۔ ''اعتبار'' پڑھ کر حیرانی ہوئی شانزہ پرویز شانو آپی شاعری بھی کرتی ہیں زبردست آپی بہت خوب سدا لکھتی رہیں باقی سب کی شاعری بھی زبردست رہی۔ ''دوست کا پیغام آئے'' اس ماہ پڑھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی سچ میں اتنی خوشی تو مجھے اپنی کہانی شائع ہونے کی نہیں ہوتی جتنی اس بار شانزہ پرویز شانو آپی کا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی آپی بہت شکریہ میرے لیے اتنے اچھے الفاظ لکھے جو مجھے ساری زندگی یاد رہیں گے جو کہ میرے لیے بہت قیمتی ہیں، سدا خوش رہیں آپی اللہ پاک سدا خوش رکھے اللہ پاک نصیب اچھے کرے آمین۔ باقی سارے خط بھی زبردست تھے۔ ''یادگار لمحے'' تو ہر ماہ یادگار

ہوتے ہیں سب خوب لکھتے ہیں۔ جی تو اب آتا ہوں اپنے پیارے سے سلسلے کی طرف، جی جان تو گئے ہی ہوں گے ہاں ہاں "آئینہ" ہی کا نام لے رہا ہوں۔ شہلا آپی میرے پاس الفاظ نہیں جن میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ ایمن غفور سس کا تبصرہ لاجواب اور تفصیلی پڑھ کر بہت اچھا لگا میرا تبصرہ سس کو پسند آیا پڑھ کر خوشی ہوئی۔ شانزہ پرویز شانو آپی کا تبصرہ زبردست تھا ہر کہانی پر تفصیلی تبصرہ پڑھ کر بہت اچھا لگا بہت شکریہ آپی مجھے ویلکم کہا۔ ارم آصف سس کا تفصیلی تبصرہ زبردست تھا سس بہت شکریہ میرا تبصرہ پسند آیا۔ ارم کمال سس تو ہر ماہ کمال کر دیتی ہیں زبردست تبصرہ۔ رمشا آصف، رضوانہ وقاص اور حمنہ کنول اینڈ اقصیٰ پارس سس کے تبصرے بھی زبردست تھے۔ میرا تبصرہ پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ اس ماہ میرے پیارے بھائی ظہیر ملک جن کی وجہ سے اس ماہ مجھے آنچل ملا نہیں تو بچی ایک شمارا بھی نہیں خرید سکتا تھا اگر ظہیر بھائی نہ ہوتے تو پیارے خوش آمدید، بہت اچھا تبصرہ کیا اب ایسا کرنا مجھے جنوری کا آنچل تحفہ دے دینا ایسا نہ ہو کہ ایک بار پھر آپ کا بھائی بھری دکان میں سب کے سامنے شرمندہ ہو جائے خوش رہو سدا آمین۔ شہلا کاشف سس کی محفل میں بہت جلد آ رہا ہوں پھر دیکھنا سب بہنیں کہ کیسے آپی لاجواب ہو جائیں گی۔ "آپ کی صحت" بہت اچھا سلسلہ ہے لیکن میں نے کبھی ڈاکٹر بننے کی کوشش نہیں کی کیوں کہ مجھے وہ بندر والی کہانی ابھی تک یاد ہے۔ شہلا عامر آپی نام والی کہانی اگلے ماہ ان شاء اللہ۔ کیوں کے تبصرہ بہت بڑا ہو گیا ہے اس سے پہلے کے اعلان ہو جائے نا قابل اشاعت کا تو میں اجازت چاہتا ہوں۔ خوش رہیں اللہ پاک کرونا سے نجات عطا فرمائے آمین۔

پیارے بھائی! آپ پیسے گھر بھول گئے آپ کے بھلکڑ پن پر ہنسی آئی۔ ویسے سارے مردوں کو خوش فہمی ہوتی ہے کہ لڑکیاں ان کو دیکھتی ہیں اور ایک دوسرے سے تعریف کرتی ہیں آپ کو تو کچھ زیادہ ہی ہے کہ دو لڑکیاں آپ کی وجہ سے لڑتی ہیں اففف۔

ظہیر ملک...... ہارون آباد۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! امید ہے میری آنچل کی تمام بہنیں خیریت سے ہوں گی اور خوش ہوں گی۔ اس دفعہ سچ پوچھیں تو تبصرہ کرنے پہ دل نہیں کر رہا تھا لیکن سلامت رہیں میرے پیارے سے بھیا رکھا چودھری مارکیٹ گئے تھے گھومنے کیونکہ اتوار کا دن تھا تو چلتے چلتے رسائل کے اسٹال پہ رک گئے وہاں سے پھر ڈائجسٹ خریدا کیسے خریدا اس کی کہانی بھائی کے تبصرے میں ملاحظہ فرمائیے گا ضرور۔ سب سے پہلے بات کرتے ہیں سرورق کی تو ماڈل کا نام تو پتا نہیں لیکن بلا کی خوب صورت لگ رہی تھی بہت سی داد سرورق کے لیے یقیناً بہت محنت طلب کام ہے۔ فہرست بھی بہت عمدہ تشکیل دی گئی تھی۔ "سرگوشیاں" میں سعید نثار آپی کو پڑھا اچھا لکھا آپ نے آپ کی تمام دعائیں اللہ قبول فرمائے اور آپ کو اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی عطا کرے آمین۔ انا للہ وانا الیہ راجعون شاہینہ چندہ مہتاب سس رحلت فرما گئیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ "حمد و نعت" سے دل کو روشن کیا بہت عمدہ کلام تھا ماشاء اللہ۔ "در جواب آں" نازیہ کنول نازی جو ہمارے شہر ہارون آباد سے ہیں ان کے والدین کی وفات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے والدین کی مغفرت فرما کر ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے آمین۔ "ربنا آتنا" کو پڑھا ماشاء اللہ بہترین زندگی بدل دینے والی باتیں تھیں اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ "ہمارا آنچل" میں نبیلہ ابر و یم صاحبہ کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی دعا ہے اللہ کریم مزید ترقیاں عطا فرمائے آمین۔ "اسیر محبت" پہ پہنچے تو پہلا شعر پڑھ کر ہی عش عش کر اٹھے۔ محبت میں ڈوبی بہترین کہانی پڑھ کہ بہت رشک آیا بشریٰ ماہا آپی شاعری بھی کمال کرتی ہیں تحریر میں شاعری کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اور شاعری نہ ہو ایسا ہو ہی نہیں سکتا بہت سی داد بہترین تحریر کے لیے۔ "سامنے کچھ دکھتا کچھ" اچھی تحریر تھی اختتام اچھا کیا گڈ ماشاء اللہ کوثر ناز صاحبہ زبردست لکھتی رہا کریں۔ "سانسوں کے اس سفر میں" ام ایمان قاضی صاحبہ کا ناول بہترین جا رہا ہے قسط نمبر 8 بھی زبردست تھی بہت سی داد اللہ مزید ترقی عطا کرے آمین۔ قراۃ العین سکندر آپی بہترین لکھاری ہیں ماشاء اللہ ان کی بہت سی تحاریر پڑھ چکا ہوں "محبت ہو گئی ہے" تحریر کی زبردست تھی شرجیل اور نائمہ کی محبت آخر کامیاب ہو گئی بہت سی داد تحریر کے لیے۔ "وہ جو اک لمحہ یقین ہو" ماشاء اللہ اتنا لمبا افسانہ دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں لیکن دل پہ ہاتھ رکھ کر پڑھنا شروع کر دیا پڑھنا شروع کیا تو ذرا بھی بور نہیں ہوئے بہترین ہے عالیہ حرا صاحبہ کے لیے بہت سی دعائیں اور داد اللہ مزید ترقیاں عطا کرے آمین۔ "اکائی" ناول اپنی طرز کا بہترین ناول ہے اور زبردست جا رہا ہے عشنا کوثر سردار صاحبہ کے لیے بہت سی داد کہ انہوں نے ان کرداروں کو اب تک سنبھالا ہوا ہے یقیناً جو بہت مشکل کام ہے۔ "اکائی" ناول کی 29 ویں قسط بھی بہترین تھی ماشاء اللہ۔ "تو میرے وجود کا حصہ" بہترین افسانہ تھے پہلی تین چار لائنوں نے تو دل چیر دیا وہ زمانے ہی اور تھے جب عاشق محبت کی خاطر دنیا تیاگ دیتے تھے اور اب عشق و عاشقی مذاق بن کر رہ گئے ہیں یہ محبت وحبت کچھ نہیں ہوتی آج کل صرف فلرٹ ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔ سعدیہ عابد صاحبہ کا افسانہ بہت پسند آیا ماشاء اللہ۔ "ممتا" افسانہ نائمہ غزل آپی بھی کمال کر گئیں ماشاء اللہ شروع سے تھوڑا مزاح ڈالا اچھا لگا پڑھ کر اختتام میں سنجیدہ باتیں لکھیں جو کہ "ممتا" کے بارے میں تھی بہت پسند آئیں واقعی جو آپ نے لکھا زبردست تھا۔ "بیاض دل" میمونہ رومان صاحبہ کا بہترین سلسلہ جس میں سباس گل، عملہ شمشاد حسین، ماہا بشیر حسین، تبسم بشیر حسین، نازیہ نازی ان سب کے اشعار

کے علاوہ بقایا سب کے پیش کیے جانے والے اشعار بھی زبردست بلکہ عمدہ تھے۔ ''ڈش مقابلہ'' طلعت آغاز صاحبہ کا سلسلہ پڑھ کر منہ میں پانی بھر آیا بنائیں گے ان شاء اللہ لیکن شادی کے بعد اپنی پیاری سی بیوی کے ساتھ تب تک سب بہنوں سے دعاوں کی درخواست۔ ''نیرنگ خیال'' ایمان وقار صاحبہ کا سلسلہ جس میں کوثر خالد سودا صاحبہ کی نعت، معصوم بچے کی فریاد حرا سرفراز یوسف زئی صاحبہ کی نثری نظم بہترین تھی۔ اس کے علاوہ ایک، میں اور تم انعم زہرہ صاحبہ، تبسم بشر حسین، اعتبار انعم زہرہ، تمنا ثمرہ گلزار اس کے علاوہ تمام شاعری خوب صورت اور کمال تھی سب شاعرات کے لیے بہت سی دعائیں اللہ اسی طرح رونقیں بحال رکھے آمین۔ ''دوست کا پیغام آئے'' میں سب کے پیغام زبردست تھے لیکن شانزہ پرویز شانو آپی کا خط جو کہ میرے پیارے بھیا اللہ رکھا چودھری کے نام تھا پڑھ کر حیرت ہوئی اور سرپرائز لگا بہت شکریہ آپ نے پیارے بھائی کے بارے میں لکھا وہ یقیناً ہیں اس قابل کہ ان کی تعریف کی جائے ایک بار پھر بہت سارا شکریہ۔ ''یادگار لمحے'' جویریہ سالک صاحبہ کا سلسلہ جس میں رنگ بکھیرتی بہترین تحریریں اور اسباق زبردست تھے ماشاء اللہ۔ تھک ہار کے ''آئینہ'' کی محفل میں پہنچے تو شہلا عامر آپی کو سلام پیش کرتے ہیں اور بہت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے میرا تبصرہ اس بہترین محفل میں شامل کیا اللہ اسی طرح رونق بحال رکھے آمین۔ وعلیکم السلام شہلا آپی کے سلام کا جواب سے شروع کرتے ہیں پہلا تبصرہ اس دفعہ ایمن غفور آپی کا تفصیلی تبصرہ پڑھا جو کہ بہترین تھا ماشاء اللہ۔ شانزہ پرویز شانو آپی کا تبصرہ بھی پڑھا جو کہ مزیدار ہونے کے ساتھ ساتھ کافی طویل بھی تھا لگتا ہے، بہت شوق اور پیار سے لکھا ہے ماشاء اللہ بہترین تبصرے کے لیے، بہت سی داد اور دعائیں اللہ مزید ترقی عطا کرے آمین۔ ارم آصف صاحبہ واہ کیا بات ہے آپ نے بھی بہت خوب تبصرہ کیا گڈ تفصیلی تبصرہ کیا ہر دفعہ شامل رہیں اللہ مزید ترقیاں دے۔ اسی کے ساتھ اجازت چاہوں گا اس دعا کے ساتھ کہ اگلے ماہ پھر حاضری ہو ان شاء اللہ حافظ۔

فرحانہ اسلم ...... ملتان۔ شہلا آپی اور تمام ریڈرز کو سلام! پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ آنی جی کے لیے الفاظ نہیں مل رہے کیسے افسوس کروں۔ حسرت ہی رہے گی کہ انہیں خط نہیں لکھ سکی۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ اس بار آنچل 25 کو مل گیا ٹائٹل بہت پسند آیا ''حمد و نعت'' سے روح پرسکون ہوئی۔ آگے بڑھے تو اپنا انٹرویو دیکھ کے چیخیں نکل گئیں سب کو دکھایا۔ خوشی سے برا حال ہے اس کے لیے تمام آنچل والوں کا دل سے شکریہ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف اففففف موحد اور آیت کا نکاح کیا کر دیا آپی جی ذرا خوشی نہیں ہوئی۔ ''اسیر محبت'' آخر میں آئندہ ماہ دیکھ کے منہ لٹک گیا۔ ''اکائی'' دل تو کرتا ہے وقار کے ایک لگا دوں کان کے نیچے سدھر جاؤ فاطمہ تم بھی پلیز۔ سعدیہ جی نے بھی اچھا لکھا ''محبت ہوگئی ہے'' میں شکر ہے شرجیل کو عقل آگئی۔ قرۃ العین ویلڈن باقی سب بھی ہمیشہ کی طرح بیسٹ ہے اسی طرح خوش کرتے رہیے۔ شہلا جی آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں بالکل ٹوٹا ہوا تارا کی شہوار کی طرح پتا نہیں آپ کے بال کیسے ہوں گے امید ہے لمبے ہی ہوں گے۔ اچھا اب اجازت دیں آوازیں آرہی ہیں کہ بس کرو ایک بار پھر شکریہ آنچل اسٹاف۔

☆ پیاری فرحانہ! اس بار خوشی میں اتنا مختصر تبصرہ ارسال کیا ہے جبکہ ہم تو طویل کا سوچ رہے تھے مختصر وقت میں آپ کا مختصر تبصرہ اچھا لگا۔

شانزہ پرویز شانو ...... ایبٹ آباد۔ شہلا اپیا، آنچل اسٹاف، ریڈرز اینڈ رائٹرز کو محبتوں بھرا اسلام، تمام دوستوں کو میری طرف سے نیا سال 2021ء مبارک ہو۔ میرے پاس آپ سب کے لیے دعاوں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ میں تہہ دل سے آپ سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ آپ سب جہاں بھی رہیں ہمیشہ خوش رہیں۔ نیا سال آپ سب کے لیے اتنی خوشیاں لے کر آئے کہ آپ سب کا دامن تنگ پڑ جائے۔ قدم قدم پر خوشیاں آپ سب کی منتظر ہوں، آمین۔ سرورق پر مسکان خان بہت ہی اچھی لگیں۔ بس کانوں میں ایئر رنگز کی کمی تھی۔ سب سے پہلے آنی جی سے ''سرگوشیاں'' کیں سعیدہ آنی ہم بھی آپ کے بے حد مشکور ہیں جو آپ ہر ماہ اتنی محنت سے ہمارے لیے پرچا ترتیب دیتی ہیں لو یو آنی۔ ''حمد و نعت'' سے دل کو سکون پہنچایا تو پھر ''ربنا اتنا'' کی طرف بڑھے جہاں مشتاق انکل موتی بکھیر رہے تھے۔ ماشاء اللہ بے شک اللہ تعالیٰ سب خامیوں اور عیبوں سے پاک ہے۔ ''ہمارا آنچل'' میں نبیلہ بابر اور فرحانہ اسلم سے ملاقات خوب رہی۔ ''درجواب آں'' میں سعیدہ آنی سب کو پیارے پیارے جوابات سے نواز رہی تھیں۔ سلسلہ وار ناول میں سب سے پہلے ''اکائی'' پڑھا بڑے نواب صاحب اور اس عمر میں عشق توبہ توبہ۔ نواب صاحب یہ کس راہ پر چل پڑے نواب صاحب کے لیے

ان سے محبت بھی کمال کی ہوتی ہے
جن کا ملنا مقدر میں نہیں ہوتا

یہ فاطمہ بی بی اور وقار الحق ساتھ ساتھ رہ کر بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ کب جنت ان کے درمیان سے نکلے گی اور کب ان کے درمیان فاصلے کم ہوں گے۔ جہانگیر میاں آپ بھی آیت بی بی کا ہاتھ تھام لیجیے۔ دیر نہ کریں فاطمہ بی بی آپ کی منزل نہیں ہیں۔ اکرام الحق، کیوں اپنی زندگی جہنم بنانے پر تلے ہوئے ہیں؟ اللہ رحم کرے۔ ''سانسوں کے اس سفر میں'' موحد اور تحجر کے ساتھ اتنی بڑی ناانصافی آیت کا

حشر ہماری توقع سے بھی بڑھ کر براہونا چاہیے۔اس دفعہ کی قسط بہت سیڈ تھی یہ عبدالحنان کو کیوں دورے پڑرہے ہیں۔شعرہ کو چھوڑنے کے۔ بھئی۔شعرہ نے آپ ہی کے ساتھ رہنا ہے۔شجر کیسے ایک ہی گھر میں موحد اور آیت کو ایک ساتھ دیکھ پائے گی۔فیصل کے متھے تو آیت ہی لگنی چاہیے۔بہرحال شجر کی شادی فیصل سے ہرگز نہ ہو اب آگے دیکھتے ہیں۔مکمل ناول میں "اسیر محبت" عشفا نے نعمان کے ساتھ جا کر بہت بڑی غلطی کی ہے، مرد ذات کا کیا بھروسا ہائے اللہ کتنا بڑا دل ہے اسفند کا جو اپنی محبت کو پیروں تلے روند کر عشفا کا ساتھ دے رہا ہے۔اللہ تمہیں عقل عطا فرمائے عشفا اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔"وہ جو اک لمحہ یقین ہو" از عالیہ حرا بہت ہی شاندار اسٹوری تھی۔عیشل کتنے خوب صورت دل کی مالک تھی جو فرحان کی اتنی ناانصافیوں کے باوجود اس کی خدمت کرتی رہی۔نہ جانے یہ فرحان جیسے کتنے ہی بے وقوف ہوتے ہیں جوان فتنوں فرنگیوں کے پیچھے اپنی زندگی خراب کرتے ہیں۔ایویں جھلے ہی ہوتے ہیں۔ویسے فرحان اور فرحت (گوری میم) کو خوشی کے کچھ پل تو میسر ہوتے۔دل بہت خفا ہوا کہ فرحت اور فرحان کی محبت جانبر نہ ہوسکی۔افسانوں میں "سامنے کچھ دکھتا کچھ" بیسٹ اسٹوری شیراز جیسے لوگوں پر لعنت پڑے جو لڑکیوں کا فضول میں وقت برباد کرتے ہیں۔مبین جیسی لڑکیوں کو بھی احتیاط کرنا چاہیے۔ایک دفعہ اعتبار اٹھ جائے تو جو مرضی کرلیں کبھی یقین نہیں آتا اور بے وقوف لڑکیاں دو میٹھے بول کیا کسی نے بول دیے ساری زندگی اسی پے وار دیتی ہیں۔ویلڈن ایمان جی۔"محبت ہوگئی ہے" بس اچھا ہی تھا بروقت شرجیل کا ناعمہ کی محبت قبول کرنا اور احساس کرنا آخر شرجیل کو محبت ہوگئی۔ یہی کافی تھا ناعمہ کے لیے۔"تیرا آسرا بس" نازیہ جمال نے بہت اچھا موضوع چنا سب لوگوں کو صرف اللہ کا ہی سہارا ہے۔ورنہ ہم انسانوں کی تو کوئی اوقات نہیں کس سے بھلائی کریں یا کس ضرورت مند کی مدد کریں۔"تو میرے وجود کا حصہ" منہام لغاری کی بے پناہ محبت پر بہت رشک آیا۔ثاقبہ اور منہام کا نصیب ایک دوسرے سے جڑا تھا۔وہ کیسے نہ ملتے یہ سچ ہے کہ جو ہمارے نصیب میں ہو وہ دو پہاڑوں کے درمیان سے بھی چل کر ہمارے پاس آئے گا اور جو نصیب میں ہی نہیں ہو وہ بے شک ہمارے دو ہاتھوں کے فاصلے پر رہے کبھی نہیں مل سکتا۔"ماں" ماں سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی بھی نہیں۔"بیاض دل" میں ماہا بشیر، ایس این شہزادی، مدیحہ نورین، ماریہ نذیر، عائشہ سلیم (اول رہیں) رمشا آصف، (دوئم) گل مینا اینڈ حسینہ علی (سوئم) شہزادی، ارم شہزادی اور ریحا ملک کے اشعار زبردست تھے۔زینب دلبر اعوان کو اتنے عرصے بعد دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔زینب پلیز ہر ماہ لکھا کریں مجھے آپ کا شدت سے انتظار تھا۔"ڈش مقابلہ" میں مچھلی کے کباب اور فش نگٹس آہم مزیدار۔"نیرنگ خیال" میں کوثر خالد کی نعت اول رہی۔سبحان اللہ اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ثمرہ گلزار تمنا بہت پسند آیا دسمبر کے حوالے سے ساری شاعری بہت پسند آئی۔"دوست کا پیغام" میں جن دوستوں نے یاد کیا اللہ سب کو خوش رکھے آمین۔"یادگار لمحے" سب نے بہترین لکھا۔"آئینہ" میں سب کے تبصرے شاندار تھے۔صرف دس تبصرے باقی سب کدھر ہیں۔نور چودھری، اس بار بھی غائب تھیں۔دیکھو نوردس از ناٹ فیئر کم بیک یار۔"ہم سے پوچھیے" نجم انجم پروین افضل اور سمیرا سواتی کے سوال خوب رہے۔"آپ کی صحت" معمول کی طرح تھا۔اللہ سب کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔اگلے ماہ تک اللہ حافظ۔

فریدہ فری یوسفزئی...... لاہور۔السلام علیکم! 25 تاریخ کو آنچل ملا، سب سے پہلے سرورق دیکھ کر دل بے حد خوش ہوا مدت کے بعد سرورق دلفریب تھا۔قیصر آرا کی وفات کا پڑھ کر دل بے حد دکھی ہوا۔اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ربنا آ تنا پڑھ کر دلی سکون ملتا ہے۔شبیر احمد دلبر بھائی آپ کا تبصرہ پڑھا آپ نے اپنی بہن کو یاد کیا شکریہ۔اب آپ آنچل میں ضرور لکھا کریں میں لاہور ہی میں رہتی ہوں بس رہائش تبدیل ہوگئی ہے۔بھائی کو میرا بے حد سلام اور دعا افسانے سب ہی پسند آئے، ہم سے پوچھیے میں شہلا کاشف بہت ہی دلچسپ جواب دیتی ہیں۔ڈش مقابلہ میں آلو قیمہ کی پوریاں پسند آئیں، سردیاں میری فیورٹ ہیں اس بار میری شاعری نہیں شامل نہیں تھی۔وقاص عمر بے حد سلام دعا جو شاعری آپ نے پچھلے ماہ لگائی تھی وہ دوبارہ اس مرتبہ ضرور لگائیں وہ اگلے ماہ میری برتھ ڈے ہے آپ کا بے حد شکریہ۔طاہر قریشی، مشتاق احمد قریشی، سعیدہ نثار، جویریہ احمد، روبین احمد اور تمام رائٹرز اور بہن بھائیوں کو بے حد سلام اور دعا شہلا عامر، شمائلہ کاشف کو بھی سلام اور دعا۔پیاری پروین افضل بے حد سلام دعا اور منیب الحسن کو بے حد پیار۔
اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے اور وطن عزیز کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

ادم کمال...... فیصل آباد

س:۔ شمائلہ جی! کیا حال چال ہیں آپ کی خدمت میں آداب؟

ج:۔ ادب آداب چھوڑو یہ بتاؤ تھیں کہاں؟

س:۔ سوچ کر بتائیں کہ محبت روگ ہے یا راگ؟

ج:۔ اگر ایک گائے تو روگ ہے اور دونوں گائیں تو راگ۔

س:۔ یہ وقت کے دھارے میں بہتے ہوئے آخر ہم کہاں جارہے ہیں کیا تم جانتی ہو شمائلہ جانو؟

ج:۔ تیسری بار نانی بننے مبارک ہو۔

س:۔ کہتے ہیں شادی جنت کا دروازہ ہے مگر کس کے لیے؟

ج:۔ کنواروں کے لیے۔

س:۔ خوب صورت اور خوف صورت میں کیا فرق ہے جلدی سے بتادو؟

ج:۔ جو مجھ میں اور تم میں ہے۔

س:۔ وہ جب آنکھیں چرانے لگیں تو کیا کرنا چاہیے؟

ج:۔ ان کی نگرانی، کہیں تنخواہ کسی اور کو تو نہیں دے رہے۔

س:۔ شمائلہ جی میں نے سنا ہے کہ خیالی پلاؤ آپ کی مرغوب غذا ہے؟

ج:۔ بالکل میں اکثر تمہارا گوشت خیالی پلاؤ میں شامل کرتی ہوں۔

س:۔ شمائلہ جانو محبت کے پیاسے کو اگر اظہار کا پانی نہ ملے تو کیا بنے گا؟

ج:۔ کچھ نہیں، وہ کہیں اور سے پانی پی لے گا۔

نجم انجم اعوان...... کراچی

س:۔ زندگی میں جب غم بڑھ جائیں تو کرنا چاہیے بھلا کیا؟

ج:۔ اس کو نکال دو زندگی سے، جس کی وجہ سے غم ہیں۔

س:۔ جب رونے کو دل چاہے اور آنسو نہ آئیں تو؟

ج:۔ ساس کے ہاتھ میں پکڑاؤ ایک ڈنڈا اور اونچی آواز کے ساتھ ان کو کوسنے دو۔

س:۔ زندگی کے سفر میں اتنی دشواریاں کیوں آتی ہیں؟

ج:۔ تاکہ زندگی کی گاڑی کو احتیاط سے چلا سکیں سمجھی عقل کی کچی۔

س:۔ شمورانی میں اپنے ملک صاحب کے ہوش اڑانا چاہتی ہوں مگر کیسے اڑاؤں مشورہ دو پلیز؟

ج:۔ گہری نیند سے ان کو اٹھا کر اپنا بغیر میک اپ والا چہرہ دکھادو، ہوش کیا ان کا تو دماغ بھی اڑ جائے گا۔

س:۔ مہربانی کر کے لنڈا بازار جاکر میری بے عزتی نہ کرایا کرو۔

ج:۔ لو تمہیں پتا چل گیا کہ پچھلی عید کا سوٹ میں نے تمہیں وہیں سے لے کر دیا تھا آئندہ خیال رکھوں گی۔

ادم آصف...... مظفر گڑھ

س:۔ کیسی ہیں شمائلہ آپی جی؟

ج:۔ ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت اور اسٹائلش۔

س:۔ گھور کیوں رہی ہیں مجھے شرم آرہی ہے؟

ج:۔ اللہ اللہ شرم سے گال تو دیکھو کیسے پچکے جارہے ہیں۔

س:۔ آپی اپنے لمبے بالوں کا راز تو بتائیں؟

ج:۔ کبھی فرصت سے آنا پھر بتاؤں گی۔

س:۔ آپی ہوا کا گھوڑا کیسا ہوتا ہے؟

ج:۔ چار پیر ایک سر اور ایک دم والا۔

س:۔ آپی کہتے ہیں کہ بلی شیر کی خالہ ہے تو بلی کی آواز شیر کی آواز کی طرح کیوں نہیں ہے؟

ج:۔ لڑکی کی آواز لڑکوں جیسی تو ہونے سے رہی، سمجھی الٹی کھوپڑی کی۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س:۔جب بھی نیا سال آتا ہے میں اپنے میاں جانی پرنس افضل شاہین سے کہتی ہوں کہ گھر کا خرچا بڑھاؤ وہ ہر بار ہی انکار کردیتے ہیں بلکہ دھمکی لگاتے ہیں بھلا کیا؟

ج:۔دال روٹی کھلانے کی۔

س:۔کیا میرے میاں جانی اس سال میری مٹھی میں آجائیں گے؟

ج:۔نہیں بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ موٹے ہوجائیں گے۔

س:۔اگر دنیا کی تمام عورتیں گونگی بہری ہوتیں تو کیا ہوتا؟

ج:۔اشاروں میں باتیں ہوتیں اور موبائل میں بیلنس ڈلوانے کی بھی بچت ہوتی۔

مشعال خان...... بھیر کنڈ

س:۔آنی پچھلی بار ملنے آئی آپ خوش تھیں اس لیے سوچا بزرگوں کو خوش کرنا چاہیے؟

ج:۔بہت خوشی ہوئی بے بی سے مل کر لیکن امی سے پیمپر تو بدلوالیتی۔

س:۔اتنی خوشی کہ آنسو نکل پڑے اگر آپ روئیں تو ہم یہیں رک جاتے ہیں؟

ج:۔ارے یہ خوشی کے نہیں دکھ کے آنسو ہیں اب تم جانے کی تیاری کرو۔

س:۔ابھی جارہی ہوں پھر آؤں گی دوستوں کے ساتھ اور کھانا کھائے بغیر ٹلوں گی نہیں۔

ج:۔چلو ٹھیک ہے ابھی تو تم ٹلو۔

ام ہانی شاہد...... ڈگری

س:۔ارے ارے آپی اتنا گھور کیوں رہی ہیں کیا کبھی حسین لڑکی نہیں دیکھی؟

ج:۔دیکھی ہے مگر اتنی کالی نہیں۔

س:۔آپی آج عینک کے بغیر کیسے عینک ٹوٹ گئی کیا؟

ج:۔کس کی تمہاری۔

س:۔آپی یہ دیکھیں میں آپ کے لیے گفٹ لائی بتیسی۔

ج:۔پہلے خود لگا کر دکھاؤ پھر میں لوں گی۔

س:۔چلیں یہ سب چھوڑیں یہ بتائیں اگر جامن کے درخت کے نیچے گلاب کا پودا لگادیا جائے تو گلاب جامن نکل آئیں گے کیا؟

ج:۔نہیں دونوں کا موسم سے بہت گہرا تعلق ہے۔

س:۔جلدی سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار دیں میں نے سنا ہے بزرگوں سے پیار لینا چاہیے؟

ج:۔بالکل لو اور دعا ہے کہ اللہ تمہیں جلدی سے میٹرک کرادے سب کہو آمین۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

س:۔آپی جان یکم جنوری کو آپ نے ہمیں سالگرہ کا گفٹ نہیں بھیجا؟

ج:۔بھیجا تھا پر وہ ملتان میں جلسے میں پھنس گیا۔

س:۔دلہن کی جوتا چھپائی کی رسم کیوں نہیں ہوتی؟

ج:۔کیونکہ وہ جوتا نہیں سینڈل پہنتی ہے۔

س:۔میں کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی کیوں؟

ج:۔کیونکہ تم بولتی بہت ہو۔

س:۔کائنات کی ہر چیز میری طرح حسین ہے، بہت، ہے نا جی؟

ج:۔ہاں، اتنا جھوٹ، بہت ہے۔

س:۔نکاح کی پڑیوں میں فروٹ کیوں نہیں ہوتا کیلے، سیب؟

ج:۔کیونکہ وہ پڑیاں چھوٹی ہوتی ہیں اس لیے۔

س:۔سورج نکلتا ہے تو دھوپ کیوں آجاتی ہے؟

ج:۔تاکہ کسی کو اس پر شک نہ ہو کہ وہ رات بھر سورج کے ساتھ تھی۔

س:۔اگر دلہا لہنگا اور دلہن شیروانی پہنا کرے تو؟

ج:۔تو دلہن کی جگہ دلہے کو رخصت ہونا پڑے گا۔

س:۔دلہن، دلہا کو منہ دکھائی کیوں نہیں دیتی؟

ج:۔کیونکہ پارلر والی منہ ساری دکھائی لے چکی ہوتی ہے۔

س:۔ میں روٹی بنانے لگتی ہوں کوے کیوں آجاتے ہیں؟

ج:۔ سسرال کی طرف سے آتے ہوں گے۔

نبیلہ نلز...... موڑ اللہ آباد

س:۔ آپ نے کے ایم نور المشال کے ٹوٹکے اپنائے کتنا فرق پڑا آپ کے حسن پر؟

ج:۔ بہت زیادہ اب میں گوری چٹی ہوگئی ہوں تمہاری جیسی کوئل نہیں رہی۔

کنزیٰ رحمان...... فتح جنگ

س:۔ ہماری شرکت بزم شمائل کے لیے زعفران اور آپ کی؟

ج:۔ حلوائی کی۔

س:۔ شمائل جی میں نے سوچا کہ انٹری مار ہی دوں کیونکہ آپ مجھے اتنا مس جو کر رہی ہیں، ہے ناں؟

ج:۔ ہاں، سر میں بہت درد ہو رہا ہے چلو شاباش مساج کردو۔

س:۔ دل کرتا ہے کہ آپ کی بزم میں اتنی اچھی تقریر کروں کہ......؟

ج:۔ سب میں اول آؤں، پلیز اپنی نند پر تقریر مت کرنا۔

س:۔ ساس کو زیر کرنے کا کوئی طریقہ تو بتائیں ذرا؟

ج:۔ خود کو زیر کرنے کی کوشش کرو۔

س:۔ جاتے جاتے آپ کے لیے ایک شعر

کتنی دولت ہے تمہارے لہجے میں
بات کرتی ہو تو دل خرید لیتی ہو

ج:۔ نوازش ہے آپ کی۔

شائستہ جٹ...... چیچہ وطنی

س:۔ شمائل جی کیسی ہیں؟

ج:۔ بہت خوب صورت اسمارٹ اور اسٹائلش۔

س:۔ بڑی مدت بعد آئی ہوں پر تپاک استقبال کریں؟

ج:۔ کرونا نہ ہوتا تو کردیتی پر اب مجبوری ہے۔

س:۔ شمائل جی مانو اب اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ وہ آپ کی طرح ایک سوال کے دس جواب وہ بھی الٹ دیتی ہے۔

ج:۔ تم اس کو الٹا کر کے جواب مانگا کرو۔

س:۔ شمائل جی سنا ہے کوا بہت سیانا ہوتا ہے تو پھر وہ کریم لگا کر گورا کیوں نہیں ہوتا؟

ج:۔ کیونکہ اس کی کریم تم استعمال کرلیتی ہو۔

س:۔ میری خوب صورتی پر ایک شعر؟

ج:۔ ایسی خوب صورتی پر شعر نہیں کہا جاتا نظر پھیری جاتی ہے۔

س:۔ ایک بات دل سے کہوں جو مسکراہٹوں کو بھی ہنسا دے وہ شمائلہ جی کے جواب ہیں؟

ج:۔ ارے مکھن۔

ماریہ نذیر...... بھاگٹا نوالہ

س: بس آپی میں پھر آگئی آپ سے پوچھنے تو بتایئے ''گوگل ماسی'' سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟

ج: وہی ہے جو تمہارا انکل کمپیوٹر سے ہے۔

س: زمین سنگل، چاند سنگل، سورج سنگل اور میں بھی سنگل ایسا بھلا کیوں؟

ج: اپنے وزن کے حساب سے خود کو سنگل کہتے شرم ذرا نہ آئی۔

س: یہ بتایئے میرے دیور کے سر پر سینگ ہوں گے؟

ج: تم نے بارہ سنگا سے شادی کرلی ہے یا بندر سے۔

س: میرے سسر کی توند ہوگی؟

ج: توند کا تو پتا نہیں پر یہ سوالات پڑھ کر گنج ضرور ہوگی۔

س: میری نند پیاری ہوگی یا چڑیلوں جیسی؟

ج: چڑیل جیسی بھی ہوئی تو پارلر لے جانا۔ اس کے بعد وہ تمہاری جیسی نظر آئے گی۔

آپ کی صحت

ڈاکٹر شائستہ سرفراز

خالد پرویز گجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ میرا بیٹا جس کی 12 سال ہے۔ اس کا مسئلہ پیٹ کی گیس کا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے معدے اور پیٹ میں درد رہتا ہے۔ اکثر دماغ میں درد اور چکر آنے کی بھی شکایت کرتا ہے۔ کھانا ٹھیک کھاتا ہے۔ کبھی کبھی دل گھبراتا ہے اور سانس لینے میں مشکل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتا ہے۔ مہربانی کرکے کوئی اچھا سا نسخہ تجویز کریں۔

محترم آپ اپنے بیٹے کو CARBO-VEG 30 کے پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ دیں ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

سمیرا رضوان ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو آٹھ سال ہوگئے ہیں۔ دو بیٹے ہیں۔ بچوں کی پیدائش کے بعد وزن بہت بڑھ گیا ہے۔ سانس بھی پھولنے لگا ہے۔ تھوڑا سا کام کرنے سے تھک جاتی ہوں، چلنے میں بھی مشکل ہونے لگی ہے۔ کوئی مناسب دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACA BERRY Q کے پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں ایک مرتبہ پئیں دودھ اور دہی کا استعمال کریں۔ مرغن کھانوں سے پرہیز کریں کولڈ ڈرنک وغیرہ بالکل بند کردیں اور آدھے سے ایک گھنٹہ واک کو معمول بنائیں۔

صاعقہ نور ملتان سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ NUX VOMICA 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ پئیں اور اس کے ایک ہفتے بعد MARCHURAS-SAL 6X کی دو گولیاں دن میں تین مرتبہ لیں دونوں دوا کے درمیان دس منٹ کا وقفہ رکھیں۔ علاج مسلسل تین مہینے کریں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

شاف احمد کلاسکے گجرانوالہ سے لکھتے ہیں کہ میرے بیٹے کی عمر 13 سال ہے۔ اس کی نظر بھی کمزور ہے، جوڑوں میں بھی درد رہتا ہے۔ ہاتھوں پیروں کمر اور گھٹنوں میں بھی درد ہوتا ہے بھوک بھی کم لگتی ہے اسکول کا ہوم ورک کرتے ہوئے ہاتھوں اور انگلیوں میں درد کی شکایت کرتا ہے میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں مہربانی کرکے کوئی اچھا سا نسخہ تجویز کریں۔

محترم آپ اپنے بیٹے کو نظر کے لیے EUPRICEA 30 کے پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ دیں اور جسم کے درد کے لیے کلینک کے نمبرز پر رابطہ کرکے ڈاکٹر سے بات کرلیں۔

مزمل آصف خانگڑھ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ SPIA 30 کے دس قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں دو مرتبہ لیں۔ ان شاء اللہ افاقہ ہوگا۔

ش ب ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میں اسٹوڈنٹ ہوں، پہلے میرا رنگ صاف تھا اب بہت کم ہوگیا ہے۔ بال بھی ہلکے ہوگئے ہیں اور مسلسل گر رہے ہیں خشکی اور سکری بھی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں مہربانی کرکے کوئی مناسب دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ JUDUM IM کے دس قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر ہر پندرہ دن بعد پئیں بالوں کی بہترین افزائش کے لیے APHRODITE HAIR GROWER کلینک سے بذریعہ ایزی پیسہ منگوالیں مستقل استعمال سے ان شاء اللہ بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

مسز رفیق رحیم یار خان سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کی عمر 15 سال ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس کا قد بہت چھوٹا رہ گیا ہے۔ نسوانی حسن میں بھی کمی ہے۔ جس کی وجہ سے

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا
ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ ”ماہنامہ آنچل“ کے معروف سلسلے ”آپ کی صحت“ کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔
قدرتی بال، سر کی رونق بحال
Aphrodite
Hair Grower
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 700/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ
Hair Inhibitor
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 900/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 800/= روپے
ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی
Aphrodite
Breast Beauty
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 600/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
ایفروڈائٹ پین کلر
Aphrodite
Pain Killer
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 700/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتہ
0320-1299119
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
زیر نگرانی:
(ST-15)SA-1
75850
021-36997059

چھوٹی سی بچی لگتی ہے جس کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہوگئی ہے کہیں بھی آنے جانے سے کتراتی ہے، بہت کمزور بھی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں مناسب حل بتائیں۔

محترمہ آپ اپنی بیٹی کو CALCIUM PHOS 6X کی دو گولی دن میں تین مرتبہ دیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں ایک مرتبہ دیں۔ دوسرے مسئلے کے لیے کلینک سے بذریعہ ایزی پیسہ BREAST BEAUTY منگوالیں بچی کو متوازن غذا دیں اور دودھ اور کھجور بھی غذا میں شامل کریں، ان شاءاللہ افاقہ ہوگا۔

شازیہ امجد فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے لیکوریا کا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ کمر اور ٹانگوں میں درد رہتا ہے اور ہر وقت بے چینی ہوتی ہے۔ کہیں آنے جانے کا دل نہیں چاہتا، بال بھی بہت کمزور اور روکھے ہو رہے ہیں، طبیعت میں بہت سستی رہنے لگی ہے۔ پلیز مجھے کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں بالوں کے لیے کلینک سے بذریعہ ایزی پیسہ APHRODITE HAIR GROWER منگوالیں مسلسل استعمال سے بالوں کی بہترین افزائش ہوگی۔

محترمہ طیبہ محسن آپ اپنے مسئلے کے حل کے لیے کلینک کے نمبر پر ڈاکٹر سے رابطہ کریں۔

صالحہ خاتون ضلع وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میرے بیٹے کی عمر 20 سال ہے مسئلہ یہ ہے کہ وہ بہت کمزور ہے ہاضمہ خراب رہتا ہے قے اور متلی کی بھی شکایت رہتی ہے۔ بھوک بالکل نہیں لگتی اور خون کی بھی کمی ہے۔ ڈاکٹر جگر پر ورم بتاتے ہیں ڈاکٹری دواؤں سے وقتی آرام آتا ہے لیکن مرض ختم نہیں ہوتا میں بہت پریشان ہوں مہربانی کرکے میری رہنمائی کریں۔

محترمہ آپ اپنے بیٹے کو FCRRUM PHAS 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین ٹائم پلائیں، چکنائی اور باہر کے کھانوں سے مکمل پرہیز کرائیں، ان شاءاللہ جلد افاقہ ہوگا۔

خورشید عارف والا سے لکھتے ہیں کہ میرا وزن بہت زیادہ ہے، جس کی وجہ سے پریشان ہوں کوئی کام نہیں کر پاتا جلدی تھک جاتا ہوں اور سانس پھولنے لگتا ہے چلنے پھرنے میں بھی بہت پریشانی ہوتی ہے مجھے وزن کنٹرول کرنے کے لیے کوئی مناسب دوا بتائیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA BERRY Q کے دس قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا کپ پانی میں پئیں۔ مرغن، مرچ مصالحے والے اور باہر کے کھانوں اور کولڈ ڈرنک وغیرہ سے پرہیز کریں۔ غذا سادہ اور متوازن کھائیں اور آدھے سے ایک گھنٹہ واک روزانہ کریں۔

ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا کلینک
صبح دس تا رات نو بجے
ایڈریس: دکان نمبر 9 مدینہ ٹیرس، پلاٹ نمبر SA-1 (ST-15) سیکٹر 14-B نارتھ کراچی 75850
فون نمبر 021-36997059
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر 0349-4900800

خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت ماہنامہ آنچل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔

منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں۔

hashim.mirza@aphrodite.com.pk